خلافة علیٰ منهاج النبوة

افاضات

سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدّین محمود احمد المصلح الموعُود
خلیفۃ المسیح الثانی

فضلِ عمر فاؤنڈیشن

KHILĀFAT ALĀ MINHAJ-E-NOBUWWAT

BY

HADHRAT MIRZA BASHIR-UD-DIN MAHMOOD AHMAD
KHALIFATUL MASIH II

Published by:-

FAZLE-UMAR FOUNDATION

Printed by:-

SUNRISE PRINTERS

LAHORE

سیّدنا حضرت مرزا بشیر الدّین محمود احمد المصلح الموعُود
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیشگوئی مصلح موعود

''اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بُہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃُ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دِل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَ الْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شُہرت پائے گا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔''

(اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ صد سالہ خلافت جوبلی ۲۰۰۸ء کے تاریخی اور بابرکت موقع پر فضل عمر فاؤنڈیشن کو خلافت کے موضوع پر سیدنا حضرت مصلح موعود کی تحریرات و ارشادات کو تین دیدہ زیب جلدوں میں احبابِ جماعت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اِس کتاب کا نام ’’خلافة علٰی منهاج النبوة ‘‘ منظور فرمایا ہے۔ تیسری جلد اِس وقت احباب کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ اس جلد میں حضور کے خطبات، تفسیر کبیر، تقاریر مجالس شوریٰ اور متفرق مطبوعہ وغیر مطبوعہ مواد میں سے خلافت سے متعلق حصص کو شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات سے کماحقہٗ استفادہ کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

خاکسار مکرم مولانا فضل الٰہی بشیر صاحب، مکرم حبیب اللہ باجوہ صاحب، مکرم عبدالرشید صاحب اٹھوال اور مکرم فضل احمد شاہد صاحب مربیان سلسلہ کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان جلدوں کی تدوین و اشاعت کے مختلف مراحل، مسودات کی ترتیب و تصحیح، پروف ریڈنگ، حوالہ جات کی تلاش، RECHECKING اور اعراب کی درستگی کے سلسلہ میں ان سب نے بہت ہی محنت اور خلوص سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِ

مکرم صفدر نذیر صاحب گولیکی اور مکرم محمد محمود طاہر صاحب مربیانِ سلسلہ کا بھی خاکسار دلی شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے مختلف کتب اور خطابات کے ابتدائی نوٹس کی تیاری کا کام بڑی محنت، دلی لگن اور مہارت سے سرانجام دیا۔ اسی طرح مکرم بشارت احمد صابر صاحب کارکن دفتر فضل عمر فاؤنڈیشن نے جلد ھٰذا کی تدوین و اشاعت کے مختلف مراحل میں کام کیا۔ **فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ**

محترم سید عبدالحی صاحب ناظر اشاعت کی راہنمائی بھی ہمارے لئے بہت سہولت کا موجب ہوئی ادارہ ان کا بھی بے حد شکرگزار ہے۔ **فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ**

اللہ تعالیٰ فضل عمر فاؤنڈیشن کی اِس علمی کاوش کو قبول فرمائے اور ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں احسن رنگ میں بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

ناصر احمد شمس

سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن

فہرست عناوین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ملتان میں خطبہ جمعہ

۱۹۱۳ء کو ملتان کی جماعت نے ایک جلسہ منعقد کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خدمت میں اجازت کے لئے لکھا۔ ۲۹، ۳۰ نومبر ۱۹۱۳ء کو جلسہ منعقد ہوا۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اور رفقاء بھی تھے۔ ۲۹ نومبر کو آپ نے نماز جمعہ پڑھائی۔

''حضرت صاحبزادہ نے خطبہ میں خلافت کی برکات اور رحمت کا بیان کیا۔ اور اس کی مخالفت کا خلافِ قرآن و حدیث و تعامل صحابہ ہونا ثابت کیا۔ اور جماعت کو تاکید فرمائی کہ اختلافات میں نہ پڑیں۔ کوئی امر شر اُن کے علم میں آوے تو اپنی مجلسوں میں اس پر مباحثات نہ کریں بلکہ ایسے معاملات حضرت خلیفۃ المسیح تک پہنچا دیویں اور پھر وہاں سے جو حکم آوے اُس پر عمل درآمد کریں اور جو لوگ خلافت کے خلاف کوئی بکواس کریں اُن کی مجلسوں میں بیٹھنا اور ان سے تعلق رکھنا غیرت کے خلاف سمجھیں''۔

(اخبار البدر دسمبر ۱۹۱۳ء)

خلافت سے وابستہ ہونے میں بڑی برکات ہیں

(فرمودہ ۱۳؍اگست ۱۹۱۵ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی :۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۲﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ﴿۵﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۶﴾ [1]

پھر فرمایا :۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمیں دو عیدیں نصیب ہوئی ہیں ۔ ایک عید الفطر اور دوسری جمعہ کی عید۔ دونوں نمازوں کے ساتھ خطبے بھی ہیں ۔عید سے بعد خطبہ ہے اور جمعہ سے پہلے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طرزِ عمل تھا۔ میری عادت ہے کہ میں تقریر کرنے آتا ہوں تو کوئی مضمون سوچ کر نہیں آتا بلکہ اس وقت جو خدا تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے وہی سنا دیتا ہوں ۔ ابھی ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ کچھ غیر مبائعین عید و جمعہ کے لئے آئے ہوئے ہیں اس لئے میں ان کے متعلق کچھ کہہ دوں ۔

میں تو صرف بڑے آدمیوں ہی کو نہیں بلکہ ایک ضعیف' غریب اور ناکارہ سے ناکارہ انسان کو بھی جو نہایت ہی بدترین مخلوق سمجھا جاتا ہو سمجھانے کے لئے تیار ہوں بلکہ وہ غریب ایک منکر بادشاہ سے بہتر ہے کیونکہ وہ خدا کی باتوں پر زیادہ غور وفکر کرتا ہے۔ بہرحال میں اللہ تعالیٰ کے لئے سناتا ہوں اگر غیر مبائعین فائدہ نہ اُٹھائیں تو ممکن ہے کوئی اور ہی فائدہ اُٹھائے اور ہدایت پائے۔ حقیقت میں ہدایت دینا تو خدا ہی کا کام ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ [2]

کہ تو اُن پر داروغہ نہیں تیرا کام تو سنا دینا ہے منوانا نہ منوانا خدا کا کام ہے۔اس طرح خلافت کے متعلق مجھے تعجب آتا ہے کہ خلافت کے لئے کس بات کا جھگڑا ہے۔ کیا یہ کوئی سیاست کا نزاع ہے، کوئی ایسی چیز میری تو سمجھ میں نہیں آتی۔ جھگڑے یا تو عقائد پر ہوتے ہیں یا شریعت پر کہ خدا کا فلاں حکم یوں ہے اور یوں کرنا چاہیے۔ پھر جھگڑے مُلکوں پر ہوتے ہیں، مال و دولت پر ہوتے، مکانات پر اور مختلف اشیاء پر جھگڑے ہوتے ہیں۔ دیکھو جیسے فرانس، جرمن، بیلجیئم، آسٹریا، یہ سب ملکوں کے لئے لڑتے جھگڑتے ہیں لیکن خلافت کسی ملک کا نام نہیں۔ خلافت کوئی مال کی تھیلی نہیں، خلافت کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں۔ خلافت کی دو ہی اغراض ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ جماعت پراگندہ نہ ہو، جماعت کو تفرقہ سے بچایا جائے اور ان کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ یہی تفرقہ کو مٹانے، پراگندگی کو دور کرنے کے لئے ایک خلیفہ کی ضرورت ہوتی ہے نیز اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ جماعت کی طاقت متفرق طور پر رائیگاں نہ جائے بلکہ ان کو ایک مرکز پر جمع کر کے ان کی قوت کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔

اب ایک فریق کہتا ہے کہ آیت استخلاف کے ماتحت خلافت ضروری ہے اور ایک کہتا ہے کہ خلافت ضروری نہیں۔ فیصلہ کے لئے ایک آسان راہ یہ ہوسکتی ہے کہ ہر شخص یہی سوچ لے کہ جو کام میں کرتا ہوں جماعت کے لئے کس قدر مفید ہے اور کس قدر مضر۔ اگر اس کام کے کرنے سے جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے تو کرے ورنہ اسے چھوڑ دے۔

اب دیکھو کہ جماعت کا کثیر حصہ خلافت کے وجود کو جماعت کے لئے رفع تفرقہ کے لئے ضروری سمجھتا ہے اور دوسرا فریق اسے غیر ضروری خیال کرتا ہے۔ بحثوں کا فیصلہ تو کبھی ہو نہیں سکتا۔ دیکھو خدا کی ہستی ہے اس میں اختلاف ہے پھر اس کی صفات میں اختلاف ہے۔ ملائکہ کا وجود ہے اختلاف اس میں بھی موجود ہے۔ اختلاف تو رہے گا۔ اب دونوں فریق میں سے کس کا فرض ہے کہ اپنی ضد اور ہٹ کو چھوڑ دے۔ اگر فریق مخالف یہ کہے کہ خلافت ثابت نہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کے خلاف بھی تو ثابت نہیں۔ خلافت کو ماننے والے اگر خلافت کو چھوڑ دیں تو خدا کے نزدیک مجرم ہیں کیونکہ وہ آیت استخلاف کے ماتحت خلافت کو مانتے ہیں مگر خلافت کا ہونا نہ ہونا یکساں سمجھنے والے اگر اتفاق کے لئے خلافت کو مان لیں تو

جماعت سے وہ تفرقہ مٹ سکتا ہے جس کی وجہ سے اتنا فتور پڑ رہا ہے۔ حضرت مولوی صاحب کی وفات کے روز مولوی محمد علی صاحب نے مجھ سے کہا کہ میاں صاحب! آپ ایثار کریں۔ میں نے کہا کہ کیا خلافت کا ہونا گناہ ہے؟ تو وہ کہنے لگے نہیں جائز ہے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک ضروری اور واجب ہے۔ اب جب وہ دونوں گروہ ایک بات پر قائم ہیں ایک کے نزدیک فعل اور عدمِ فعل برابر ہے اور دوسرے کے نزدیک واجب، تو اس فریق کو جو جواز کا قائل ہے چاہیے کہ وہ اپنی ضد کو چھوڑ دے۔ خدا تعالیٰ ضرور اس سے پوچھے گا کہ جب ایک فعل کا کرنا اور نہ کرنا تمہارے نزدیک برابر تھا تو تم نے کیوں اپنی ضد کو نہ چھوڑا۔ پس اس فریق کو خدا کے حضور جواب دینا پڑے گا۔

پھر میں بتاتا ہوں کہ اسلام نے جتنی اس زمانہ میں ترقی کی ہے جب کہ اس کے ماننے والے ایک خلیفہ کے ماتحت تھے اتنی پھر کسی زمانے میں نہیں کی۔ حضرت عثمانؓ وعلیؓ کے زمانے کے بعد کوئی بتا سکتا ہے کہ پھر بنی عباس کے زمانہ میں بھی ترقی ہوئی۔ جس وقت خلافتیں پراگندہ ہوگئیں اُسی وقت سے ترقی رُک گئی جو لوگ خلیفہ کے متعلق مامور غیر مامور کی بحث شروع کر دیتے ہیں اپنے گھر ہی میں غور کریں کہ کیا ایک شخص کے بغیر گھر کا انتظام قائم رہ سکتا ہے؟

یورپ کے کسی مصنّف نے ایک ناول لکھا ہے جس میں اس نے ان لوگوں کا خوب خاکہ اُڑایا ہے اس کا مَاحصل یہ ہے کہ دو لڑکیوں نے اپنے باپ کے اس اصول کو حجت قرار دے کر کہ مرد و عورتوں کے حقوق وفرائض یکساں ہیں اور گھر کا ایک واجب الاطاعت سربراہ ہونے کی ضرورت نہیں اپنے اپنے دل پسند مشاغل میں مصروف رہ کر اور انتظام خانہ داری میں اپنی خودسری سے ابتری ڈال کر باپ کو ایسا تنگ کیا کہ اُسی کو معافی مانگنی پڑی۔ الغرض ایک مرکز اور ایک امام کے بغیر کبھی کام نہیں ہوسکتا۔ جنگ میں بھی ایک آفیسر کے ماتحت فرمانبرداری کرنی پڑتی ہے اور اگر کوئی ذرا نافرمانی کرے تو فوراً گولی سے اُڑا دیا جاتا ہے۔ بعض وقت آفیسر غلطی سے حکم دے دیتے ہیں تو بھی فوجی کو ماننا پڑتا ہے۔

اسلامی شریعت نے مسلمانوں کو بتایا کہ اگر امام بھول جائے اور بجائے دو رکعت کے

چار پڑھ لے تو تم بھی اس کے ساتھ چار ہی رکعت ادا کرو۔ اگر وہ چار کی بجائے پانچ پڑھ لے تو تم بھی اس کی اتباع کرو حالانکہ وہ کوئی نیا حکم نہیں لاتا۔ پھر امام کا اتنا ادب ملحوظ رکھا کہ اس کو غلطی پر ٹوکنے کی بجائے **سُبْحَانَ اللّٰہ** کا کلمہ سکھایا جس کے معنے یہ کہ سہو وخطا سے پاک تو اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہوسکتی ہے۔ پھر یہ بات کہ غیر مامور خلیفہ غلطی کرسکتا ہے لہٰذا اس کی یا اس کا حکم ماننے کی ضرورت ہی نہیں، کیسا خطرناک خیال ہے۔ درحقیقت غلطی کرنے سے پاک کوئی انسان نہیں ہوسکتا۔ دیکھو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے ہیں کہ تم میں سے دو آدمی میرے پاس ایک فیصلہ لاتے ہیں لیکن ایک انسان زبان کی چالاکی سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتا ہے حالانکہ وہ حقدار نہیں ہوتا۔ پس اس طرح پرایا حق لینے والا آگ کا ٹکڑا لیتا ہے۔[۳] جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں بھی غلطی کرسکتا ہوں تو دوسرا کون ہے جو یہ کہے کہ میں غلطی سے پاک ہوں۔ اگر ایک شخص علیحدہ نماز پڑھے اور یہ کہے کہ میں امام کے پیچھے اس لئے نماز نہیں پڑھتا کہ وہ غلطی کرتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اکیلا نماز پڑھے تو کیا وہ غلطی نہیں کرسکتا؟ جس طرح امام بتقاضائے بشریت غلطی کرسکتا ہے اسی طرح پر وہ شخص بھی جو اکیلا نماز پڑھتا ہے غلطی سے نہیں بچ سکتا۔

پس جماعت جماعت ہے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے والا اور اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ جو خلیفہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کو واضح رہے کہ حضرت عثمانؓ کے وقت میں جب لوگ مخالفت کے لئے اُٹھے تو آپ نے فرمایا تم خوب یاد رکھو تم یہ فتنہ مت پھیلاؤ اس فتنہ سے تم میں کبھی صلح نہیں ہوگی، تم میں کبھی اتفاق نہیں ہوگا۔ چنانچہ آج تک مسلمانوں میں صلح نہیں ہوئی۔ عبداللہ بن سلام کا یہ قول سن کر کہ آخری وقت میں فتنہ ہوگا ابن عباس نے کہا کہ تم جماعت کو اختیار کرنا۔ لوگوں نے کہا اگرچہ قاتل ہی ہو۔ انہوں نے کہا ہاں اگرچہ قاتل ہی ہو؟ (ایسے ہی تین بار کہا) لوگ موازنہ کرکے دیکھ لیں کہ کس طرف زیادہ فوائد ہیں۔ تم کہتے ہو بیعت ضروری نہیں لیکن ہم کہتے ہیں اتفاق تو ضروری ہے پس کیوں اس طریق کو اختیار کرتے ہو جو اتفاق سے دور کرنے والا ہے۔ میں کل ہی ذکر کر رہا تھا **لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَ يَّالَنَا لَهٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارَسْ**[۴]۔ اس میں رِجَال کا

لفظ آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک پیشگوئی ہے کہ اگر ایمان معلق بِالثُّرَیَّا ہوگا تو ابنائے فارس میں سے بعض رِجَال ایمان کو لائیں گے۔ تو اَب ضروری ہے کہ ابناءِ فارس یعنی حضرت کے خاندان سے ہوں اور اگر کسی دوسرے خاندان سے ہوں تو وہ ابناءِ فارس سے نہیں کہلا سکتے۔ اور پھر یہ پیشگوئی غلط ہو جاتی ہے۔ رَجُلٌ مِنْ فَارَسَ نے بتایا اصل بانی سلسلہ ایک ہی ہے مگر رِجَال نے بتا دیا کہ اس کے مُمِدّ و معاون اور بھی ابناءِ فارس سے ہوں گے۔ غرض میرا کام فساد کو بڑھانا نہیں۔ کسی انسان کے بنانے سے کچھ نہیں بن سکتا۔ چونکہ اِس وقت دنیا میں شرک حد سے بڑھ چکا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ایک کمزور انسان کو کھڑا کر کے بتا دیا کہ کسی کام کا کرنا میرے ہاتھ میں ہے۔

جب خدا نے مجھے پکڑ کر کھڑا کر دیا تو میرا اس میں کیا دخل ہے۔ میرے مخالفوں کو علم میں، تجربہ میں، جذبات میں مجھ سے بڑے ہونے کا دعویٰ ہے مگر خدا نے سب سے کمزور سے کام لیا۔ میں تو اپنی حیثیت کو کچھ نہیں سمجھتا۔ خدا یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں کمزور سے کمزور کو بڑی طاقت دے سکتا ہوں۔

خلافت سے پہلے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میرا ایک ہم جماعت ہے وہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں تمہارے لیکچر کے خلاف لیکچر دوں گا تو میں نے اس سے کہا کہ اگر تم میرے خلاف لیکچر دو گے اور مجھ پر سچا الزام بھی لگاؤ گے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ پس یاد رکھو خدا کے کاموں کو کوئی روک نہیں سکتا۔ خدا تمہیں ان باتوں کی سمجھ دے۔ آمین۔

(خطبات محمود جلد ۴ صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۴)

۱؎ الفلق: ۲ تا آخر ۲؎ الغاشیة: ۲۳

۳؎ **بخاری کتاب الاحکام باب موعظة الامام للخصوم** (مفہوماً)

۴؎ **المعجم الکبیر للحافظ ابی القاسم سلمان بن احمدالطبرانی** جلد ۱۸ صفحہ ۳۵۵ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ ۱۳۹۷ھ

خلفاء کی سچے دل سے اطاعت کرو

(فرمودہ ۲۹ جون ۱۹۱۷ء)

تشہد وتعوّذ کے بعد مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۶﴾

فرمایا:۔

’’بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے کلام اور اپنی تحریر پر قابو نہیں رکھتے۔ حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ صوفیاء کا قول ہے۔’’اَلطَّرِیْقَةُ کُلُّهَا اَدَبٌ ‘‘ تو جب تک انسان اپنے قول اور تحریر پر قابو نہیں رکھتا اور نہیں جانتا کہ اس کی زبان اور قلم سے کیا نکل رہا ہے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں وہ تو حیوان سے بھی بدتر ہے کیونکہ جانور بھی خطرہ کی جگہوں سے بچتا ہے۔لیکن انسان مآل اندیشی سے ہرگز کام نہیں لیتا۔ جانور کو کسی خطرہ کی جگہ مثلاً غار کی طرف کھینچیں تو وہ ہرگز ادھر نہیں جائیگا۔مولوی رومی صاحب نے اپنی مثنوی میں ایک مثال لکھی ہے۔کہ ایک چوہا ایک اونٹ کو جس طرف وہ اونٹ جا رہا تھا ادھر ہی اس کی نکیل پکڑ کر لے چلا لیکن جب راستہ میں ندی آئی تو اونٹ نے اپنا رُخ پھیر لیا اور چوہا ادھر گھسٹتا ہوا چلنے لگا جدھر اونٹ جا رہا تھا تو ایک چوہا بھی ایک اونٹ کو جہاں خطرہ نہ ہو لے جا سکتا ہے مگر جہاں خطرہ ہو وہاں چوہا تو کیا ایک طاقتور آدمی بھی اونٹ کو نہیں لے جا سکتا۔

یا شکرے اور باز جس وقت آتے ہیں تو جانور درختوں میں اس طرح دَبک کر بیٹھتے ہیں گویا وہاں کوئی جانور رہے ہی نہیں مگر انسانوں میں ایک ایسی جماعت ہے جو بات کہتی ہے اور نہیں سمجھتی کہ اس کا کیا مطلب ہے حالانکہ اکثر اوقات ذراسی غلطی خطرناک نتائج پیدا کر دیا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے مؤمنو! دو معنی والے لفظ رسول کے مقابلہ میں استعمال نہ کرو۔ ورنہ تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن تھے اس لئے فرمایا کہ تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ فرمایا کہ تم اگر چہ اس وقت مومن ہو لیکن اگر تم نے اپنی زبانوں پر قابو نہ رکھا تو یاد رکھو کہ ہم تمہیں کافر بنا کے دُکھ کے عذاب میں مبتلا کر کے ماریں گے مومن سے شروع کیا لیکن اس غلطی کے باعث کفر پر انجام ہوا۔ پس انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول کا نگران ہو۔ ورنہ ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ زبان سے تو اقرار کرتے ہیں اور تحریر و تقریر میں خلیفۃ المسیح خلیفۃ المسیح کہتے ہیں مگر جو حق اطاعت ہے اس سے بہت دور ہیں زبانی خلیفۃ المسیح کہنا یا لکھنا کیا کچھ حقیقت رکھتا ہے؟ شیعوں نے لفظ خلیفہ کے استخفاف اور ہنسی کے لئے نائیوں اور درزیوں تک کو خلیفہ کہنا شروع کر دیا۔ لیکن کیا خلفاء ان لوگوں کی ہنسی سے ذلیل ہو گئے ہرگز نہیں۔ لوگوں نے اس لفظ خلیفہ کو معمولی سمجھا ہے۔ مگر خدا کے نزدیک معمولی نہیں۔ خدا نے ان کو بزرگی دی ہے اور کہا ہے کہ میں خلیفہ بناتا ہوں اور پھر فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۲] ان خلفاء کے انکار کا نام فسق ہے جو انکا انکار کرے گا وہ میری اطاعت سے باہر ہو گیا۔

پس لفظ خلیفہ کچھ نہیں لوگ نائی کو بھی خلیفہ کہتے ہیں۔ مگر وہ خلفاء جو خدا کے مامورین کے جانشین ہوتے ہیں ان کا انکار اور ان پر ہنسی کوئی معمولی بات نہیں وہ مومن کو بھی فاسق بنا دیتی ہے۔ پس یہ مت سمجھو کہ تمہارا اپنی زبانوں اور تحریروں کو قابو میں نہ رکھنا اچھے نتائج پیدا کرے گا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو اپنی جماعت سے علیحدہ کر دوں گا۔ فاسق کے معنی ہیں کہ خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کو خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو انتظام ہو جو شخص اس کی قدر نہیں کرے گا اور اس انتظام پر خواہ مخواہ اعتراضات کرے گا خواہ وہ

مومن بھی ہو۔اور جواس کے متعلق بولتے وقت اپنے الفاظ کونہیں دیکھے گا تو یادرکھو کہ وہ کافر ہوکر مرے گا۔

اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا مگر جس کیلئے ادب کا حکم ہوتا ہے وہ بھی اس آیت میں داخل ہوتا ہے۔خدا نے حضرت ابوبکرؓ کواُس مقام پر کھڑا کیا تھا جو ادب کی جگہ تھی۔جس وقت اختلاف شروع ہوا آپ نے کہا کہ میں اُس وقت تک تم لوگوں سے لڑوں گا خواہ تمام جہان میرے برخلاف ہو جائے جب تک یہ لوگ اگر ایک رسّی بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے نہیں دیں گے۔[۳]

پس یہ مت سمجھو کہ حفظِ مراتب نہ کرنا کوئی معمولی بات ہے اور کسی خاص شخص سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ خواہ دینی ہو یا دنیاوی خلافت جب ان کے لئے ادب کا حکم ہے سب کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ادب کیا جائے۔کوئی شخص اگر بادشاہ کا ادب نہیں کرے گا تو جانتے ہو وہ سزا سے بچ جائے گا؟

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ انشاء اللہ خان بڑا شاعر تھا اور ہمیشہ اس امر کی کوشش کیا کرتا تھا کہ بادشاہ کی تعریف میں دوسروں سے بڑھ کر بات کہے۔ دربار میں بادشاہ کی تعریف ہونے لگی کسی نے کہا ہمارے بادشاہ کیسے نجیب ہیں۔ انشاء اللہ خان نے فوراً کہا نجیب کیا حضور تو انجب ہیں۔اب انجب کے معنی زیادہ شریف کے ہیں اور ساتھ ہی لونڈی زادہ کے بھی۔ اتفاق یہ ہوا کہ بادشاہ تھا بھی لونڈی زادہ۔تمام دربار میں سناٹا چھا گیا اور سب کی توجہ لونڈی زادہ کی طرف ہی پھر گئی۔ بادشاہ کے دل میں بھی یہ بات بیٹھ گئی اور انشاء اللہ خان کو قید کر دیا جہاں وہ پاگل ہوکر مر گیا۔

پس زبان سے محض خلیفۃ المسیح خلیفۃ المسیح کہنا کچھ نہیں۔ مجھے آج ہی ایک خط آیا ہے جس میں اس خط کا لکھنے والا لکھتا ہے کہ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ غریب سمجھ کر ہمارے خلاف کیا ہے۔اب اگر فی الواقع ایسی ہی بات ہو کہ کوئی شخص فیصلوں میں درجوں کا خیال رکھے تو وہ تو اوّل درجہ کا شیطان اور خبیث ہے چہ جائیکہ کہ اس کو خلیفہ کہا جائے۔ دیکھو میں نے ان

لوگوں کی بھی کچھ پرواہ نہیں کی جو میرے خیال میں سلسلہ کے دشمن تھے۔ پس میں کسی انسان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا خواہ سب کے سب مجھ سے علیحدہ ہو جائیں کیونکہ مجھ کو کسی انسان نے خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خدا نے ہی خلیفہ بنایا ہے۔ اگر کوئی انسان کی ہی حفاظت میں آئے تو انسان اس کی کچھ حفاظت نہیں کرسکتا۔ خدا ایسے شخص کو ایسے امراض میں مبتلا کرسکتا ہے جن میں پڑ کر بُری طرح جان دے۔

میں اِس خلافت کو جو کسی انسان کی طرف سے ہو لعنت سمجھتا ہوں۔ نہ مجھے اس کی پرواہ ہے کہ مجھے کوئی خلیفۃ المسیح کہے۔ میں تو اُس خلافت کا قائل ہوں جو خدا کی طرف سے ملے بندوں کی دی ہوئی خلافت میرے نزدیک ایک ذرّہ کے بھی برابر قدر نہیں رکھتی۔ مجھے کہا گیا ہے کہ میں انصاف نہیں کرتا غریبوں کی خبر گیری نہیں کرتا۔ پس اگر میں عادل نہیں ہوں تو میرے ساتھ کیوں تعلق رکھتا ہے۔ جو عدل نہیں کرتا وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ایسے لوگوں کا مجھے کوئی نقصان نہیں مجھے تو اس سے بھی زیادہ لکھا گیا ہے۔ قاتل مجھ کو کہا گیا۔ سلسلہ کو مٹانے والا غاصب اور اسی قسم کے اور بُرے الفاظ سے مجھ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ پس اس کے مقابلہ میں تو یہ کچھ بھی نہیں۔

ہر ایک وہ شخص جو مقدمہ کرتا ہے وہ اپنے تئیں ہی حق پر سمجھتا ہے لیکن عدالت جو فیصلہ کرتی ہے وہ اس کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ [۴]

جب تک یہ لوگ کامل طور پر تیرے فیصلوں کو نہ مان لیں یہ مومن ہو ہی نہیں سکتے۔ جب لوگوں کو عدالتوں کے فیصلوں کو ماننا پڑتا ہے تو خدا کی طرف سے مقرر شدہ خلفاء کے فیصلوں کا انکار کیوں۔ اگر دنیاوی عدالتیں سزا دے سکتی ہیں تو کیا خدا نہیں دے سکتا۔ خدا کی طرف سے فیصلہ کرنے والے کے ہاتھ میں تلوار ہے مگر وہ نظر نہیں آتی اس کی کاٹ ایسی ہے کہ دور تک صفایا کر دیتی ہے۔ دنیاوی حکومتوں کا تعلق صرف یہاں تک ہے مگر خدا وہ ہے جس کا آخرت میں بھی تعلق ہے۔ خدا کی سزا گو نظر نہ آوے مگر حقیقت میں بہت سخت ہے۔ اپنی تحریروں اور تقریروں کو قابو میں لاؤ اگر تم خدا کی قائم کی ہوئی خلافت پر اعتراض کرنے سے

باز نہیں آ ؤ گے تو خدا تمہیں بغیر سزا کے نہیں چھوڑے گا جہاں تمہاری نظر بھی نہیں جاسکتی وہاں خدا کا ہاتھ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں فہم دے اپنے آپ کو اور اس شخص کے درجہ کو جو تمہارے لئے کھڑا کیا گیا ہے پہچانو۔ کسی شخص کی عزت اس شخص کے لحاظ سے نہیں ہوا کرتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس لئے نہیں کہ آپؐ عرب کے باشندہ تھے اور عبداللہ کے بیٹے تھے بلکہ اس درجہ کے لحاظ سے ہے جو خدا نے آپ کو دیا تھا۔

اسی طرح میں ایک انسان ہوں اور کوئی چیز نہیں۔ مگر خدا نے جس مقام پر مجھ کو کھڑا کیا ہے۔ اگر تم ایسی باتوں سے نہیں رکو گے تو خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ بعض باتیں معمولی ہوتی ہیں مگر خدا کے نزدیک بڑی ہوتی ہیں۔ خدا تم کو سمجھ دے۔ آمین۔

(خطبات محمود جلد نمبر ۵ صفحہ ۴۹۸ تا ۵۰۲)

۱؎ البقرۃ: ۱۰۵، ۱۰۶ ۲؎ النور: ۵۶

۳؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۱۵ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

۴؎ النسآء: ۶۶

خلافت ترکی اور مسلمانانِ ہند

(فرمودہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء)

تشہّد ،تعوّ ذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔
عام قدرتی قواعد کے ماتحت یہ بات بُری سمجھی جاتی ہے کہ کوئی شخص کسی موقع پر اپنے بھائی کو یہ کہے کہ تم نے میری فلاں بات نہ مانی تو یہ نقصان ہوا۔قرآن کریم نے ایک لڑائی کے موقع کا ذکر کر کے بعض لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے جومشورہ دیا تھا اس کے خلاف جن کی رائے تھی ان کی رائے پر عمل کیا گیا اس لئے نقصان ہوا [۱]۔اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند فرمایا ہے اور کہا کہ یہ منافقت ہے۔اگر تمہارے منشاء کے خلاف تھا اوراس سے نقصان بھی ہوا تو بھی نہیں کہنا چاہیئے تھا۔کیونکہ یہ ضروری نہیں تھا کہ تم نے جو مشورہ دیا تھا وہ ضرور مانا جاتا۔تو یہ ایک تمدنی غلطی ہے جو قوموں میں رائج ہے۔اوراس کی قرآن کریم نے تصدیق فرمائی ہے۔اور ایسا کہنے کو منافقت ٹھہرایا ہے۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف چلنے والوں کو بھی بات کہی ہے جو عام تمدنی حالات میں درست نہ تھی کہ تم نے اس کی رائے کے خلاف کیا۔اس لئے نقصان ہوا۔ یہ کیوں کہا گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھائی بھائی کو یا دوست دوست کو یا چھوٹا بڑے کو یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ تم نے میری رائے کے خلاف کیا اس لئے نقصان اُٹھایا۔مگر جو بڑا ہے اور جس کو یہ حق ہے کہ دوسروں کی راہنمائی کرے اور جس کا کام سمجھانا ہو اور لوگوں کی نگرانی کرنا ہو وہ کہہ سکتا ہے۔
بچہ کو حق نہیں کہ ماں باپ کو کہے۔تم نے میری فلاں بات نہ مانی اس لئے نتیجہ اچھا نہ

نکلا مگر ماں باپ کو حق ہے کہ وہ ایسا کہیں ۔ ماں باپ کے ایسا کہنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بچہ ایسی جگہ کھیلتا ہو جہاں اسے نہیں کھیلنا چاہئے اور جہاں سے ماں باپ نے اسے روکا ہو پھر اگر اسے تکلیف پہنچے تو ماں باپ کہتے ہیں ہم نے تمہیں پہلے نہیں کہا تھا کہ وہاں نہ کھیلو۔ یہ ایک اخلاق کی بات ہے اور درست ہے ماں باپ کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کو یہ نہیں کہنا چاہئے۔ لیکن اگر برابر کا یا چھوٹا بڑے کو یہی بات کہے تو اس کو متکبر اور بے ادب کہا جائے گا۔ کیونکہ اس کو شرعاً، عرفاً، اخلاقاً، قانوناً حق نہیں کہ ایسا کہے جس کو حق حاصل ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے تمہیں پہلے نہیں کہہ دیا تھا کہ تمہیں ایسا کرنے میں نقصان ہوگا۔

اس تمہید کے بعد میں ایک ایسے واقعہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں ۔ جو واقعہ مسلمانوں کے لئے نہایت اہم ہے اور وہ خلافت کا سوال ہے۔ جب ترکوں کی انگریزوں سے لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے انگریزوں کی مدد کی۔ مولویوں نے فتوے دیئے کہ انگریزوں کی مدد کرنا فرض ہے اس لئے کہ وہ ہمارے حلیف ہیں اور حلیف کی مدد کرنا ضروری ہے۔ اس قسم کے فتوے تنخواہوں کے خیال سے یا مربعوں کی امید پر یا عہدوں اور خطابوں کے لالچ میں یا حکام کی نظر میں پسندیدہ ہونے کے لیے دیئے گئے اور انگریزی فوج کے لیے رکروٹ (RECRUIT) [۲] بھرتی کروائے گئے ۔ اُس وقت بھی مسلمان ترکوں کے سلطان کو خلیفۃ المسلمین کہتے تھے۔ مگر خلیفۃ المسلمین کی فوجوں کے مقابلہ میں بندوقیں کندھوں پر رکھ کر گئے اور ان ہی مقاماتِ مقدسہ کو جن کے لئے برسرِ جدال ہوئے خلیفۃ المسلمین سے گولیوں اور تلواروں کے زور سے چھین لیا۔ اُس وقت کسی نے اس کے خلاف آواز نہ اُٹھائی۔ کیا اُس وقت قرآن کریم کا حکم یاد نہ رہا تھا؟ اگرچہ وہ عقیدہ جو یہ لوگ اب ظاہر کرتے ہیں۔ اسلامی نہیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں اس وقت اس عقیدے کے لحاظ سے ان کا کیا فرض تھا۔ اور انہوں نے کیا کیا۔

ہم نے بھی انگریزوں کی مدد کی مگر ہم اپنے مذہبی عقیدے کی رو سے فرض سمجھتے تھے کہ ہم جس حکومت کے ماتحت رہیں اس کی مدد اور اس کی ہمدردی کریں۔ ہم انگریزوں کے ساتھ ہو کر ترکوں سے لڑنے کیلئے گئے۔ مگر خلیفۃ المسلمین سے لڑنے نہ گئے تھے۔ کیونکہ ہم

سلطانِ ترکی کو خلیفۃ المسلمین نہیں مانتے ۔ ہم اس لئے لڑنے کے لئے گئے کہ ترک ہمارے بادشاہ کے مخالف تھے اور ہم اپنے بادشاہ کے مخالف سے لڑنے گئے تھے ۔ پس ہمارا فعل جائز اور شریعت کے مطابق تھا ۔

مگر جب جنگ کا نتیجہ نکلنے لگا اور صلح ہونے لگی تو وہ لوگ جو نہ صرف ترکوں سے لڑنے کو تیار تھے بلکہ لڑے تھے اور جنہوں نے اپنے خلیفہ کے قائم مقاموں کے سینوں پر گولیاں چلا کر اور ان سے ملک چھین کر انگریزوں کے قبضہ میں دیا تھا بگڑ گئے اور کہنے لگے یہ کیوں کرتے ہو اگر ایسا کرو گے تو یہ ہمارے مذہب میں دست اندازی ہوگی اور اس بات کے لئے انہوں نے انگریزوں کے ملک میں وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا کہ اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی ۔

اس بارے میں ہمیں بھی ترکوں سے ہمدردی تھی ۔ اس لئے کہ ہمارے نزدیک ترکوں سے وہ سلوک نہیں کیا گیا تھا جو دوسرے مفتوحین سے کیا گیا ۔ ہمارے نزدیک دوسرے مفتوحوں کے مقابلہ میں ترکوں سے زیادہ سختی کی گئی تھی اور وہ محض اس لئے تھی کہ ترک مسلمان تھے گو آسٹریا سے بھی سختی کی گئی تھی ۔ مگر وہ سختی جو ترکوں سے کی گئی تھی ، زیادہ تھی کیونکہ آسٹریا کے علاقے آزاد تھے اور آزاد ہونا چاہتے تھے ۔ مگر ترکوں کے ماتحت جو علاقے تھے ان سے نہیں پوچھا گیا تھا کہ تم ترکوں کے ماتحت رہنا چاہتے ہو یا نہیں؟ انہیں انگریزوں اور امریکنوں اور فرانسیسیوں نے جبراً ترکوں سے علیحدہ کر لیا ۔ اگر ان علاقوں سے پوچھا جاتا تو ان میں کتنے ہی ترکوں کے ماتحت رہنے کو پسند کرتے ۔ جن علاقوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ۔ اُن کی سنی نہ گئی ۔ پھر آسٹریا کا جو کچھ باقی رکھا گیا وہ آزاد تھا ۔ لیکن ترکوں کو جو آزادی دی گئی وہ برائے نام تھی اور چار پانچ طاقتوں کا ان پر تسلّط تھا ۔ پس ترکوں کے متعلق اس فیصلہ سے مذہبی تعصب کی بو آتی تھی ۔ ہم نے فاتحین کے اس فیصلہ کے متعلق اس طریق پر کام کیا اور توجہ دلائی جو رعایا کے لئے ضروری ہے ۔ اور جس طرح توجہ دلانا ہمارا حق تھا کہ ترکوں کے ساتھ وہ کیا جائے جو سیاسی طور پر ضروری ہے نہ یہ کہ انکے ساتھ فیصلہ میں مذہبی تعصب کو دخل دیا جائے ۔ بعد میں اس کے مطابق فیصلہ ہوا اور یہ مان لیا گیا کہ پہلے صلح نامے میں سختی تھی اور ضروری تھا کہ اس میں تبدیلی کی جائے ۔

لیکن باوجود اس کے وہ لوگ ہمیں بزدل اور خوشامدی کہنے لگے جو باوجود ترک سلطان کو اپنا خلیفہ سمجھنے کے اس کے خلاف لڑنے کے لئے گئے تھے۔ اگر ہم ترکوں کے سلطان کو اپنا خلیفہ مان کر اس سے لڑنے جاتے تو یہ ہماری بے غیرتی انگریزوں کی خوشامد اور انگریزوں کے مقابلہ میں بزدلی ہوتی۔ مگر جب یہ بات نہ تھی تو خوشامد اور بزدلی کیسی؟ ہم تو ترکوں کے ساتھ لڑنے کے لئے اس لئے نکلے کہ وہ ہمارے خلیفہ نہ تھے اور ان سے لڑنے میں ہمارے لئے کوئی مذہبی روک نہ تھی۔ مگر غصہ میں انسان سوچتا نہیں۔ اور وہ لوگ جن پر الزام آتا تھا غصہ میں آکر ہمیں الزام دینے لگے۔ اسی غصہ کی حالت میں ایک غلط راستہ اختیار کر لیا گیا۔ ابتدا میں ترکوں کے خلاف فیصلہ کے متعلق سوچنے کے لئے دو جلسے کئے گئے۔ اور ان دونوں جلسوں میں مجھے بلایا گیا۔ میں جانتا تھا کہ ذاتی طور پر ان جلسوں میں میرا شامل ہونا غیر ضروری ہے۔ کیونکہ جس امر کے متعلق پہلے سے فیصلہ کر لیا جائے اس میں لوگوں کو بلا کر مشورہ کرنے کے معنی بجز اس کے کچھ نہیں کہ لوگوں کو اپنے پیچھے گھسیٹتے پھریں۔ تاہم میں نے حجت قائم کرنے کے لئے ان جلسوں میں دو ٹریکٹ لکھ کر بھیج دیئے جن میں میں نے بتایا کہ جو رویہ تم اختیار کر رہے ہو اور جس پر اپنے مطالبات کی بنیاد رکھ رہے ہو یہ ترکوں کے لئے مفید نہیں ہوسکتا بلکہ خطرناک ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ ترکوں کے بادشاہ کو سب مسلمان خلیفہ مانتے ہیں اس لئے ہم ان کی امداد کے لئے کھڑے ہوئے ہیں یہ اصولاً اور واقعتہً غلط تھا۔ شیعہ ترک سلطان کو خلیفہ نہیں مانتے۔ سات سو سال سے ایرانی حکومت عرب حکومت کے خلاف نبرد آزما رہی ہے اور ۵۔۶ سو سال سے کرد اور ترک عرب کو زیر کرنے کی کوشش میں مصروف رہے ہیں اگر ایرانی خلیفہ سمجھتے تو ایسا کیوں کرتے۔ علاوہ ازیں اگر خلافت کا حق مقدم سمجھا جائے تو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو خلیفہ مانا جائے لیکن شیعہ جو ان کو خلیفہ نہیں مانتے وہ سلطان ترکی کو کس طرح خلیفہ مان سکتے ہیں۔

پھر ہم لوگ ہیں ہم کسی بھی صورت میں ترک سلطان کو خلیفہ نہیں مان سکتے۔ ہمارے نزدیک خلیفہ وہ ہوسکتا ہے جو اِس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعودؑ کا متبع ہو اور اس کے سوا کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

اہلحدیث کا یہ مذہب ہے کہ خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہیے۔ ان میں سے جن لوگوں نے شور و ہنگامہ میں خلافت ٹرکی کی تائید میں آواز اُٹھائی اور خلافت کو جائز سمجھا۔ وہ ان کے مذہبی عقیدے کے مطابق رائے نہ تھی بلکہ بزدلی اور خودغرضی کے ماتحت رائے تھی۔ علاوہ اس کے سنیوں میں سے بھی اس خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو ترک سلطان کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ ترکوں کی ہمدردی کی تحریک کی بنیاد ایک ایسی بات پر رکھنا غلطی ہے جس پر سب مسلمان متفق نہیں ہوسکتے۔ بلکہ اس کی بجائے اس تحریک کو سیاسی طور پر چلایا جائے اور مخالف رائے کو موافق بنایا جائے اور ترکی حکومت کو بحیثیت ایک اسلامی سلطنت کے پیش کیا جائے۔ میری اس بات کو حقارت سے دیکھا گیا یا ظاہر کیا گیا کیونکہ بعض ذی اثر اصحاب نے اپنی پرائیویٹ ملاقاتوں میں میری تجویز کی تعریف کی اور کہا کہ ہونا تو ایسا ہی چاہیئے مگر اب حالات ایسے ہیں کہ ہم عوام کی مخالفت نہیں کرسکتے۔

لیکن جو ہجرت کی تحریک کا نتیجہ ہوا اور بائیکاٹ کی تحریک کا ہوا وہی آخر کار خلافت کا نتیجہ ہوا۔ خلافت کی تحریک کے جوش کے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ نماز کا چھوڑنا زکوٰۃ نہ دینا کوئی بات نہیں۔ مگر جو خلافت کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ اور وہ شخص جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ خلافت کا منجی ہے۔ اور خلافت کو قائم کرنے والا ہے وہ آج خلافت کے متعلق ایسا فعل کرتا ہے جو نہایت شرمناک ہے۔ وہ خلافت کو مٹا کر ہی دم نہیں لیتا بلکہ ایک ایسے ظالمانہ فعل کا مرتکب ہوتا ہے جو بہت ہی شرمناک اور ظالمانہ ہے۔

وہ نہ صرف خلیفہ کو معزول کرتا ہے۔ بلکہ اس کے خاندان کے بیوی بچوں اور کل افراد کو ملک سے نکال دیتا ہے اور ملک کا داخلہ ان پر بند کر کے ان لوگوں کو ان کے آبائی وطن میں آنے سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ وہ سزا ہے جو چوروں اور ڈاکوؤں کو بھی نہیں دی جاتی۔ چور قید کیا جاتا ہے مگر اس کی نسل کو قید نہیں کیا جاتا۔ اس کی بیوی اور اس کے بچوں کو جلاوطن نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کا قصور نہیں ہوتا۔ مگر ترک خلیفہ کے ساتھ یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ اگر خلیفہ ترکی خلافت کے اہل نہ تھا اگر وہ اپنے افعال کی بنا پر قابل سزا تھا تو یہ کون سا اخلاق کا قانون ہے کہ اس کے اہل کو بھی جلاوطن کر دیا جائے اور ان کی جائدادیں زیر نگرانی کر لی

جائیں۔ یہ وہ فعل ہے جو کسی ظالم ترین بادشاہ سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس شرمناک طریق پر اس کو معزول کیا گیا ہے کہ جس سے افسوس ہوتا ہے۔ یہ نہیں کیا گیا کہ معمولی طور پر خط لکھ دیا ہو کہ آپ چلے جائیں آپ معزول کر دیئے گئے ہیں بلکہ جب وہ تخت پر بیٹھا ہوتا ہے۔ تب اُس کو کہا جاتا ہے کہ ملک کی طرف سے حکم ہے کہ تخت سے اُتر آؤ یہ کیسی ذلت کا نظارہ ہوگا جو وہاں پیش آیا۔ ایک وقت تھا جب دنیا کو اس کی مدد کے لئے اُبھارا جاتا تھا۔ اس بات کا خیال کر کے اس وقت خلیفہ کے دل میں مسلمانوں کی بیس کروڑ تعداد کی وفاداری کا کیا احساس ہوگا جب اسے کہا گیا ہوگا کہ تم تخت سے اُتر آؤ اور دو گھنٹے کے اندر اندر ملک سے باہر نکل جاؤ۔ تم اور تمہاری اولاد بیوی اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو اس ملک میں گھسنے کا حکم نہیں ہے۔ اگر کوئی سلطنت ہوتی تو مجھے امید ہے کہ وہ ایسا بزدلانہ سلوک نہ کرتی۔ مگر یہ کیوں ہوا؟ یہ اس لئے ہوا کہ ترکوں کا خیال ہوا کہ خلافت کا مسئلہ سخت پیچیدہ ہوگیا ہے اور یہ کہ اس سے جمہوریت کے خلاف طوفان اٹھایا جاسکتا ہے۔ میرے نزدیک ترکوں کی یہ کارروائی مسلمانوں کے اس جوش کا نتیجہ ہے جو انہوں نے خلافت ٹرکی کے متعلق دکھایا۔ ترکوں کو یہ خیال ہوا کہ اگر خلیفہ اور جمہوریت کا سوال اٹھا تو خلیفہ کے ساتھ لوگوں کی ہمدردی ہوگی اور ہماری حکومت ٹوٹ جائیگی۔ سیاسی طور پر ان کا یہ خیال درست تھا اور ان کو اس خطرہ سے بچنے کے لئے خلافت کا نام ونشان مٹانا ضروری تھا۔ مگر جو غیر شریفانہ سلوک خلیفہ کے ساتھ اُنہوں نے کیا ہے وہ نہایت ہی قابل افسوس اور قابل نفرت ہے۔ امید ہے کہ مسلمانوں کی سمجھ میں اب وہ باتیں آجائیں گی جن کو وہ پہلے نہیں سمجھتے تھے۔

میں افسوس سے کہتا ہوں اور اس لئے کہتا ہوں کہ جس مقام پر خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے اس کے لحاظ سے مجھے کہنے کا حق ہے کہ دیکھو میں نے کہا تھا کہ تم سلطنت ٹرکی کے متعلق ایسا نہ کرو مگر تم نے وہی کیا۔ اب اس کی خوفناک غلطی تم پر ظاہر ہوگئی۔ میں یہ بات کہہ سکتا ہوں اور دوسرا نہیں کہہ سکتا اب بھی وہ راستہ کھلا ہے جو خدا نے کھولا تھا اس آواز کو سنیں جو خدا کے مامور نے بلند کی۔ اس آواز کے مقابلہ میں کوئی آواز نہیں ٹھہر سکتی۔

اب کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا جس کی گردن میں مسیح موعودؑ کی اتباع کا جؤا نہ ہو۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات حضرت مسیح موعودؑ کو ملے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جذب ہوکر ملے ہیں اور اب اُسی کو خلافت مل سکتی ہے جو مسیح موعودؑ میں ہوکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو۔

جس وقت حسین کامی قادیان میں آیا تھا۔اُس وقت حضرت صاحب نے فرمایا تھا کہ میں کشفی نظر سے دیکھتا ہوں کہ سلطان کے دربار میں کچھ کچے دھاگے ہیں جو نازک وقت پر ٹوٹ جائیں گے[۳]۔ چنانچہ وہ ٹوٹ گئے اور سلطان کو بھی لے کر غرق ہوگئے۔ یہ کیسی عظیم الشان خبر تھی جو پوری ہوئی اور پندرہ سال کے عرصہ میں متعدد بار پوری ہوچکی ہے۔ پہلے سلطان عبدالحمید خان کے وقت میں پوری ہوئی پھر موجودہ خلیفہ سے پہلے کے وقت میں پوری ہوئی اوراب پھر پوری ہوئی جبکہ خلافت ٹوٹ گئی اور خدا کی بات پوری ہوگئی۔

ہمارے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک ایسے گاؤں میں رہنے والے جو سٹیشن سے بھی گیارہ میل دور ہے سیاست کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ہم کہتے ہیں دیکھو سٹیشن سے ۱۱ میل پرے رہنے والے کی بات پوری ہوئی اس لئے کہ اس میں صداقت بھری ہوئی تھی۔ سیاستدان بے خبر رہے مگر وہ جسے سیاست سے بے خبر کہا جاتا تھا اس کی بات سچی نکلی۔اگر اس کی بات مانی جاتی تو آج سیاست دان منہ کے بل نہ گرتے۔

اب بھی مسلمانوں کے لئے موقع ہے کہ سمجھ سے کام لیں اور ٹوٹنے والے تاگوں کی نظیر سے فائدہ اُٹھائیں جیسا کہ مولوی رومیؒ نے کہا ہے۔

ہر بلا کیں قومِ را حق دادہ اند

زیرِ آں گنج کرم بنہادہ اند

اِس وقت تمام جہان کی نگاہ ہندوستان پر پڑ رہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آئندہ ترقی کا سامان ہندوستان کی طرف سے ہوگا۔اس بات کو کوئی مانے یا نہ مانے ہندوستان کی طرف توجہ کا ہونا اِس بات کو ظاہر کررہا ہے کہ ہندوستان کو خاص درجہ حاصل ہورہا ہے۔ دیکھو وہ شخص جو کل تک خلیفہ تھا آج مظلوم ہے اور جس کو سلطان المعظم کہا جاتا تھا وہ کہتا ہے کہ ہم ہندوستان کی آواز کے منتظر ہیں۔ پھر مسٹر گاندھی نے مسٹر محمد علی کو خلافت کے ٹوٹنے پر

جو تار دیا ہے اس میں لکھا ہے کہ اسلام کا مستقبل مسلمانانِ ہند کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہندوستان کی طرف نگاہیں پڑ رہی ہیں۔ یہ دراصل خدا کی مخفی اُنگلی کام کر رہی ہے اور دنیا کو ہندوستان کی طرف متوجہ کر رہی ہے اس لئے نہیں کہ ہندوستان میں گاندھی اور محمد علی ہیں ان کی طرف دنیا کو لائے بلکہ اس لئے کہ غلام احمد ہندوستان میں پیدا ہوا ہے اور خدا چاہتا ہے کہ اس کی طرف دنیا کو لائے اور یہ ظاہر کرے کہ دنیا کی آئندہ نجات کس سے وابستہ ہے۔

یہ قدرت کی آواز امریکہ اور انگلستان کی طرف متوجہ نہیں کرتی۔ جہاں ڈوئی اور پگٹ ہوئے۔ یہ ایران اور شام کی طرف متوجہ نہیں کرتی جہاں باب اور بہاء اللہ ہوئے۔ یہ افریقہ کی طرف نہیں لے جاتی کہ وہاں چارہ کار تلاش کیا جائے بلکہ ہندوستان کی طرف متوجہ کرتی ہے اس لئے کہ وہ راستباز ہندوستان میں آیا جس سے دنیا کی آئندہ ترقی وابستہ ہے۔

یہ جمعہ کا خطبہ ہے میں اس کو لمبا نہیں کرنا چاہتا مگر میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی طرف دنیا کی توجہ پھیرنی چاہتا ہے تو اس کے لئے غیر معمولی اور غیر متعلق سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اب جہاں سیاسی امور کی وجہ سے ہندوستان پر نظر پڑ رہی ہے اسی طرح ہندوستان کو لوگوں کی نظروں میں لانے کے لئے اور سامان بھی کر دیئے گئے ہیں کیونکہ دنیا میں بیشمار لوگ ایسے ہیں جو مذہب پر براہ راست متوجہ ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے اس لئے خدا تعالیٰ نے ہندوستان میں ٹیگور کو پیدا کیا کہ لٹریچر سے مذاق رکھنے والے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوں اور اس طرح ٹیگور مسیح موعود کی طرف لوگوں کو لانے کا ایک ذریعہ ہو گیا۔ پھر خدا کے نبی سائنس کے مسائل حل کرنے کے لئے نہیں آتے۔ مگر اِس زمانہ میں چونکہ سائنس کی طرف دنیا متوجہ ہے۔ اس لئے خدا نے ہندوستان میں بوس[۴] کو پیدا کیا۔ جس نے اپنے اکتشافات سے ہندوستان کو دنیا کی نظر میں ممتاز کر دیا اور یہ اس لئے ہوا کہ وہ لوگ جن کو سائنس سے لگاؤ ہے وہ اسی ذریعہ سے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اس طرح یہ ذرائع اختیار کر کے خدا تعالیٰ نے دنیا کو مسیح موعودؑ کے پاس لا کھڑا کیا ہے۔ اور یہ سامان اس لئے ہو رہے ہیں کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کی آئندہ مصلح قوم

ہندوستان میں ہی ہوگی اور دنیا کا ہادی ہندوستان میں آیا ہے اور وہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اب بھی مجھے امید ہے کہ ہمارے بھائی اگر غور کریں تو ٹھوکر سے بچ سکتے ہیں اور اس بات پر غور کر کے اسلام کو ہلاکت سے بچائیں کیونکہ حق کے قبول کرنے میں شرم نہیں ہوتی نہ بزدلی ہوتی ہے۔ بزدل وہ شخص ہوتا ہے جو حق کو پا کر قبول نہ کرے اگر وہ ۲۰۔۳۰ سال تک مخالفت کرتے رہے ہیں اور اب ان کی سمجھ میں حق آ گیا ہے تو اسے تسلیم کرنے میں کوئی عیب نہیں۔ اب بھی سستی سے کام نہ لیں۔ میں اپنے بھائی مسلمانوں اور دیگر اہل وطن کو کہتا ہوں کہ وہ خدا کی آواز کو سنیں۔ خدا نے جو ہاتھ بڑھایا ہے اس کو پکڑ لیں۔ خدا کے پیغام کو معمولی نہ سمجھیں اور خدا کے ہو کر اور خدا میں ہو کر زندگی بسر کریں۔

(خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۳۲۴ تا ۳۳۱)

---

۱ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ، وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ، يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ، قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ، يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ، يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ، قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ، وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

(اٰل عمران: ۱۵۵)

۲ **RECRUIT**: رَنگروٹ۔ نیا سپاہی، نیا بھرتی کیا ہوا، نوآموز

۳ تذکرہ صفحہ ۳۰۰، ۳۰۱۔ ایڈیشن چہارم (مفہوماً)

۴ بوس: سرجگدیش چندر (۱۸۵۸ء۔ ۱۹۳۷ء) پیدائش راری خان ضلع ڈھاکہ۔ متحدہ بنگال کے مشہور ماہر طبیعات نباتی زندگی پر وسیع تحقیق سے انہیں عالمگیر شہرت حاصل

ہوئی۔ لندن یونیورسٹی سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد کلکتے کے پریذیڈنسی کالج میں طبیعات کے پروفیسر مقرر ہو گئے بعد میں انہیں کئی ڈگریاں اور اعزاز ملے۔ انہوں نے ایک آلہ ''کریسکوگراف'' ایجاد کیا جس سے پودوں کے نشوونما کو ناپا جا سکتا تھا۔ نباتی زندگی کے متعلق ان کی بعض دریافتیں حیرت انگیز ثابت ہوئیں۔ کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے نباتات کے بارے میں تحقیق کے لیے ایک الگ ادارہ قائم کیا۔

(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا جلد ا صفحہ ۲۶۹۔۲۷۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء)

سفر یورپ کے متعلق انتظام

(فرمودہ ۱۱ جولائی ۱۹۲۴ء)

۱۹۲۴ء میں حضرت مصلح موعود یورپ تشریف لے گئے ۱۱ جولائی ۱۹۲۴ء کو قادیان میں سفر یورپ کے متعلق خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:۔

''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی ہوں تو ان میں ایک امیر ہونا چاہیے[1] مجھے ہندوستان میں جب کبھی سفر کا موقع پیش آیا ہے اس وقت اس بات کی ضرورت ہوتی تھی کہ قادیان کی جماعت کے لئے امیر مقرر کیا جائے۔ لیکن یہ سفر چونکہ ہندوستان سے باہر کا ہے اس لئے اس وقت یہی ضرورت نہیں کہ قادیان کے لئے کوئی امیر مقرر کیا جائے بلکہ یہ ضرورت ہے کہ ایسا نائب مقرر کیا جائے جو سارے ہندوستان کی جماعتوں کے معاملات سے تعلق رکھتا ہو اور میں نے اس غرض کے لئے مولوی شیر علی صاحب کو تجویز کیا ہے۔ وہ ایسے معاملات کے متعلق جو فوری اور ضروری ہوں اور جن کے متعلق مجھ سے مشورہ بذریعہ خط یا بذریعہ تار نہ لیا جا سکتا ہو فیصلہ کریں گے اور چونکہ یہ کام نہایت اہم ہے اور چونکہ خلیفہ اور نائب میں فرق ہے۔ کیونکہ خلیفوں کے لئے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے اور ایسے امور کی طرف ان کی راہنمائی کی جاتی ہے جن میں جماعت کی بہتری ہوتی ہے اور فرماتا ہے ان کا انتخاب خود خدا کرتا ہے گو بندوں کے ذریعہ ہی انتخاب ہوتا ہے مگر ان کی زبانوں پر خدا بول رہا ہوتا ہے۔ لیکن نائبوں کے لئے یہ نہیں''۔

(خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۴۶۱)

''خلیفہ کا کام مرض کی تشخیص کرنا اور علاج تجویز کرنا ہے۔ اس کے بعد دوسرے لوگ

جو خلیفہ سے کم حیثیت رکھتے ہیں وہ نسخے دیں گے۔ پس یہ سفر اس لئے نہیں کہ ہم جا کر اہل یورپ کو کلمہ پڑھا آئیں ۔ گو یہ بھی نہیں کہ اگر کوئی پڑھنا چاہے تو بھی نہیں پڑھائیں گے۔ مگر اس سفر کی غرض یہ نہیں ۔ اگر اس سفر میں بھی خدا تعالیٰ بعض روحوں کو ہدایت دے دے تو یہ اُس کا احسان اور فضل ہوگا مگر ہماری یہ غرض نہیں کہ چند لوگوں کو مسلمان بنا آئیں بلکہ یہ ہے کہ کون سا طریق ہے کہ جس سے ساری دنیا کو مسلمان بنائیں ۔ اتنی بڑی غرض بغیر قربانیوں کے حاصل نہیں ہوسکتی ۔

(خطبات محمود جلد ۸ صفحہ ۴۷۰)

ل ابو داؤد کتاب الجهاد باب فی الْقَوْمِ يُسَافِرُوْنَ (الخ) میں تین افراد کا ذکر ہے۔

وصیت کی اصل غرض اور ضرورت

(فرمودہ ۱۴؍ مئی ۱۹۲۶ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

''سب سے بڑا فتنہ ایک اور پیدا ہوا جو خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ اور وہ خلافت کے متعلق فتنہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیال بھی نہ ہوگا جب آپ نے وصیت لکھی کہ ایسی جماعت بھی پیدا ہوگی جو اس کے ماتحت کہے گی کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہئے مگر اس طرح بھی وصیت ٹھوکر کا باعث ہوئی اور ایسا فتنہ پیدا ہوا جس نے جماعت کو تہہ و بالا کر دیا۔ اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ سوائے معدودے چند لوگوں کے سب اس طرف ہوگئے کہ خلیفہ کو منتخب کرنا غلط تھا۔ مگر حضرت خلیفہ اوّل کی تقریر نے بتا دیا کہ یہ خیال غلط تھا اور خلیفہ کا انتخاب بالکل درست تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد جماعت پر روحانیت اور برکات کے نزول کا خاص وقت تھا اور یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی کے فوت ہونے کے معاً بعد جماعت گمراہی اور ضلالت پر جمع ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے نبی کو اُٹھالیا اور جماعت سب سے زیادہ رحم کی مستحق ہوگئی۔ اُس وقت خدا تعالیٰ جماعت کو گمراہ ہونے دے پس درحقیقت سچا فیصلہ وہی تھا جو جماعت نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے متعلق کیا۔ لیکن پھر بھی کچھ ایسے لوگ تھے اور اب تو ان میں اور بھی اضافہ ہوگیا جن کا خیال ہے کہ خلیفہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت کے دو ٹکڑے ہوگئے اور ایک ٹکڑہ پراگندہ ہوکر جماعت سے باہر چلا گیا۔ پراگندہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ اس میں کوئی اتحاد نہیں مگر ان میں ایسے لوگ شامل ہیں جو کسی وقت جماعت میں اہمیت رکھتے تھے۔ 　 (خطبات محمود جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۴)

ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا نہ کرنے کی ہدایت

۲۱رفروری ۱۹۳۰ءکوخطبہ جمعہ ارشادفرمایا جس میں ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:۔

''صحابہ کو دیکھو۔خلیفہ کے انتخاب کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سات آدمیوں کی ایک کمیٹی بنادی تھی۔لیکن انہوں نے بھی آپس میں پروپیگنڈا نہیں کیا۔اِس وقت میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ انہوں نے آپس میں کس طرح رائے کو پختہ کرلیا۔باوجودیکہ پروپیگنڈا بھی نہ کیا۔مگر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس طرح پروپیگنڈا جائز نہیں۔اس لئے اگر کسی خاص شخص کی تائید میں کوئی شخص پروپیگنڈا کررہا ہوتو میں یہ کہوں گا کہ اس کی مخالفت کی جائے۔لیکن یہ بات صرف جماعت کے لئے ہے۔جب جماعت کسی فیصلہ پر پہنچ جائے تو پھر دوسروں میں اس کے متعلق پروپیگنڈا ضرور ہونا چاہئے۔کیونکہ اس کا اثر جماعت کی رائے پر نہیں بلکہ دوسروں کی رائے پر ہوگا لیکن اگر ثابت ہوجائے کہ جماعت میں کسی شخص کا دوست دشمن نہیں۔کیونکہ ہوسکتا ہے کوئی دشمن کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے اس کے حق میں پروپیگنڈا کر کے میرے ان الفاظ سے بھی فائدہ اُٹھانا چاہیے۔اس لئے دشمن نہیں بلکہ اگر کسی دوست کی طرف سے پروپیگنڈا ہورہا ہوتو اس کی مخالفت کی جائے۔اس کے متعلق ایک ہدایت میں اور بھی دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ سال ٹاؤن کمیٹی کا کام ابھی نیا نیا ہے اور نئے کاموں کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ کام کرنے والوں کو کافی وقت دیا جائے۔اس لئے اگر کسی ممبر پر کوئی خاص اعتراض نہ ہوتو میں یہی مشورہ دوں گا کہ موجودہ ممبران کو برقرار رکھا جائے تا انہیں کام کرنے کے لئے چھ سال کا موقع مل سکے۔چھ سال کے بعد اگر بہتر آدمی ملے تو ضرور اسے منتخب کرلیا جائے۔لیکن اب کے چاہے بہتر آدمی ملے پھر بھی اگر کسی ممبر کی ذات

میں کوئی خاص نقص نہ ہو جس کا اثر جماعت کے فوائد پر پڑتا ہو تو اسے ہی رہنے دینا چاہیے۔ تا انہیں کام کرنے کا موقع اور مل سکے۔ ابھی کام ابتدائی حالت میں تھا اور کمیٹی نے ٹیکس بھی وصول کرنے تھے۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ ایسی حالت میں کام کرنے والوں سے منافرت سی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ جماعت کے فائدہ کے لئے کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ جب تک کسی قوم کو تمدنی حقوق نہ ملیں اور اس میں انہیں استعمال کرنے کی عادت نہ ہو جائے خاطر خواہ ترقی نہیں ہوسکتی۔ ٹیکس وغیرہ کا لگانا اور وصول کرنا جن لوگوں کے ذمہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ نکو بن جایا کرتے ہیں۔ اور ہمیشہ یہی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سختی کی۔ حالانکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں شہر کے فائدہ اور آئندہ ممبروں کی سہولت کے لئے کرتے ہیں۔

اس ڈیوٹی کے لحاظ سے ان کے خلاف بعض باتیں ایسی ہوسکتی ہیں جن کی بنا پر ان کی مخالفت کا خیال پیدا ہو۔ لیکن ان کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ اگر موجودہ ممبروں میں سے کسی کا وجود سلسلہ کے مفاد کے لحاظ سے نقصان رساں ہو تو اسے ضرور بدل دینا چاہئے۔ لیکن اگر ضرر کا سوال نہ ہو تو خواہ ان سے بہتر آدمی بھی مل سکیں تو بھی انکو ابھی نہیں ہٹانا چاہئے بلکہ کام کرنے کے لئے انہیں مزید موقع دینا چاہئے تا کہ وہ مفید عام کام کر کے دکھا سکیں۔‘‘

(الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۳۰ء)

حقیقی اطاعت

۲۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو ایک نکاح کا اعلان کرتے ہوئے یہ مضمون بیان فرمایا کہ اگر میاں بیوی محض اللہ کی رضا کے لئے ایک دوسرے سے معاملہ کریں تو ان کے لئے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور پھر ابراہیمؑ کی اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''حقیقی اطاعت عبودیت تامہ کسی ایسی ذات کی نہیں ہوسکتی جو صحیح احکام نہ دے سکے۔ سو حقیقی اطاعت اسی کیلئے ہے جس کیلئے حقیقی حمد ہے اور وہ خدا تعالیٰ ہی ہے۔ پھر ظل کے طور پر جو اس کے مظہر ہوتے ہیں جیسے انبیاء اور خلفاء وغیرہ ان کی اطاعت کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا [1] جو خدا اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہو جائے گا۔ تو حمد کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے عبودیت کو رکھا اور اطاعت کے جواب میں فوز فرمایا۔ جس کا مطلب یہی ہے کہ اطاعت سے فوز اور حمد سے اطاعت پیدا ہوتی ہے۔ کامل حمد سے کامل اطاعت پیدا ہوگی اور کامل اطاعت کے بدلے فیضانِ الٰہی نازل ہوں گے۔ اس پر انسان اور حمد کرے گا۔ اور خدا کے فضل زیادہ سے زیادہ نازل ہوتے رہیں گے۔''

(الفضل ۷ پریل ۱۹۳۱ء)

---

[1] الاحزاب: ۷۲

خلیفۂ وقت کی مجلس میں بیٹھنے والوں کیلئے چند ضروری آداب

(فرمودہ ۲۱ ؍اپریل ۱۹۳۳ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

''چونکہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھ رہی ہے اور نئے اور پرانے ہر قسم کے دوست قادیان میں آتے رہتے ہیں، یہاں کے باشندوں کی تعداد بھی اب اتنی ہو چکی ہے کہ وہ اس بات کے محتاج ہیں کہ وقتاً فوقتاً ان کی تربیت کا خیال رکھا جائے۔ کیونکہ انہیں دینی کتب کے پڑھنے، دینی باتیں سننے اور دینی تربیت حاصل کرنے کا بوجہ کثرتِ آبادی اتنا موقع نہیں ملتا جتنا پہلے ملا کرتا تھا، اس لئے آج کا خطبہ میں اس امر کے متعلق پڑھنا چاہتا ہوں کہ جو دوست اِس مجلس میں شامل ہوتے ہیں جس میں میں موجود ہوتا ہوں، ان کو کیا طریق عمل اختیار کرنا چاہیے۔

پہلی بات جو ہمارے دوستوں کو مدنظر رکھنی چاہئے یہ ہے کہ مجھ سے ملنے والے نہ صرف احمدی ہوتے ہیں بلکہ غیر احمدی، ہندو، سکھ اور عیسائی ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر احمدیوں میں سے نئے بھی ہوتے ہیں اور پرانے بھی۔ سمجھدار طبقہ کے بھی ہوتے ہیں اور کم سمجھ کے بھی۔ واقف بھی ہوتے ہیں اور ناواقف بھی۔ ایسے لوگوں کی گفتگوئیں کبھی علمی رنگ کی ہوتی ہیں اور کبھی کج بحثی والی۔ کبھی ان میں تحقیق حق مدنظر ہوتی ہے اور کبھی محض چھیڑ خوانی مقصد ہوتا ہے۔ مگر خواہ کوئی بھی مقصد و مدعا ہو، دو باتیں ہیں جو ہماری جماعت کے ان لوگوں کو

جو اس مجلس میں موجود ہوں مدنظر رکھنی چاہئیں اور جو مجھے افسوس ہے کہ بعض اوقات دوستوں کے مدنظر نہیں رہتیں۔

اوّل تو یہ کہ جب کوئی کلام امام کی موجودگی میں کرتا ہے اور امام کو مخاطب کر کے کرتا ہے تو دوسروں کا حق نہیں ہوتا کہ وہ خود اس میں دخل دیں اور مخاطب کو خود اپنی طرف مخاطب کر کے اُس سے گفتگو شروع کر دیں۔ علاوہ اس کے کہ یہ عام آداب کے خلاف ہے، دشمن کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ امام خود جواب نہیں دے سکتا اور اس کے معتقدین کو ضرورت پیش آتی ہے کہ اس کے حملہ کو اپنے اوپر لے لیں۔ چنانچہ ایک دوست کی ایسی ہی سادگی کی وجہ سے ایک دفعہ مجھے یہ بات بھی سننی پڑی۔ کوئی صاحب اعتراض کر رہے تھے کہ ایک جوشیلے احمدی بول اُٹھے یہ بات تو بالکل صاف ہے، اس کا تو یہ مطلب ہے۔ آخر سوال کرنے والے نے چڑ کر کہا میں تو آپ کے امام سے مخاطب ہوں اگر وہ جواب نہیں دے سکتے تو میں آپ سے گفتگو شروع کر دیتا ہوں۔ یہ فقرہ اُس دوست نے اپنی سادگی یا بیوقوفی کی وجہ سے کہلوایا کیونکہ عام آداب کے یہ خلاف ہے کہ کسی کی گفتگو میں دخل دیا جائے۔ یہ محض اعصابی کمزوری کی علامت ہوتی ہے اور اس کے اتنے ہی معنی ہوتے ہیں کہ ایسا شخص اپنے جذبات کو دَبا نہیں سکتا ہے۔ ایسی دخل اندازی اس کے علم پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کی کمزوری اور کم فہمی پر دلالت کرتی ہے۔ پس ہمیشہ اس امر کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب امام کی مجلس میں امام سے گفتگو ہو رہی ہو تو سب کو خاموش ہو کر سامع کی حیثیت اختیار کرنی چاہئے اور کبھی اس میں دخل اندازی کر کے خود حصہ نہیں لینا چاہئے سوائے اس صورت کے کہ خود امام کی طرف سے کسی کو کلام کرنے کی ہدایت کی جائے۔ مثلاً بعض دفعہ کوئی ضروری کام آپڑتا ہے، اس کے لئے مخاطب کرنا پڑتا ہے یا بعض دفعہ قرآن کی کسی آیت کی تلاش کیلئے اگر کوئی حافظِ قرآن ہوں تو اُن سے آیت کا حوالہ پوچھنا پڑتا ہے یا ہوسکتا ہے کہ کسی کو عیسائیت کی کتب کے حوالہ جات بہت سے یاد ہوں اور ضرورت پر اس سے کلام کرنی پڑے۔ ایسی حالتوں میں سامعین میں سے بھی بعض شخص بول سکتے ہیں مگر عام حالات میں دخل اندازی بالکل ناواجب ہوتی ہے۔ ہماری شریعت نے ان تمام باتوں کا لحاظ رکھا ہے۔ چنانچہ خطبوں

کے متعلق بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ اس دوران کلام نہیں کرنی چاہیئے[1]۔ غرض جب امام سے گفتگو ہو رہی ہو تو اس میں دخل نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح یا تو بات ناقص اور ادھوری رہ جائے گی اور یا دشمن پر یہ اثر پڑے گا کہ شاید امام اس کا جواب نہیں دے سکتا اور معتقدین نے گھبرا کر اس حملہ کو اپنی طرف منتقل کر لیا ہے پس ایک تو اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

دوسرے اس امر کو مدنظر رکھنا چاہیئے کہ مُخَاطِبْ اور مُخَاطَبْ کا ایک تعلق ہوتا ہے۔ وہ آپس میں بعض دفعہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے ایک رنگ کی شدت کا پہلو بھی اختیار کر لیتے ہیں یا اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر سامعین کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہیئے اور دوسرے کی گفتگو پر ہنسنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ گفتگو کا اصل مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ اُس شخص کو ہدایت حاصل ہو لیکن اگر گفتگو کے ضمن میں ایسا رنگ پیدا ہو جائے جس سے اس کے دل میں تعصب پیدا ہو جانے کا خطرہ ہو، تو وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا ہے نوجوان اور خصوصاً طالب علم، اگر بعض دفعہ کوئی ایسا جواب دیا جا رہا ہو جو دوسرے کے کسی نقص کو نمایاں کرنے والا ہو، تو ہنس پڑتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سائل سمجھتا ہے مجھے لوگوں کی نگاہ میں بیوقوف بنایا گیا اور ان کے ہنس پڑنے سے وہ خیال کرتا ہے کہ اس گفتگو کا مقصد مجھ پر ہنسی اُڑانا ہے، بات سمجھانا مدنظر نہیں۔ اس وجہ سے اس کے اندر نفسانیت کا جذبہ پیدا ہو جاتا اور حق کے قبول کرنے سے وہ محروم رہ جاتا ہے۔ پس جو لوگ ایسے موقع پر جبکہ امام کسی کو ہدایت دینے کی فکر میں ہوتا ہے، ہنس پڑتے ہیں وہ دراصل اس شخص کو ہدایت سے محروم کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہنسی ایک معمولی چیز ہوتی ہے مگر جس پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے اس کے نزدیک خطرناک حملہ ہوتا ہے۔ پس دوستوں کو چاہیئے کہ اگر دورانِ گفتگو میں کوئی ایسا جواب دیا جائے جس سے ہنسی آ سکتی ہو یا دوسرے کی کسی کمی کو نمایاں کر کے دکھایا جائے تو وہ اپنے جذبات کو دبائے رکھیں۔ جواب دینے والا تو مجبور ہے کہ وہ ایسے نمایاں طور پر کسی کا نقص بیان کرے کہ اُسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے مگر ہنسنے والا اس مقصد پر پردہ ڈال دیتا اور سائل یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان کا مقصد مجھے

غلطی بتانا نہیں بلکہ بیوقوف بنانا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے صحابہ کے متعلق ایک حدیث آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں[۲]۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سوالات نہیں کرتے تھے ان سے زیادہ سوال کرنے والا ہمیں کوئی نظر نہیں آتا۔ حدیثیں ان کے سوالات سے بھری پڑی ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کلام کر رہے ہوتے تو وہ ہمہ تن گوش ہو جاتے۔ اور یوں معلوم ہوتا کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اگر انہوں نے ذرا حرکت کی تو پرندے اُڑ جائیں گے۔

تیسری چیز جس کو مدنظر رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ جو لوگ چند دنوں کیلئے عارضی طور پر باہر سے یہاں آتے ہیں ان کو آگے بیٹھنے کا زیادہ موقع دینا چاہئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ قادیان کے لوگ آگے نہ بیٹھا کریں بلکہ ان کے ایک حصہ کا آگے بیٹھنا ضروری ہوتا ہے اور دوسرے حصہ میں سے اگر کوئی شخص کوشش کر کے آگے بیٹھتا اور اس طرح اپنے حق کو مقدم کر لیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے اس حق سے محروم کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں اگر کسی کو متواتر آگے بیٹھنے کا موقع ملتا رہے تو آخر میں وہ سست ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص متواتر آگے بیٹھنے کے باوجود سُست نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ کوشش کر کے آگے جگہ حاصل کرتا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ محض اِس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ آگے بیٹھا کرتا ہے، اُس کی محبت کو مسل دیا جائے اور اس کے جذبۂ اخلاق کی قدر نہ کی جائے۔ پس ہم ایسے لوگوں کی محبت کی قدر کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا واقعہ ہے غرباء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! ہمیں ایک بڑی مشکل نظر آتی ہے۔ جب ہم جہاد کیلئے جاتے ہیں تو امراء بھی جہاد کے لئے چل پڑتے ہیں۔ جب روزوں کا وقت آتا ہے تو ہمارے ساتھ یہ بھی روزوں میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جب نمازیں پڑھتے ہیں تو یہ بھی اخلاص سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر یَا رَسُولَ اللہ! جب چندہ دینے کا وقت آتا ہے تو ہم کچھ نہیں دے سکتے اور یہ ہم سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں بڑی تکلیف ہے اور ہماری سمجھ میں نہیں

آ تا کہ مال کی وجہ سے انہیں جو فوقیت حاصل ہے ، اس کا ہم کیا جواب دیں ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ ، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اور چونتیس دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَر پڑھ لیا کرو ۔ یہ سَو دفعہ ذکر الٰہی ہو جائے گا اور بڑے ثواب کا موجب ہو گا ۔ انہوں نے بڑے شوق سے اس پر عمل شروع کر دیا ۔ مگر چونکہ صحابہ میں سے ہر شخص نیکی کے حصول کے لئے کوشاں رہتا تھا امراء کا کوئی ایجنٹ بھی وہاں موجود تھا ۔ اس نے انہیں جا کر بتا دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر بتایا ہے اور انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا ۔ کچھ دنوں بعد پھر غرباء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ! یہ تو امراء نے بھی پڑھنا شروع کر دیا ۔ آپ نے فرمایا جب خدا کسی پر اپنا فضل نازل کرنا شروع کر دے تو میں اسے کس طرح روک دوں [۳] ۔ باوجود اس کے کہ دولت انسان کو اعمال میں سست کر دیتی ہے اگر وہ سست نہیں ہوتے بلکہ تقویٰ اور اخلاص میں بڑھ رہے ہیں تو میں انہیں نیکی سے کس طرح محروم کر سکتا ہوں ۔ اسی طرح باوجود اس کے کہ متواتر صحبت انسان کو سست کر دیتی ہے اگر کوئی شخص اپنے اخلاص میں ترقی ہی کرتا چلا جاتا ہے تو کون ایسے شخص کو محروم کر سکتا ہے ۔

پس میرا یہ منشاء نہیں کہ قادیان کے وہ مخلصین جو اپنے اوقات اور کاموں کا حرج کر کے اِس مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے برکات کے وعدے کئے ہیں اور پھر اپنے امام کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں ، انہیں محروم کر دیا جائے ۔ بلکہ میرا منشاء صرف یہ ہے کہ باہر سے آنے والوں کے حق کو نظر انداز نہ کیا جائے ۔ اور اگر کبھی قادیان کے مخلصین باری باری اپنا حق بھی چھوڑ کر باہر کے لوگوں کو آگے بیٹھنے کا موقع دے دیا کریں تو میرے نزدیک یہ ان کے لئے ثواب کا موجب ہو گا ۔ پھر ایک اور چیز بھی جس سے یہ موقع نکالا جا سکتا ہے ۔ بچوں کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ وہ پیچھے رہیں [۴] ۔ اس لحاظ سے سکولوں کے طالبعلم جو چھوٹی عمر کے ہوں ۔ اگر بعض دفعہ باہر سے آنے والے دوستوں کے لئے ان کو پیچھے بٹھا کر موقع نکالا جائے تو یہ بھی ایک طریق ہے جس سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے ۔ مگر بچوں کے پیچھے بٹھانے کا بھی مَیں یہ مطلب نہیں سمجھتا کہ ان کے اندر

اخلاص کا جو جذبہ پیدا ہو رہا ہے اسے کچل دیا جائے۔

پچھلے دنوں یہ طریق نکالا گیا تھا کہ میرے آنے پر چونکہ ہجوم زیادہ ہو جاتا ہے، اس لئے قطار باندھ کر مصافحہ کیا جائے اور کسی کو آگے بڑھنے نہ دیا جائے۔ میں نے مستقل طور پر اسے کبھی پسند نہیں کیا کیونکہ جب جذبات کو دَبا دیا جائے تو آہستہ آہستہ مُردنی پیدا ہو جاتی ہے۔ بچوں میں بھی اگر خلوص کے جذبات پیدا ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم انہیں دَبا دیں۔ مگر یہ ایک ذریعہ ہے جس سے ہم دوسروں کے لئے موقع پیدا کر سکتے ہیں بچے اور رنگ میں بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور بوجہ قادیان میں مستقل رہنے کے ان کے لئے اور مواقع پیدا ہو سکتے ہیں۔ پس اگر باہر سے آنے والے لوگوں کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کے ماتحت بچوں کو پیچھے رکھا جائے جبکہ اور موقعوں پر بھی وہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں تو اس سے ان کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا احتمال نہیں ہو سکتا۔

پھر ایک اور ہدایت اس موقع کے متعلق میں یہ دینا چاہتا ہوں کہ اسلام نے اجتماع کے موقعوں پر حفظانِ صحت کا خصوصیت سے خیال رکھا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک ہماری جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ حفظانِ صحت کا خیال نہ صرف اپنی ذات کے لئے مفید ہوتا ہے بلکہ دوسروں پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے۔ بعض لوگ مضبوط ہوتے ہیں اور کئی قسم کی بدعنوانیاں کرنے کے باوجود ان کی صحت میں نمایاں خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ جس سے وہ خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ان پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑا اس لئے دوسروں پر بھی کوئی خراب اثر ان کی وجہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ دنیا میں سینکڑوں نہیں ہزاروں آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے اندر بیماریوں کے اثرات موجود ہوتے ہیں اور اپنی قوت کی وجہ سے وہ ان کا اثر محسوس نہیں کرتے مگر ان سے ملنے والے ان کے اثرات سے متأثر ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور عیدین کے موقع پر فرمایا کہ نہا کر آؤ، اچھے کپڑے پہن کر آؤ، خوشبو استعمال کرو اور ان امور کی تاکید کی [۵]۔ آپ خود ہمیشہ غسل کرتے اور دوسروں کو غسل کرنے کی تاکید فرماتے۔ خوشبو استعمال کرتے اور دوسروں کو خوشبو لگانے کی تاکید کرتے۔ حالانکہ جمعہ یا عیدین کے ساتھ غسل کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہر وقت انسان

غسل کرسکتا ہے اور ہر وقت خوشبو استعمال کرسکتا ہے۔ جمعہ اور عیدین کے ساتھ غسل جو رکھا گیا ہے وہ محض اس لیے کہ ان موقعوں پر جبکہ اژدہام ہوتا ہے کئی لوگوں کو جلدی بیماریاں ہوتی ہیں، بعضوں کو کھجلی ہوتی ہے، بعضوں کو بغل گند کی شکایت ہوتی ہے، بعضوں کے ہاتھ یا منہ وغیرہ میں بیماری ہوتی ہے، مگر تازہ بتازہ غسل کے ساتھ کچھ عرصہ کے لئے اس قسم کی بیماریاں دَب جاتی ہیں۔ اور پاس بیٹھنے والے اتنی تکلیف محسوس نہیں کرتے جتنی دوسری صورت میں کرسکتے ہیں۔ یا مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجد میں گندنا،[6] پیاز اور لہسن وغیرہ ایسی چیزیں کھا کر مت آیا کرو۔ یہ چیزیں اپنی ذات میں مضر نہیں لیکن اِن کی بو سے دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے کھانے سے فرشتے نہیں آتے۔[7] جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو تکلیف دیتا ہے تو خدا تعالیٰ کے ملائکہ اس سے الگ ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک مثال ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ ورنہ اگر کسی کو کوئی ایسی بیماری ہے جس سے بُو پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کا وقتی علاج کرکے بھی مجلس میں نہیں آتا تو وہ بھی فرشتوں کی معیت سے محروم رہتا ہے۔ عام طور پر میں دیکھتا ہوں ہمارے ملک میں پچانوے فیصدی لوگوں کے منہ سے بدبُو آتی ہے یہ بدبُو کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ محض اس بے احتیاطی کی وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ کھانے کے بعد کُلّی نہیں کرتے یا درمیانی وقفوں میں اگر مٹھائی یا کوئی میوہ وغیرہ کھاتے ہیں تو اس کے بعد منہ کی صفائی نہیں کرتے یا لمبے عرصہ تک خاموش رہنے اور منہ بند رکھنے کے بعد بھی منہ میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے۔ ایسے لوگ بھی صفائی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جب مجلس میں ایسے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہر ایک کی تھوڑی تھوڑی بُو مِل کر ایسی تکلیف دہ چیز بن جاتی ہے کہ بیسیوں کمزور صحت والوں کو سر درد، نزلہ اور کھانسی وغیرہ کی شکایت ہوجاتی ہے۔

اسلام نے ہمارے لئے ہر بات کے متعلق احکام رکھے ہیں۔ یہ احکام بیکار اور فضول نہیں بلکہ نہایت ضروری ہیں اور انہی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مجموعہ کا نام اسلامی تمدن ہے۔ اسلامی تمدن نماز کا نام نہیں، روزے کا نام نہیں، زکوٰۃ کا نام نہیں بلکہ ان چھوٹے چھوٹے احکام کے مجموعہ کا نام ہے جو ایسا تغیر پیدا کردیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ سوسائٹی دوسری

سوسائٹیوں سے نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔ یورپین لوگ یوں تو صفائی کے بڑے پابند ہیں مگر کھانا کھانے کے بعد منہ کی صفائی کرنے کے وہ بھی عادی نہیں اور اس وجہ سے اگر ان کے اُن پوڈروں اور یوڈی کلون وغیرہ خوشبوؤں کو نکال دیا جائے جو وہ اپنے چہروں پر ملتے ہیں تو صاف طور پر ان کے منہ سے بدبو محسوس ہوتی ہے۔ اب چونکہ انہیں ہندوستانیوں سے ملنے کا موقع ملا ہے اس لئے آہستہ آہستہ ان میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے اور مجھے بھی بعض انگریزوں سے ملنے کا موقع ملا ہے میں نے دیکھا ہے کہ اب مسلمانوں سے مل کر وہ صفائی کے اس پہلو کو بھی سیکھ رہے ہیں۔ غرض مجلس میں آنے والوں کو یہ امور مدنظر رکھنے چاہئیں۔ اگر کسی شخص کو بغل گند ہو یا اُس کے ہاتھوں کی انگلیاں خراب ہوں اور ان میں ایسی بُو ہو جو دوسروں کو ناگوار گزرے تو اسے چاہیے کہ وہ ایسی صفائی کے بعد مجلس میں آئے جس سے اس کے اثر کو کم سے کم مضر بنایا جاسکے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج پیدا کیا ہے لیکن اگر کسی کو علاج میسر نہیں آتا تو وہ عارضی صفائی کے بعد مجلس میں آیا کرے۔

پھر مجلس میں ان چیزوں کے بعد ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب لوگ بیٹھتے ہیں تو ایسا تنگ حلقہ بناتے ہیں کہ اس میں سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ مجلس میں زیادہ دیر بیٹھنے کو میرا جی چاہا مگر تنگ حلقہ کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں مجھے سر درد ہو گیا اور میں اُٹھنے پر مجبور ہو گیا اور بسا اوقات میں صحت کے ساتھ مجلس میں بیٹھتا ہوں اور بیمار ہو کر اُٹھتا ہوں۔ ہر شخص اپنے اخلاص میں یہ خیال کرتا ہے کہ اگر میں ایک انچ آگے بڑھ گیا تو کیا نقصان ہے اور اس طرح ہر شخص کے ایک ایک انچ بڑھنے سے وہی مثال ہو جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ ایک شخص کو وہم کی بیماری تھی۔ وہ جب با جماعت نماز میں کھڑا ہوتا تو کہتا ''چار رکعت نماز فرض پیچھے اس امام کے'' اور پھر خیال کرتا کہ امام اور میرے درمیان تو کئی صفیں ہیں، نیت ٹھیک نہیں ہوئی۔ یہ خیال کر کے وہ بڑھتے بڑھتے پہلی صف میں آجاتا اور امام کی طرف اشارہ کر کے کہتا پیچھے اِس امام کے۔ آخر اس طرح بھی اس کی تسلی نہ ہوتی تو وہ امام کو ہاتھ لگا کر کہتا پیچھے اِس امام کے۔ پھر بڑھتے بڑھتے اس کے وہم کی یہاں تک کیفیت ہو جاتی کہ وہ امام کو دھکے دینے لگ جاتا اور کہتا پیچھے اِس

امام کے۔ ہر شخص مجلس میں آگے آنا چاہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرے ذرا سا آگے بڑھنے سے کیا نقصان ہو جائیگا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حلقہ نہایت ہی تنگ ہو جاتا ہے اور صحت پر اس کا بُرا اثر پڑتا ہے۔ مگر علاوہ اس کے کہ صحت کے لئے یہ مفید بات نہیں اس کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ زیادہ آدمی اس حلقہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ مجھے ایسے حلقہ میں سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ مجھے گلے اور آنکھوں کی ہمیشہ تکلیف رہتی ہے۔ پھر یہ حلقہ تو بڑی بات ہے میری تو یہ حالت ہے کہ اگر لیمپ کی بتی خفیف سی بھی اونچی رہے اور اس سے ایسا دھواں نکلے جو نظر بھی نہ آ سکتا ہو تو مجھے شدید کھانسی اور نزلہ ہو جاتا ہے۔ ناک کی حِسّ اللہ تعالیٰ نے میری ایسی تیز بنائی ہے کہ میں دوسرے لوگوں کی نسبت کئی گُنے زیادہ بُو یا خوشبو محسوس کر لیتا ہوں۔ یہاں تک کہ جانوروں کے دودھ سے پہچان لیتا ہوں کہ انہوں نے کیا چارہ کھایا ہے۔ جس شخص کے ناک کی حِس اتنی شدید واقع ہو وہ اس قسم کی باتوں سے بہت زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہے۔

ایک اور ادب مجلس کا یہ مدّنظر رکھنا چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے مجلس کو مفید بنانا چاہیے۔ اور خصوصاً جو باہر سے دوست آئیں انہیں چاہیے کہ اپنی مشکلات پیش کر کے میرے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کیا کریں۔ بہت لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ بے ادبی ہے مگر میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ بے ادبی نہیں بلکہ مجلس کو مفید بنانا ہے۔ میں نے دیکھا ہے بسا اوقات مجلس میں دوست خاموش بیٹھے رہتے ہیں اور میں بھی خاموش بیٹھا رہتا ہوں۔ میری اپنی طبیعت ایسی ہے کہ میں گفتگو شروع نہیں کر سکتا۔ اس مقام کے لحاظ سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میں کوشش کرتا ہوں کہ بولوں مگر طبیعت کی اُفتاد ایسی ہے کہ کوشش کے باوجود میں کلام شروع نہیں کر سکتا اور جب کوئی شخص سوال کرے تبھی میرے لئے گفتگو کا راستہ کھلتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جو دوست باہر سے آیا کرتے تھے وہ مشکل مسائل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کرتے اور اس طرح گفتگو کا موقع ملتا رہتا تھا اور بعض دوست تو عادتاً بھی کر لیا کرتے اور جب بھی وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بیٹھتے کوئی نہ کوئی سوال پیش کر دیا کرتے۔ مجھے ان میں سے دو شخص جو اس کام کو خصوصیت سے کیا کرتے تھے اچھی طرح یاد ہیں۔ ایک

میاں معراج دین صاحب عمر جو آجکل قادیان میں ہی رہتے ہیں اور دوسرے میاں رجب الدین صاحب جوخواجہ کمال الدین صاحب کے خسر تھے۔ مجھے یاد ہے مجلس میں بیٹھتے ہی یہ سوال کر دیا کرتے کہ حضور فلاں مسئلہ کس طرح ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مسئلہ پر تقریر شروع فرما دیتے تو جو دوست باہر سے آتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے مطالب پیش کرنے کے علاوہ مشکل مسائل دریافت کیا کریں تا کہ مجلس زیادہ سے زیادہ مفید ہو اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ میں نے بتایا ہے کہ اوّل تو میری عادت ہے کہ میں گفتگو شروع نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر میں کبھی نفس پر زور دے کر گفتگو شروع بھی کردوں تو بھی مجھے کیا معلوم ہوسکتا ہے کہ کسی کو کیا مشکلات درپیش ہیں۔ گو ایسا بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ القاء اور الہام کے ذریعہ زبان پر ایسی گفتگو جاری کر دیتا ہے کہ جو اُس وقت کی مجلس کے مطابق ہو۔ مگر پھر بھی کئی خیالات ایسے ہوسکتے ہیں جن کے متعلق کوئی شخص چاہتا ہو کہ وہ مجھ سے ہدایت لے لیکن سوال نہ کرنے کی وجہ سے وہ اس سے محروم رہے۔ پس باہر سے آنے والوں کو چاہئے کہ وہ اس تبلیغی زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسے سوالات پوچھا کریں جن کے جوابات سے عام لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ مگر ایک چیز ہے جس کا خیال رکھنا چاہیے اور وہ یہ کہ بعض لوگ سوال تو کرتے ہیں مگر ان کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ مجھ سے کچھ سنیں بلکہ یہ ہوتی ہے کہ اپنی سنائیں۔ بعض مبلّغین میں بھی یہ عادت پائی جاتی ہے۔ جب وہ میرے پاس آتے ہیں تو وہ شروع سے آخر تک مباحثہ کی روئیداد سنانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اس نے یہ اعتراض کیا میں نے یہ جواب دیا۔ اس نے فلاں اعتراض کیا میں نے فلاں جواب دیا۔ اور اس ذریعہ سے وہ اپنی گفتگو کو اتنا لمبا لے جاتے ہیں کہ وہ ملال پیدا کرنے والا طُول بن جاتا ہے اور پھر لوگوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ یہ اپنی بات کیوں ختم نہیں کرتے۔ جو لوگ میرے پاس آتے ہیں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مجھ سے کچھ سنیں یہ نہیں ہوتی کہ دوسروں کی سنیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی طرف سے خلافِ آداب حرکات سرزد ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ کہتے ہیں جَزَاکَ اللّٰہُ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بس کریں اب ہم سے زیادہ باتیں نہیں سنی جاتیں۔ مگر وہ بھی اپنی طبیعت کے ایسے پختہ ہوتے

ہیں کہ جَزَاکَ اللّٰہ پر خوش ہو کر اور زیادہ باتیں سنانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ جَزَاکَ اللّٰہ تعریف کے لئے نہیں بلکہ گفتگو بند کرانے کے لئے کہا گیا ہے۔

پس یہ ایک مرض پیدا ہو رہا ہے جس کی طرف میں توجہ دلاتا ہوں لوگ میری وجہ سے یہ تو دوسرے کو نہیں کہہ سکتے کہ چُپ کرو اور میں بھی حیا کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ سکتا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے اشاروں میں انہیں بات کہی جاتی ہے جو گرے ہوئے اخلاق پر دلالت کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ بجائے اس کے کہ اپنی گفتگو سنائیں جو وہ پوچھنا چاہتے ہوں پوچھیں۔ پچھلے ایام میں مَیں ایک جگہ گیا وہاں بہت سے دوست میرے ملنے کے لئے جمع ہو گئے۔ مگر دو گھنٹہ تک ایک شخص مجھے اپنا مباحثہ ہی سناتا رہا اور آخر رات کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب اُس کی گفتگو ختم ہوئی۔ مگر اُس وقت اتنا وقت گزر چکا تھا کہ میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور دوست بھی جو میری باتیں سننے کے لئے آئے تھے چلے گئے۔ وہ اس سارے عرصہ میں یہی سناتے رہے کہ اس نے یوں کہا میں نے یوں جواب دیا پھر اس نے یہ کہا میں نے یہ کہا۔ حالانکہ مباحثات کی تفصیل کی مجھے ضرورت ہی نہیں ہوتی اور گو دوسروں کو ضرورت ہو بھی مگر وہ محبت اور اخلاص کی وجہ سے میری باتیں سننے کے مشتاق ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں سے باتیں سننے کے لئے کافی اوقات ہیں۔ پس گفتگو ایسے رنگ میں ہونی چاہئے کہ دوستوں کا اصل مقصد یعنی یہ کہ وہ میری باتیں سننے کے لئے آتے ہیں کسی طرح فوت نہ ہو جائے اور وقت ضائع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو ایسا بنایا ہے کہ لمبی چوڑی فلسفیانہ تقریریں اُس پر وہ اثر پیدا نہیں کرتیں جو اخلاص سے کہی ہوئی ایک چھوٹی سی بات کر جاتی ہے۔ گھروں میں روزانہ دیکھا جاتا ہے بعض اوقات بچہ ضدّ میں آ کر ایک بات نہیں مانتا، ہزاروں دلائل دو وہ کچھ نہیں سنتا لیکن جب ماں کہے بیٹا یوں کرنا اچھا نہیں ہوتا تو وہ فوراً سمجھ جاتا ہے۔ اس پر غیر کی زبردست دلیلیں اثر نہیں کرتیں مگر ماں کا یہ فقرہ کہ ایسا کرنا اچھا نہیں ہوتا فوراً اثر کر جاتا ہے۔ اسی طرح لوگوں کے سامنے اخلاص ہوتا ہے وہ دوسروں کی فلسفیانہ تقریریں سننا پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے امام کے منہ سے چند سادہ کلمات سننا چاہتے ہیں اور یہ محبت کے کرشمے ہیں۔ جب تک اور جس سے اخلاص اور محبت ہوگی اُس

کی سادہ بات بہ نسبت دوسروں کی لمبی فلسفیانہ تقریر کے بڑا اثر کرے گی۔ پس مجلس کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ پھر یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ میری مجلس میں جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ہر قسم کے لوگ آتے ہیں عالم بھی آتے ہیں اور جاہل بھی اور بعض دفعہ پاگل بھی آتے ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ایک پاگل شخص آیا ہے اور اُس نے مجھے اپنی باتیں سنانی شروع کر دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا ایک ہی جواب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ خاموشی سے وقت گزار دیا جائے۔ مگر دوسرے لوگ چونکہ اس امر کو نہیں سمجھتے اس لئے بعض دفعہ وہ بیچ میں آ کودتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ یہ دماغی خلل والے کئی لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اِس قسم کے سوال کرتے ہیں جن کے متعلق وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ معقول ہیں مگر میں اُن کی دماغی حالت کو جانتا ہوں۔ پس میں مختصر جواب دے دیتا ہوں یا خاموش رہتا ہوں اور جب وہ تکرار کرتے ہیں تو میں کہتا ہوں میں نے سن لیا اس پر غور کروں گا۔ مگر ناواقف آدمی دخل دے دیتا ہے اور اس طرح بات کو خراب کر دیتا ہے۔

اسی طرح میں سمجھتا ہوں ایک مصافحوں والا معاملہ بھی ہے۔ باہر سے آنے والے دوست جن کو یہاں آنے کا بار بار موقع نہیں ملتا یا جمعہ کے موقع پر جبکہ مقامی لوگوں میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں ہفتہ بھر ملنے کا اور کوئی موقع نہیں ملا ہوتا، مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کے لئے مصافحہ کی معقولیت میری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کیونکہ مصافحہ قلوب میں وابستگی اور پیوستگی پیدا کرتا ہے اور یہ معمولی چیز نہیں۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ عیدین وغیرہ مواقع پر صحابہؓ خصوصیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کیا کرتے۔ مگر مجھے شبہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہر نماز کے وقت مصافحہ کرنا دینی ضرورتوں میں سے کوئی ضرورت ہے۔ بعض لوگ محبت میں گداز ہوتے ہیں میں اُن کو الگ کرتا ہوں کیونکہ ان پر کوئی قانون جاری نہیں ہوسکتا۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں سارا سارا دن اُس کھڑکی کے سامنے بیٹھے رہتے جس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر آیا کرتے تھے۔ اور جب باہر آتے تو وہ آپ سے مصافحہ کرتے

یا آپ کے کپڑوں کو ہی چھو لیتے۔ ایسے لوگ محبت کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں۔ مگر مجھے شبہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وقت مصافحہ کرنا ضروری ہے۔ مصافحہ کا اصل وقت تو وہ ہوتا ہے جب کوئی شخص باہر جا رہا ہو یا باہر سے آیا ہو۔ یا ساتویں آٹھویں دن اس لئے مصافحہ کرے کہ تا دعاؤں میں اسے یاد رکھا جائے اور اس کا تعارف قائم رہے یا کسی بیمار نے بیماری سے شفا پائی ہو تو وہ یہ بتانے کیلئے مصافحہ کرے کہ اب وہ اچھا ہو گیا ہے یہ اور چیز ہے۔ مگر بِالالتزام بغیر اس کے کہ نفس اس مقام پر پہنچا ہوا ہو کہ انسان مصافحہ کرنے پر مجبور ہو جائے دوسروں کو دیکھ کر یہ کام کرنا کوئی پسندیدہ امر نہیں۔

مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم کو جو میرے استاد بھی تھے بوجہ اس کے کہ وہ اہلحدیث میں سے آئے تھے بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ ایک دفعہ یہ سوال زیر بحث تھا کہ مجلس میں کسی بڑے آدمی کے آنے پر کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں قاضی سید امیر حسین صاحب فرمایا کرتے تھے کہ یہ شرک ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آخر یہ جھگڑا اتنا طول پکڑ گیا کہ اسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس وقت یہ سوال ایک رُقعہ پر لکھا گیا اور میں رُقعہ لے کر اندر گیا۔ اُس وقت اگرچہ میں طالب علم تھا مگر چونکہ مذہبی باتوں سے مجھے بچپن ہی سے دلچسپی رہی ہے اس لئے میں ہی وہ رُقعہ اندر لے گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے جواب میں زبانی کہا یا تحریر کیا مجھے اچھی طرح یاد نہیں خیال یہی آتا ہے کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ دیکھو وفات کے موقع پر کوئی ایسی حرکت کرنا جیسے دوہتڑ مارنا شریعت نے سخت ناجائز قرار دیا ہے لیکن جہاں تک مجھے خیال ہے روایت تو صحیح یاد نہیں آپ نے غالباً حضرت عائشہؓ کا ذکر کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر انہوں نے بے اختیار اپنے سینہ پر ہاتھ مارا[۸] یہ روایت لکھ کر آپ نے تحریر فرمایا کہ ایک چیز ہوتی ہے تکلف اور بناوٹ اور ایک چیز ہوتی ہے جذبۂ بے اختیاری۔ جو امر جذبۂ بے اختیاری کے ماتحت ہو اور ایسا نہ ہو جو نصِ صریح سے ممنوع ہو بعض حالتوں میں وہ جائز ہوتا ہے اور وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ یہ فعل کرنے والے نے کس رنگ میں کیا۔ سجدہ

تو بہر حال منع ہے خواہ کسی جذبہ کے ماتحت ہو مگر بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بعض صورتوں میں تکلف اور بعض صورتوں میں جذبہ بے اختیاری کے ماتحت صادر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس لئے کھڑا ہوتا ہے کہ ایک بڑے آدمی کے آنے پر چونکہ باقی لوگ کھڑے ہیں اس لئے میں بھی کھڑا ہو جاؤں تو وہ گنہگار ہوگا۔ مگر وہ جو بے قرار ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے جیسے معشوق جب عاشق کے سامنے آئے تو وہ اس کے لئے کھڑا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس پر گرفت نہیں۔ قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم نہایت ہی مخلص احمدی تھے۔ میں نے ان سے بہت عرصہ پڑھا ہے وہ احمدیت کے متعلق اپنے اندر عشق کا جذبہ رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے میری خلافت کے ایام میں ایک دفعہ جب میں مسجد میں آیا تو قاضی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے میں نے کہا قاضی صاحب! آپ تو کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا شرک قرار دیا کرتے تھے کہنے لگے۔'' کی کراں میں سمجھدا تے ایہی ہاں پر دیکھدے ہی کچھ ہو جاندا اے رہیا جاندا ہی نہیں''۔ یعنی کیا کروں میں سمجھتا تو یہی ہوں لیکن آپ کو دیکھ کر ایسا جذبہ طاری ہوتا ہے کہ میں بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ تو حالات کے مختلف ہونے اور جذبات کی بے اختیاری کی وجہ سے حکم بدلتے رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں مصافحہ بھی اسی رنگ کی چیز ہے۔ جب مصافحہ رسم ورواج کے ماتحت ہو یا دکھاوے کے طور پر یا اس لئے ہو کہ شاید یہ شرعی احکام میں سے ہے یا اخلاص کے اظہار کا یہ بھی کوئی ذریعہ ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن جب کوئی دیر سے ملتا ہے اور چاہتا ہے کہ بتلائے کہ میں آ گیا ہوں یا بیمار چاہتا ہے کہ میں بتاؤں مجھے صحت ہوگئی ہے یا کوئی اِس لئے مصافحہ کرتا ہے کہ تا دعاؤں میں وہ یاد رہ سکے تو ایسے موقعوں پر مصافحہ ایک نہایت ہی مفید مقصد کو پورا کر رہا ہوتا ہے۔ مگر دوسرے اوقات میں وہ بعض دفعہ وقت کو ضائع کرنے والا بھی ہو جاتا ہے۔

یہ چند باتیں ہیں جو میں نے کہی ہیں اور کچھ باتیں اِس وقت بھول بھی گئی ہیں اور بعض ممکن ہے ابھی اور بھی بیان کرنے والی ہوں، انہیں پھر بیان کر دوں گا۔ لیکن یہ تمام باتیں اپنی اپنی جگہ بہت سے مفید مقاصد رکھتی ہیں جماعت کو چاہئے کہ انہیں مدنظر رکھے۔ مجالس کو

کھلا رکھنا چاہیے ،قرآن کریم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضروری ادب ہے اوراس کے بہت سے فائدے ہیں ۔ یہی فائدہ نہیں کہ دوسروں کوجگہ مل جائے گی اور صحت پراس کا خوشگوار اثر پڑے گا بلکہ اور بھی باریک روحانی مطالب پر مشتمل فوائد ہیں اور یہ مختصر خطبہ ان کا حامل نہیں ہوسکتا۔اسی طرح کھڑکیوں کوکھلا رکھنا چاہئے ۔جسم اورگھروں کی صفائی کا خیال رکھنا چاہئے ۔ اورمجلس میں خوشبو لگا کرآنا چاہئے ۔ بدبودار چیزیں کھا کر اجتماع کے موقعوں پرنہیں آنا چاہئے ۔ اور بدبودار چیزیں ہی نہیں اگرکسی کوکوئی بغل گند وغیرہ کی بیماری ہوتو اچھی طرح صفائی کرکے آئے ۔مجلس کومفید بنانے کی کوشش کرنی چاہیے ۔مشکل مسائل درپیش ہوں تو ان کے متعلق سوال کرنا چاہئے ۔ جب گفتگو ہورہی ہوتو اُس وقت دخل نہیں دینا چاہئے اورکسی کی غلطی معلوم کرکے اس پر ہنسنا نہیں چاہیے ۔ان باتوں پرعمل کرنے سے مجلس میں برکت ہوتی، تعلقات مضبوط ہوتے اورفائدہ زیادہ ہوتا ہے ۔لیکن اگر یہ باتیں نہ ہوں توصحت کےخراب ہونے کے خیال سے یا وقت کے ضائع ہونے کے خطرہ سے طبیعت میں اس امر پر بشاشت پیدا نہیں ہوتی کہ مجلس میں بیٹھا جائے ۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے دوست آئندہ مجالس میں ان امورکو مدنظر رکھیں گے ۔ (خطبات محمود جلد۴ اصفحہ ۹۴ تا ۱۰۹)

۱؎ بخاری کتاب الجمعة باب الانصات یوم الجمعة والامام یخطب، ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰة باب ماجاء فی الاستماع للخطبة والانصات

۲؎ بخاری کتاب الجهاد باب فضل النفقة فی سبیل اللّٰه

۳؎ مسلم کتاب الصلوٰة باب استحباب الذکر بعد الصلوٰة و بیان صفته

۴؎ ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب مقام الصبیان من الصف

۵؎ بخاری کتاب الجمعة باب الدهن للجمعة

۶؎ گندنا: ایک ترکاری کا نام جولہسن سے مشابہہ ہوتی ہے۔(علمی اُردولغت صفحہ۱۲۴۳ مطبوعہ لاہور۱۹۹۶ء

۷؎ مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰة باب نهی من اکل ثوماً اوبصلاً او کراثاً او نحوها

۸؎ طبقات ابن سعد جلد۲ صفحه۲۶۲ دار صادر بیروت

نظامِ سلسلہ کی پابندی کے بغیر ترقی محال ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲ جون ۱۹۳۳ء کوخطبہ ارشاد فرمایا جس میں نظامِ سلسلہ کی پابندی کے بغیر ترقی محال ہے کا ذکر کرتے ہوئے خلیفہ وقت کی اطاعت کے بارہ میں فرمایا۔

''خلیفۂ وقت کے ایک حکم کا انکار بھی انسان کو جماعت سے خارج کر دیتا ہے مگر یہاں یہ حالت ہے کہ خلیفہ تین مرتبہ ایک بات کو دُہراتا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے، میں اس کی اجازت نہیں دیتا مگر وہی بات کر لی جاتی ہے۔ پھر یہ بیوقوف کہتے ہیں ناظر امور عامہ ظالم ہے کہ اُس نے سزا دی حالانکہ اگر ان کے اندر غیرت ہوتی اور واقعہ میں ان کے دلوں میں ایمان ہوتا تو بجائے اس کے کہ امور عامہ یہ سزا دیتا، انہیں خود ایسے لوگوں کو سزا دینی چاہیے تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک دفعہ کسی منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا یا جو فرمانے لگے اُس منافق نے سمجھا کہ یہ میرے خلاف ہو گا تب اس نے یہودی سے کہا بہتر ہے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور وہاں سے فیصلہ کرائیں۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر پہنچے اور کہا ہمارا فیصلہ کر دیجیئے۔ گفتگو کے دوران میں یہودی نے یہ بھی کہہ دیا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ آپ نے کہا اچھا یہ بات ہے۔ میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر گھر میں گئے تلوار لی اور باہر آ کر اُس منافق کی گردن اُڑا دی اور کہا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ منظور نہیں اُس کا فیصلہ یہ ہے[1]۔ تو بجائے اسکے کہ امور عامہ سزا تجویز کرتا، اگر ان لوگوں کے دلوں میں ایمان ہوتا تو چاہیئے تھا کہ خود سزا دیتے۔ یہ نہیں کہ ان لوگوں کو اس سے انکار ہو کہ میں نے انہیں منع نہیں کیا۔ انہوں نے خود اپنے بیان میں اس امر کو تسلیم کیا ہے

کہ ہم نے تین دفعہ پوچھا مگر تینوں دفعہ ہمیں روکا گیا لیکن باوجود اس کے نکاح کر دیا گیا۔ اس پر جب سزا دی گئی تو میں نے پانچ پانچ صفحوں کے بعض لوگوں کے خطوط پڑھے جن میں ایسی ایسی دلّا لیاں کی گئی ہیں کہ دلّا لہ جو عرب میں مشہور ہے، اُس نے بھی نہیں کی ہوں گی۔ ایک شور مچا رکھا ہے کہ ظلم ہو گیا، اندھیر نگری اور چوپٹ راجہ والی مثال بن گئی۔ قادیان کے مخلصین، مجاہدین اور مہاجرین جو سلسلہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہیں اور اپنے اخلاص اور تقویٰ میں بے نظیر ہیں، ان کی کوئی بات سنی نہیں جاتی۔ بغیر سوچے سمجھے دباؤ ڈالا جاتا اور ہر طرح اپنی حکومت جتائی جاتی ہے۔ میں ایسے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ فرمانبرداری کس جانور کا نام ہے۔ تین دفعہ فیصلہ دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ نکاح نہ ہو مگر دو چار بے وقوف اور دو چار لونڈے سمال ٹاؤن کمیٹی کے دفتر میں نکاح پڑھ دیتے ہیں۔ کیا قادیان کے نکاح اسی طرح ہوا کرتے ہیں؟ میں ان جو فروش گندم نما احمدی کہلانے والوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ جو سزا دیئے جانے پر پانچ پانچ صفحے کے مجھے خط لکھتے ہیں کہ کتنا ظلم اور اندھیر ہو گیا، کیا وہ خط ان کی فرمانبرداری اور اطاعت کی روح پر دلالت کرتے ہیں یا اس بات پر کہ ان کے اندر اطاعت کی روح ہی نہیں؟ وہ لوگ جنہوں نے براہِ راست نافرمانی کی انہوں نے تو ممکن ہے کسی معذوری کے ماتحت ایسا کیا ہو۔ ممکن ہے جس کے پاس لڑکی رہتی ہو، اس نے چاہا ہو کہ میں جلدی اس کے بوجھ سے فارغ ہو جاؤں۔ اور ممکن ہے لڑکے نے یہ خیال کیا ہو کہ مجھے اور رشتہ تو ملتا نہیں چلو اسی سے نکاح کر لوں بعد میں معافی مانگ لوں گا۔ مگر یہ خط لکھنے والے وہ ہیں جن کا اِس نکاح سے کوئی بھی واسطہ اور تعلق نہیں۔ اور محض پرائے شگون میں ناک کٹا کر اپنے آپ کو جہنم میں گرا رہے ہیں۔ بظاہر وہ خطوط میں اپنا اتقاء بھی ظاہر کرتے ہیں مگر ان کا اتقاء ایسا ہی ہے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول، بنوقینقاع اور بنونضیر کے معاملہ میں ظاہر کرتا تھا۔ وہ بھی یہی کہتا تھا کہ رحم رحم مگر کیا قرآن نے اسے رحیم قرار دیا۔ قرآن مجید اسے رحیم نہیں بلکہ منافق قرار دیتا ہے۔ اگر نظامِ سلسلہ کو اس رنگ میں چلایا جائے اور اس قسم کے احمقوں کی بات کو مان لیا جائے تو وہی بے لگامی احمدیت میں آجائے جو اِس وقت دوسروں میں ہے۔

پس گو میں کئی دفعہ جماعت کے لوگوں کو توجہ دلا چکا ہوں کہ اگر انہوں نے بیعت کی ہے تو اس کے کوئی معنی ہونے چاہئیں، کوئی قیمت ہونی چاہئے، چاہے دھیلہ اور دمڑی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اِس قسم کی بیعت کی کہ منہ سے بیعت کا اقرار کیا جائے اور اطاعت کے معاملہ میں خلیفۂ وقت کی صریح نافرمانی کی جائے، ایک دَمڑی بھی قیمت نہیں۔ مگر اب میں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ کمزور سے کمزور ایمان والوں کی بیعت کی بھی کچھ نہ کچھ قیمت ہوتی ہے۔ چاہے وہ کوڑی ہی ہو لیکن اس قسم کی نامعقول حرکت کے بعد تو بیعت کی کوڑی بھر بھی قیمت نہیں رہتی اور یہ اطاعت کا اقرار نہیں بلکہ دھوکا بازی اور فریب ہے جسے کوئی بھی دنیا میں وقعت دینے کے لئے تیار نہیں ہوسکتا۔ انسانوں کے سامنے ایسا آدمی ممکن ہے متقی بن جائے اور حقیقت سے ناواقف انسان اسے دیکھ کر کہے کہ کیا ہی متقی شخص ہے۔ مگر خدا کے حضور وہ متقیوں کی فہرست میں نہیں ہوسکتا اور ایسا شخص جو اِن حالات میں دوسرے پر رحم کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اگر خود اسے کسی دفتر کا چپڑاسی بھی بنا دیا جائے، تو وہ ساری دنیا کی گردنیں کاٹنے لگ جائے اور کہے کہ چپڑاسی کی یہ لوگ کیوں بات نہیں مانتے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس قسم کے خطوط لکھنے والے اگر مدرّس ہیں تو چھوٹے چھوٹے طالب علموں کے متعلق ایسے ایسے بغض نکالتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ دکاندار ہیں تو وہ اپنے معاملات میں اتنے بغیض ہوتے ہیں کہ گویا خدا کی خدائی بھی انکی حکومت کے آگے ہیچ ہے۔ مگر کوئی سلسلہ کے نظام کے خلاف بغاوت کرے تو اُس وقت یہ لوگ کود کر سب سے آگے آ جائیں گے اور کہیں گے رحم کریں، رحم کریں۔ میں سمجھتا ہوں کبھی کوئی جماعت منافقوں سے خالی نہیں ہوئی۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت منافق موجود تھے تو اب بھی ہونے چاہئیں۔ مگر عموماً اس قسم کے لوگوں کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ہاں مومنوں کو بیدار کرنے کے لئے کبھی کبھی یہ باتیں بتائی جاتی ہیں۔ چونکہ ان کی باتیں سننے والا یہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ جسے سزا دی گئی وہ ہمارا ایک بھائی ہے، اس لئے وہ کہہ دیتا ہے کہ کتنا ظلم ہو گیا۔ حالانکہ منافق جب لوگوں سے باتیں کرتے ہیں تو انہیں یہ نہیں بتاتے کہ خلیفۂ وقت سے تین دفعہ پوچھا گیا اور تینوں دفعہ انکار کے باوجود چند لفنگوں اور بدمعاشوں کو اکٹھا کر کے نکاح پڑھوا دیا گیا۔ بلکہ وہ کہتے ہیں تو یہ کہ ہمیں یہ پتہ

نہیں تھا کہ مسجد مبارک میں نکاح ہونا ضروری ہے اور اگر کسی اور جگہ نکاح پڑھوائیں گے تو ہمارا بائیکاٹ کر دیا جائے گا۔ وہ تین دفعہ کے انکار کا ذکر نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ سزا صرف اس لئے دی گئی ہے کہ کیوں یہ نکاح مسجد مبارک میں نہیں ہوا؟ یہ سننے والا جھٹ کہہ اُٹھتا ہے، کتنا بڑا ظلم ہے۔ شریعت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ ہر نکاح مسجد مبارک میں ہی ہو یا کیا جماعت کے ذمہ دار افسروں کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ نکاح ہمیشہ مسجد مبارک میں ہی پڑھے جایا کریں۔ تب سننے والا کہتا ہے یہاں کے لوگ کتنے ظالم اور سیاہ دل ہو گئے کہ مسجد مبارک میں نکاح نہیں ہوا تو محض اس بناء پر بائیکاٹ کر دیا گیا۔ منافق کھا جائیں گے اِس بات کو کہ مجلس شوریٰ میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ قادیان کے نکاح اور باہر کے بھی ایک مقررشدہ فارم کی خانہ پری اور اس کی تصدیق کے بعد پڑھے جائیں مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ وہ اس بات کو بھی کھا جائیں گے کہ تین دفعہ خلیفۂ وقت سے پوچھا گیا، مگر اس کے انکار کے باوجود چند لونڈے جن میں سے چند اوباش اور چند بدمعاش تھے، انہیں اکٹھا کر کے سال ٹاؤن کمیٹی کے دفتر میں نکاح پڑھ دیا گیا۔ سال ٹاؤن کمیٹی کے دفتر میں آخر کیا برکت ہوسکتی تھی سوائے اس کے کہ اس نکاح کی پوشیدگی مدنظر تھی۔ وہ ان تمام باتوں کو کھا جائیں گے اور صرف یہ کہہ کر پروپیگنڈا کریں گے کہ دیکھئے کتنا ظلم ہو گیا ہے۔ صرف اتنے قصور پر کہ کیوں یہ نکاح مسجد مبارک میں نہیں ہوا، ہمارا بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ناواقفوں کو دھوکا دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بالکل ممکن تھا میرے حکم کو سننے میں انہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو۔ گو میں نہیں سمجھ سکتا کہ تین دفعہ کے واضح انکار کے باوجود کس طرح کوئی غلط فہمی ہوسکتی ہے۔ خصوصاً جبکہ ان کا اقرار ہے کہ انہیں کہا گیا کہ اس نکاح کی اجازت نہیں لیکن انہوں نے اس کے باوجود نکاح کر دیا۔ تاہم مان لیا جا سکتا تھا کہ انہیں غلط فہمی ہوئی مگر وہ جو کہا جاتا ہے کہ ''خدا مجھے نادان دوستوں سے بچائے'' ان کے منافق دوست ہیں جو اِس معاملہ کو بھیانک شکل دیتے چلے جا رہے ہیں۔

پس اس لئے اب انہیں جتنی بھی شدید سزا ملے، اس کی ذمہ داری ان منافق پروپیگنڈا کرنے والوں پر ہے جو ان کی تائید میں لکھتے ہیں اور محض جھوٹ اور فریب سے کام لے کر

لکھتے ہیں۔ اگر اس موقع پر رحم کیا جائے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے جو ذمہ داری مجھ پر عائد ہے اس سے میں عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ خلیفۂ وقت کا کام ہے کہ وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح ہو۔ ایسی چٹان کہ دنیا بھر کے سمندر بھی مل کر اسے ہلا نہ سکیں۔ اگر چند منافقوں سے میں ڈر جاؤں اور ایسے موقع پر رحم کرنے پر آمادہ ہو جاؤں جبکہ رحم مناسب نہیں، تو میں اپنی خلافت کی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرنے والا ہوں گا۔ مجھے یہ چند منافق کیا اگر دنیا کی حکومتیں بھی مل کر ایک مقصد سے ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتیں اور اگر میں یا کوئی اور خلیفہ اِس لئے نرمی کرے کہ لوگ اسے مجبور کرتے ہیں تو یقیناً وہ خدا کا قائم کردہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ رحم ہمارا کام ہے لیکن دباؤ سے ماننا ہمارا کام نہیں، بلکہ دباؤ کو کچلنا ہمارا کام ہے۔ یہ لوگ کیا ہیں، شیطان کا ایک آلہ ہیں۔ مگر خدا کے خلفاء شیطان پر غالب آیا کرتے ہیں، مغلوب نہیں ہوتے۔ اور ایک دن آتا ہے کہ شیطانی ہتھیاروں کو وہ توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

(خطبات محمود جلد ۱۴ صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۸)

---

۱ **الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول** صفحہ ۳۹، ۴۰۔ ابن تیمیہ طبقہ اولیٰ حیدر آباد دکن

نئے سال کے لئے جماعت احمدیہ کا پروگرام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۴؍جنوری ۱۹۳۵ء کو نئے سال کے لئے جماعت احمدیہ کا پروگرام بیان فرمایا جس میں مختلف سکیموں کا ذکر کیا۔ عملی حصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''مجھے قتل کی دھمکیوں کے کئی خطوط ملے ہیں لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گا کہ **اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ**[1]۔ ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ اپنے جوشوں کو اپنے قابو میں رکھیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ دُہرے طور پر جکڑے ہوئے ہیں۔ ان پر ایک قانون کی گرفت ہے اور ایک ہماری، اور ہماری گرفت قانون کی گرفت سے بہت زیادہ سخت ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس ناراضگی کے بعد جو ہمارے دلوں میں پیدا کی جارہی ہے، قانون کی گرفت کسی احمدی کے دل پر رہ سکتی ہے کیونکہ اشتعال اِس قدر سخت ہے کہ صبر ہاتھوں سے نکلا جارہا ہے۔ اگر احمدیت ہمیں نہ روکتی تو جس طرح سلسلہ کی بےحرمتی کی جارہی ہے میں نہیں سمجھتا ایک منٹ کے لئے بھی قانون ہم میں سے کسی کو روک سکتا لیکن بہرحال قانون چلتا ہے اور ہمارا مذہب ہمیں اس کی پابندی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ پس ایک طرف تو اس کی رُکاوٹ ہے دوسری طرف سے ہماری گرفت جماعت کے دوستوں پر ہے کہ وہ حتّی الوسع اپنے جذبات کو دبائے رکھیں اور ہماری گرفت ایسی سخت ہے کہ اس کے مقابل میں قانون کی گرفت کوئی چیز نہیں۔ اور ان حالات میں میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے دل خون ہو رہے ہیں، طبیعتیں بےچین ہیں، صحتوں پر بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے اور انہیں موت سے زیادہ تلخ پیالہ پینا پڑ رہا ہے مگر میں پھر بھی یہی کہتا ہوں کہ میں ان کی تکالیف سے ناواقف نہیں ہوں۔ جس وقت تک کہ میں دیکھوں گا کہ ہم دونوں پہلو نبھا سکتے ہیں، میں ان کو صبر کی تلقین کرتا رہوں گا مگر جب میں دیکھوں گا کہ ہمارے صبر کی کوئی قیمت نہیں، حاکم اسے کوئی وقعت نہیں دیتے بلکہ وہ اسے

ہماری بزدلی پر محمول کرتے ہیں تو اس دن میں دوستوں سے کہہ دوں گا کہ میں ہر کوشش کر چکا لیکن تمہاری تکلیف کا علاج نہیں کر سکا اب تم جانو اور قانون۔ کیونکہ قانون صرف اپنی پابندی کا مجھ سے مطالبہ کرتا ہے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ میں اس کے حکم سے بھی زیادہ لوگوں کو روکے رکھوں۔ جیسا کہ میں اب کر رہا ہوں کہ جہاں قانون اجازت دیتا ہے وہاں بھی تمہارے ہاتھ باندھے رکھتا ہوں۔ قانون یہ تو حکم دے سکتا ہے کہ یہ کرو اور وہ نہ کرو مگر اپنے مذہب کو اس کی تائید میں استعمال کرنے کا مجھے پابند نہیں کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت تک جو احمدی جوش میں آتے ہیں وہ قانون کے منشاء سے بھی بڑھ کر اپنے نفس پر قابو رکھتے ہیں اور اس کا باعث میری وہ تعلیم ہے جو میں اسلام کے منشاء کے مطابق انہیں دیتا ہوں۔ جب میری آواز اُنہیں آتی ہے کہ رُک جاؤ تو وہ رُک جاتے ہیں۔ جیسا کہ احرار کے جلسہ پر ہوا کہ میں نے انہیں کہا کہ خواہ کوئی مارے تم آگے سے جواب نہ دو حالانکہ قانون خود حفاظتی کی اجازت دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے گھروں میں احرار گھس گئے۔ خود میری کوٹھی میں وہ لوگ آتے رہے اور بعض دوستوں نے ان کی تصاویر بھی لیں لیکن کسی نے انہیں کچھ نہ کہا حالانکہ گھر میں گھسنے والوں پر وہ قانوناً گرفت کر سکتے تھے لیکن آئندہ کے لئے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حالات ایسی صورت اختیار کر رہے ہیں کہ ممکن ہے کسی وقت مجھے یہ بھی کہنا پڑے کہ میں اب تمہیں اپنے قانونی حق کے استعمال سے نہیں روکتا۔ تم اپنے حالات کو خود سوچ لو، میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہ ہوگی لیکن اُس وقت تک کہ میں کوئی ایسا اعلان کروں مجھے امید ہے کہ ہماری جماعت کے دوست اپنے جوشوں کو اسی طرح دبائے رکھیں گے جس طرح کہ اِس وقت تک دباتے چلے آئے ہیں۔ اور اگرچہ حکومت کے متعلق ان کے دل کتنے ہی رنجیدہ کیوں نہ ہوں اور انہیں بہت بُری طرح مجروح کیا جا چکا ہو مگر پھر بھی وہ میری اطاعت سے باہر نہیں جا سکتے اور انہیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ میں جانتا ہوں کہ اس قسم کے مواقع پر کسی قسم کا ڈر یا خوف یا تعزیر کا خیال انسان کو نہیں روک سکتا۔ میں نے مولوی رحمت علی صاحب کا واقعہ کئی بار سنایا ہے۔ جس وقت ان کے کان میں یہ آواز پڑی کہ نیّر صاحب مارے گئے ہیں اور بعض احمدی زخمی ہو گئے ہیں تو وہ پاگل ہو کر اس مکان کی طرف جا رہے

تھے وہ جانتے تھے کہ ممکن ہے وہاں لڑائی ہو اور میں مارا جاؤں یا زخمی ہو جاؤں ۔ یا ممکن ہے مقدمہ چلے اور باوجود دفاعی پہلو اختیار کرنے کے میری براءت ثابت نہ ہو اور میں قید یا پھانسی کی سزا پاؤں مگر پھر بھی وہ تھرتھر کانپ رہے تھے کہ کیوں ہمیں روکا جا رہا ہے اور کوئی خیال انہیں آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ اُس وقت میری آواز تھی کہ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھے تو جماعت سے نکال دوں گا ۔ یہ لفظ تھے جنہوں نے اُن کو آگے بڑھنے سے روکا ورنہ کوئی قانون اُس وقت تک نہ انہیں روکتا تھا اور نہ روک سکتا تھا۔ مگر کون سا قانون ہے جو مجھ سے یہ امید کرتا ہے کہ جب کسی کے بھائی بندوں پر یا اس پر دشمن حملہ آور ہو اور قانون اُسے خود حفاظتی کی اجازت دیتا ہو میں اسے اس حق کے استعمال سے روکوں ۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ایسا کوئی قانون نہیں اور میں صرف سلسلہ کی نیک نامی اور حکومت کی خیر خواہی کے لئے یہ کام کر رہا ہوں مگر حکومت کا بھی تو فرض ہے کہ وہ اس قربانی کی قدر کرے وگرنہ ہمارے دل اس قدر زخمی ہیں کہ اگر دشمنوں کے حملوں کا جواب ہم سختی سے دیں تو کوئی قانون ایک لمحہ کے لئے بھی ہمیں گرفت نہیں کر سکتا کیونکہ مجرم وہ ہے جو پہلے گالی دیتا ہے اس وقت تک میں یہی سمجھتا ہوں کہ انسانی فطرت ایسی سیاہ نہیں ہوگئی کہ ملک کے لوگ زیادہ دیر تک اس گند کی اجازت دیں اور نہ حکومت کی ساری کی ساری مشینری خراب ہو چکی ہے بلکہ اس کا بیشتر حصہ ابھی اچھا ہے چند مقامی افسر اسے دھوکا دے رہے ہیں اور ان کی نیت یہ ہے کہ احمدیوں کو گورنمنٹ سے لڑا کر وہ کام کریں جو کانگرس نہیں کر سکی مگر میں ان لوگوں کو ناکام کرنے کے لئے انتہائی کوشش کروں گا اور جماعت کا قدم وفاداری کی راہ سے ہٹنے نہ دوں گا۔ پس جب تک میں یہ نہیں کہہ دیتا کہ میری سب تدابیر ختم ہو چکی ہیں اُس وقت تک ہماری جماعت کے احباب کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے نفوس کی قربانی کر کے اور دلوں کا خون کر کے بھی جوشوں کو دبائیں اور ایسی باتوں سے مجتنب رہیں جن سے میری گرفت ان پر ہو اور میں یہ کہہ سکوں کہ تم نے ایسا فعل کیا ہے جس کی سزا گو قانون نہ دیتا ہو مگر میں خود دینی چاہتا ہوں ۔

یاد رکھو کہ ہمارا سلسلہ کوئی ایک دو دن کا نہیں بلکہ یہ ایک لمبی چیز ہے۔ ساری دنیا کی

باگیں ایک دن ہمارے ہاتھ میں آنی ہیں اس لئے ہمارے مدّ نظر ہر وقت یہ بات ہونی چاہئے کہ ہمارا مقصود ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ ہمیں آدمیوں کا خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ان میں سے کوئی زندہ رہتا ہے یا مرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق قتل کے منصوبے کئے گئے، حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ میں پیغامی آپ کو اِس قدر بدنام کرتے رہتے تھے کہ جس کے نتیجہ میں دلوں کے اندر اِس قدر شکوک پیدا ہو چکے تھے کہ آپ سے محبت رکھنے والے بعض لوگ یہ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ ان میں سے کسی کی دی ہوئی دوائی آپ استعمال کریں۔ اگرچہ میں آج بھی اِس قدر مخالفت کے باوجود اس بات کو غلط سمجھتا ہوں اور میں یہ امید بھی نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے والے اِس قدر گندے ہو سکتے تھے مگر میں دیکھتا تھا کہ ایسے لوگ موجود تھے جن کے دلوں میں یہ شکوک پائے جاتے تھے۔ اب یہ زمانہ ہے اور مجھے صراحتاً ہر سال کئی کئی بار قتل کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور زمیندار کے مضمون کی اشاعت کے بعد متواتر تین چٹھیاں ایسی موصول ہوئیں۔ ایک ابھی ۳۱ ردسمبر کو ملی تھی کہ یکم جنوری کے روز تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ میں ان کے بیشتر حصہ کو دھمکی سمجھتا ہوں مگر ایک حصہ ایسا بھی ہو سکتا ہے جو سنجیدگی سے میرے متعلق ایسا ہی ارادہ رکھتا ہو لیکن جیسا کہ میں نے کہا ہے ہمارا سلسلہ انسانوں کا نہیں کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ کسی شخص کی وفات کے بعد یہ ختم ہو جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مخالف خیال کیا کرتے تھے کہ آپ کی زندگی کے ساتھ ہی یہ سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ لیکن پھر حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں یہ کہا جانے لگا کہ مرزا صاحب تو جاہل تھے سارا کام مولوی صاحب ہی کرتے تھے ان کی آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے تو بس یہ سلسلہ ختم۔ پھر ان کی آنکھیں بند ہوئیں اور لوگوں نے خیال کیا کہ اصل کام انگریزی خوان لوگ کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نکال کر باہر کیا اور جماعت کی باگ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دی جس کے متعلق پیغامی کہتے تھے کہ ہم خلافت کے دشمن نہیں ہیں بلکہ ہماری مخالفت کی بناء یہ ہے کہ اگر جماعت کی باگ ایک بچے کے ہاتھ میں آ گئی تو سلسلہ تباہ ہو جائے گا۔ مگر دیکھو کہ اس بچے کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے جماعت کی گاڑی ایسی چلائی کہ وہ ترقی کر کے کہیں سے کہیں جا پہنچی اور اب اللہ تعالیٰ کا

ایسا فضل ہے کہ ان لوگوں کے وقت میں جتنے لوگ جلسہ سالانہ پر شامل ہوتے تھے اُس سے بہت زیادہ آج میرے جمعہ میں ہیں۔سوائے افغانستان کے باقی تمام بیرونی ممالک کی جماعتیں میرے ہی زمانہ میں قائم ہوئی ہیں اور یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ یہ سلسلہ خدا کے ہاتھوں میں ہے اس لئے دشمن کی باتوں سے نہ گھبراؤ۔وہ کسی کو مار بھی دیں تو بھی یہ سلسلہ ترقی کرے گا۔تمہیں چاہئے کہ تم اپنے اصول کو قائم رکھو،حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اپنے ایمان کو قائم رکھو اور آپ کی آمد کے مقصد کو یاد رکھو،خلافت کی اہمیت کو نہ بھولو اور اسے پکڑے رہو پھر تمہیں کوئی نہیں مٹا سکتا۔ڈر کی بات صرف یہ ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ اپنے اصول کو نہ بھول جائیں اور سلسلہ کی وجہ سے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں انہیں اپنی طرف منسوب نہ کر لیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے اور آپ کی نبوت اور ماً موریت سے آپ کی جماعت نے فائدہ اُٹھایا مگر بعض انگریزی دانوں نے سمجھا کہ ترقی ہم سے ہو رہی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ کر دیا اور پھر بھی سلسلہ کو ترقی دے کر بتا دیا کہ اس سلسلہ کی ترقی کسی انسان سے وابستہ نہیں۔

پس مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد کیا ہوگا بلکہ ڈر یہ ہے کہ خلافت سے علیحدہ ہو کر تم لوگ نقصان نہ اُٹھاؤ۔کسی خلیفہ کی وفات سلسلہ کے لئے نقصان کا موجب نہیں ہو سکتی لیکن خلافت سے علیحدگی یقیناً نقصان کا باعث ہے۔یہ بات میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے ایک رؤیا دیکھا ہے جس کے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں،منذر بھی اور مبشر بھی۔لیکن چونکہ باہر سے بھی قریباً ایک درجن خطوط آئے ہیں جن میں دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اسی طرح دشمنوں کے ارادوں کے متعلق بھی دوست اطلاع دیتے رہتے ہیں اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ دوستوں کو ہوشیار کر دوں کہ اصل چیز اصول ہیں۔اگر تم ان کو یاد رکھو گے تو کوئی تمہیں نہیں مٹا سکتا لیکن اگر اصول کو بھول جاؤ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام،حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اور میں مل کر بھی تم کو نہیں بچا سکتے۔

بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے دعائیں کیں تو معلوم ہوا کہ آپ کی عمر بیس سال بڑھ گئی ہے مگر اصل بات اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔اگرچہ دعا سے مبرم تقدیریں بھی بدل جاتی

ہیں مگر وثوق سے قبل از وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال اِس جلسہ پر بھی شبہ کیا جا تا تھا کہ دشمن شرارت کریں گے اور اس کے آ ثار بھی موجود تھے اس لئے ہمارے دوستوں نے کئی قِسم کی تدابیر اختیار کیں لیکن چوبیس یا پچیس دسمبر کی شب کو میں نے ایک رؤیا دیکھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جلسہ کے ایام میں مجھ پر حملہ کیا جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ موت اِنہی دنوں میں ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ ہے جس سے میں یہ بات پوچھتا ہوں اُس نے کہا کہ میں نے تمہاری عمر کے متعلق لوحِ محفوظ دیکھی ہے آ گے مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ اس نے کہا میں بتانا نہیں چاہتا یا بھول گیا ہوں۔ زیادہ تر یہی خیال ہے کہ اُس نے کہا میں بتانا نہیں چاہتا۔ لیکن جلسہ کی اور بعد کی دو ایک تاریخیں ملا کر اس نے کہا کہ ان دنوں میں یہ بات یقیناً نہیں ہوگی۔ اُس دن سے میں نے تو بے پرواہی شروع کر دی اور اگرچہ دوست کئی ہدایتیں دیتے رہے کہ یوں کرنا چاہئے مگر میں نے کہا کوئی حرج نہیں۔

چند دن ہوئے میں نے ایک اور رؤیا دیکھا ہے جس کا مجھ پر اثر ہے اور اس سے مجھے خیال آیا کہ جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاؤں کہ وہ ہمیشہ اصل مقصود کو مدّنظر رکھیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک پہاڑی کی چوٹی ہے جس پر جماعت کے کچھ لوگ ہیں میری ایک بیوی اور بعض بچے بھی ہیں۔ وہاں جماعت کے سرکردہ لوگوں کی ایک جماعت ہے جو آپس میں کبڈی کھیلنے لگے ہیں جب وہ کھیلنے لگے تو کسی نے مجھے کہا یا یونہی علم ہوا کہ انہوں نے شرط یہ باندھی ہے کہ جو جیت جائے گا، خلافت کے متعلق اس کا خیال قائم کیا جائے گا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس فقرہ کا مطلب یہ تھا کہ جیتنے والے جسے پیش کریں گے وہ خلیفہ ہوگا یا یہ کہ اگر وہ کہیں گے کہ کوئی خلیفہ نہ ہو تو کوئی بھی نہ ہوگا۔ بہر حال جب میں نے یہ بات سنی تو میں ان لوگوں کی طرف گیا اور میں نے ان نشانوں کو جو کبڈی کھیلنے کے لئے بنائے جاتے ہیں مٹا دیا اور کہا کہ میری اجازت کے بغیر کون یہ طریق اختیار کر سکتا ہے یہ بالکل ناجائز ہے اور میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس پر کچھ لوگ مجھ سے بحث کرنے لگے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اکثریت پہلے صرف ایک تلعّب کے طور پر یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کون جیتتا ہے اور خلیفہ کا تعیّن کرتا ہے اور کم لوگ تھے جو خلافت کے ہی مخالف تھے مگر میرے دخل دینے پر جو لوگ

پہلے خلافت کے مؤیّد تھے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے گویا میرے روکنے کو اُنہوں نے اپنی ہتک سمجھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ میرے ساتھ صرف تین چار آدمی رہ گئے اور دوسری طرف ڈیڑھ ، دوسَو۔اُس وقت میں یہ سمجھتا ہوں کہ گویا احمدیوں کی حکومت ہے اور میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے خون ریزی کے ڈر سے بھی میں پیچھے قدم نہیں ہٹا سکتا اس لئے آؤ ہم اُن پر حملہ کرتے ہیں ۔وہ مخلصین میرے ساتھ شامل ہوئے مجھے یاد نہیں کہ ہمارے پاس کوئی ہتھیار تھے یا نہیں مگر بہرحال ہم نے ان پر حملہ کیا اور فریق مخالف کے کئی آدمی زخمی ہو گئے اور باقی بھاگ کر تہہ خانوں میں چھپ گئے ۔اب مجھے ڈر پیدا ہوا کہ یہ لوگ تو تہہ خانوں میں چُھپ گئے ہیں ہم ان کا تعاقب بھی نہیں کر سکتے ۔اور اگر یہاں کھڑے رہے تو یہ لوگ کسی وقت موقع پا کر ہم پر حملہ کر دیں گے اور چونکہ ہم تعداد میں بالکل تھوڑے ہیں ہمیں نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے اور اگر ہم یہاں سے جائیں تو یہ لوگ پُشت پر سے آ کر حملہ کر دیں گے۔پس میں حیران ہوں کہ اب ہم کیا کریں؟ میری ایک بیوی بھی ساتھ ہیں اگرچہ یہ یاد نہیں کہ کونسی اور ایک چھوٹا لڑکا انور احمد بھی یاد ہے کہ ساتھ ہے۔میرے ساتھی ایک زخمی کو پکڑ کر لائے ہیں جسے میں پہچانتا ہوں اور جو اِس وقت وفات یافتہ ہے اور بااثر لوگوں میں سے تھا۔میں اُسے کہتا ہوں کہ تم نے کیا یہ غلط طریق اختیار کیا اور اپنی عاقبت خراب کر لی مگر وہ ایسا زخمی ہے کہ مر رہا ہے۔ مجھے یہ درد اور گھبراہٹ ہے کہ اس نے یہ طریق کیوں اختیار کیا مگر جواب میں اُس کی زبان لڑکھڑائی اور وہ گر گیا۔اتنے میں پہاڑی کے نیچے سے ایک شور کی آواز پیدا ہوئی اور ایسا معلوم ہوا کہ تکبیر کے نعرے بلند کئے جا رہے ہیں۔میں نے کسی سے پوچھا کہ یہ کیا شور ہے؟ تو اُس نے بتایا کہ یہ جماعت کے غرباء ہیں ان کو جب خبر ہوئی کہ آپ سے لڑائی ہو رہی ہے تو وہ آپ کی مدد کے لئے آئے ہیں۔میں خیال کرتا ہوں کہ جماعت تو ہمیشہ غرباء سے ہی ترقی کیا کرتی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے کہ غرباء میرے ساتھ ہیں مگر تھوڑی دیر بعد وہ تکبیر کے نعرے خاموش ہو گئے اور مجھے بتایا گیا کہ آنے والوں سے فریب کیا گیا ہے۔انہیں کسی نے ایسا اشارہ کر دیا ہے کہ گویا اب خطرہ نہیں اور وہ چلے گئے ہیں۔کوئی مجھے مشورہ دیتا ہے کہ ہمارے ساتھ بچے ہیں اس لئے ہم تیز نہیں چل سکیں

گے آپ نیچے جائیں آپ کو دیکھ کر لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور آپ اِس قابل ہونگے کہ ہماری مدد کر سکیں ۔ چنانچہ میں نیچے اُترتا ہوں اور غرباء میں سے مخلصین کی ایک جماعت کو دیکھتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ تا مخلصین اکٹھے ہو جائیں ۔تم اوپر جاؤ اور عورتوں اور بچوں کو باحفاظت لے آؤ۔اس پر وہ جاتے ہیں اتنے میں مَیں دیکھتا ہوں کہ پہلے مرد اُترتے ہیں اور پھر عورتیں لیکن میرا لڑکا انور احمد نہیں آیا۔ پھر ایک شخص آیا اور میں نے اُس کو کہا کہ انور احمد کہاں ہے؟ اس نے کہا وہ بھی آ گیا ہے۔ پھر جماعت میں ایک بیداری اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ چاروں طرف سے لوگ آتے ہیں۔ان جمع ہونے والے لوگوں میں سے میں نے شہر سیالکوٹ کے کچھ لوگوں کو پہچانا ہے۔ان لوگوں کے ساتھ کچھ وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں جو باغی تھے اور میں انہیں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتحاد کے ذریعہ طاقت دی تھی اگر تم ایسے فتنوں میں پڑے تو کمزور ہو کر ذلیل ہو جاؤ گے ۔ کچھ لوگ مجھ سے بحث کرتے ہیں میں انہیں دلائل کی طرف لاتا ہوں اور یہ بھی کہتا ہوں کہ اس سے جماعت کا تو کچھ نہیں بگڑے گا البتہ اس کے وقار کو جو صدمہ پہنچے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور تم ذمہ دار ہو گے ۔ اِس پر بعض لوگ کچھ نرم ہوتے ہیں لیکن دوسرے انہیں پھر ورغلا دیتے ہیں اور اسی بحث مباحثہ میں میری آنکھ کھل جاتی ہے ۔

اِس رؤیا کے کئی حصوں سے معلوم ہوتا ہے یہ واقعات میری وفات کے بعد کے ہیں **وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ** اور اس موقع پر اس رؤیا کا آنا شاید اس امر پر دلالت کرتا ہو کہ مجھے جماعت کو آئندہ کے لئے ہوشیار کر چھوڑنا چاہئے کیونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔اس رؤیا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ تعلق رکھنے والے خواہ تھوڑے ہوں اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے ۔اِنْشَاءَ اللّٰہُ۔

جب میں ابھی بچہ تھا اور خلافت کا کوئی وہم وگمان نہ تھا۔یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی تھی ۔**اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ**۔یعنی تیرے ماننے والے اپنے مخالفوں پر قیامت تک غالب رہیں گے ۔اُس وقت میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ہے کیونکہ

میرے اتباع کا تو خیال بھی میرے ذہن میں نہ آ سکتا تھا کہ کبھی ہوں گے۔ یہ عبارت قرآن کریم کی ایک آیت سے لی گئی ہے جو حضرت مسیح ناصریؑ کے متعلق ہے مگر آیت میں وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ [۲] ہے اور میری زبان پر اِنَّ الَّذِیْنَ کے لفظ جاری کئے گئے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر عرصہ پہلے سے یہ خبر دے رکھی تھی اور کہا تھا کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ تیرے متبع تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ اب اس کی ایک مثال تو موجود ہے۔ کتنے شاندار وہ لوگ تھے جنہوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی مگر دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح مغلوب کیا ہے۔ بعد کا میرا ایک اور رؤیا بھی ہے جو اس کی تائید کرتا ہے۔

میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نور کے ستون کے طور پر زمین کے نیچے سے نکلا۔ یعنی پاتال سے آیا اور اوپر آسمانوں کو پھاڑ کر نکل گیا۔ اگرچہ مثال بُری ہے لیکن ہندوؤں میں یہ عقیدہ ہے کہ شِو جی زمین کے نیچے سے آیا اور آسمانوں سے گزرتا ہوا اوپر چلا گیا۔ یہ مثال اچھی نہیں مگر اس میں اسی قسم کا نظارہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاتال سے نکل کر افلاک سے بھی اوپر نکل گیا۔ میں نے بھی دیکھا کہ ایک نور کا ستون پاتال سے آیا اور افلاک کو چیرتا ہوا چلا گیا۔ میں کشف کی حالت میں سمجھتا ہوں کہ یہ خدا کا نور ہے۔ پھر اس نور میں سے ایک ہاتھ نکلا لیکن مجھے ایسا شبہ پڑتا ہے کہ اس کے رنگ میں ایسی مشابہت تھی کہ گویا وہ گوشت کا ہے۔ اس میں ایک پیالہ تھا جس میں دودھ تھا جو مجھے دیا گیا اور میں نے اسے پیا اور پیالے کو منہ سے ہٹاتے ہی پہلا فقرہ جو میرے منہ سے نکلا وہ یہ تھا کہ اب میری اُمت کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ معراج کی حدیثوں میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین پیالے پیش کئے گئے۔ پانی، شراب اور دودھ کا اور آپؐ نے دودھ کا پیالہ پیا تو جبرائیل نے کہا کہ آپ کی اُمت کبھی گمراہ نہ ہوگی۔ ہاں اگر آپؐ شراب کا پیالہ پیتے تو یہ اُمت کی گمراہی پر دلالت کرتا [۳]۔

پس ان رؤیاؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے دشمن باہر سے مایوس ہو کر ہم میں سے بعض کو ورغلانا چاہے لیکن بہرحال فتح اُن کی ہے جو میرے ساتھ ہیں۔ میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعات میری زندگی میں ہوں گے یا میرے بعد کیونکہ بعض اوقات زندگی کے

بعد کے واقعات بھی رؤیا میں دکھا دیئے جاتے ہیں۔اور بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے واقعات ہیں مگر میں جماعت کو ہوشیار کرتا ہوں کہ یہ قیمتی اصول ہیں جن پر انہیں مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مأموریت اور آپ کے اُمتی ہونے کو کبھی نہ بھولو۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سب سے بڑی لذّت اِس میں ملتی ہے کہ میں اُمتی نبی ہوں۔پس جس خوبصورتی پر آپ کو ناز تھا،اسے کبھی نہ چھوڑو۔پھر آپ کی تعلیم اورالہامات کو سامنے رکھو۔اس کے بعد خلافت ہے جس کے ساتھ جماعت کی ترقی وابستہ ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی کہ جس دن مسلمانوں نے اِس چادر کو پھاڑ دیا اُس کے بعد ان میں اتحاد نہیں ہوگا۔حضرت عبداللہ بن سلام نے جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے،حضرت عثمان کی شہادت کے وقت کہا کہ اب مسلمانوں میں قیامت تک اتحاد نہیں ہوسکتا[۴] پس خلافت بہت قیمتی چیز ہے۔بے شک خلیفہ کا وجود قیمتی ہوتا ہے مگر اس سے بہت زیادہ قیمتی چیز خلافت ہے۔جس طرح نبی کا وجود قیمتی ہوتا ہے مگر اس سے زیادہ قیمتی چیز نبوت ہوتی ہے۔پس یہ اصول ہیں اُن کو مضبوطی سے پکڑو۔پھر یہ خیال نہ کرو کہ تم تھوڑے ہو یا بہت کیونکہ ان اصولوں کے پیچھے خدا ہے اور جو تم پر ہاتھ ڈالے گا وہ گویا خدا پر ہاتھ ڈالنے والا ہو گا۔جس طرح بجلی کی تار پر غلط طریق پر ہاتھ ڈالنے والا ہلاک ہو جاتا ہے لیکن صحیح طور پر ہاتھ ڈالنے والا اس سے انجن چلاتا ہے اور بڑے بڑے فوائد حاصل کر لیتا ہے۔اسی طرح ان اصول کے اگر تم پابند رہو،اللہ تعالیٰ پر توکّل رکھو اور ہر قربانی کے لئے تیار رہو تو تم پر حملہ آور ہونیوالا ہلاکت سے نہیں بچ سکے گا۔'' (خطباتِ محمود جلد ۱۶ صفحہ ۱۱ تا ۱۹)

۱؎ بخاری کتاب الجهاد باب یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَاءِ الْاِمَامِ (الخ)

۲؎ اٰل عمران: ۵۶

۳؎ بخاری کتاب مناقب الانصار باب المواج

۴؎ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

ہر حال میں خلیفہ کی اطاعت فرض ہے

(فرمودہ ۸؍فروری ۱۹۳۵ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے گزشتہ خطبہ جمعہ میں ایک انصاری صحابی کا ذکر کیا تھا کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد بعض انصار کی تحریک تھی کہ انصار میں سے خلیفہ مقرر کیا جائے لیکن جب مہاجرین نے خصوصاً حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کو بتایا کہ اس قسم کا انتخاب کبھی بھی ملتِ اسلامیہ کے لئے مفید نہیں ہوسکتا اور یہ کہ مسلمان کبھی اس انتخاب پر راضی نہیں ہونگے تو پھر انصار اور مہاجر اس بات پر جمع ہوئے کہ وہ کسی مہاجر کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور آخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ذات پر ان سب کا اتفاق ہوا۔ میں نے بتایا تھا کہ اُس وقت جب سعد نے بیعت سے تخلف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اُقْتُلُوْا سَعْدًا یعنی سعد کو قتل کر دو۔ مگر نہ تو انہوں نے سعد کو قتل کیا اور نہ کسی اور صحابی نے بلکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام میں فوت ہوئے جس سے آئمہ سلف نے یہ استدلال کیا ہے کہ قتل کے معنی یہاں جسمانی قتل نہیں بلکہ قطع تعلق کے ہیں اور عربی زبان میں قتل کے کئی معنی ہوتے ہیں جیسا کہ میں پچھلے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اُردو میں بے شک قتل کے معنی جسمانی قتل کے ہی ہوتے ہیں لیکن عربی زبان میں جب قتل کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جن میں سے ایک معنی قطع تعلق کے ہیں اور لغت والوں نے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد قتل سے قتل نہیں بلکہ قطع تعلق تھا۔ ورنہ اگر قتل سے مراد ظاہری طور پر قتل کر دینا تھا تو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو بہت جوشیلے تھے اُنہیں خود کیوں نہ قتل کر دیا۔ یا صحابہ میں سے کسی نے کیوں انہیں قتل نہ کیا مگر جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف انہیں اُس وقت قتل نہ کیا بلکہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی قتل نہ کیا۔ اور بعض کے نزدیک تو وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے بعد بھی زندہ رہے اور کسی صحابی نے ان پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔تو بہرحال اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قتل سے مراد قطع تعلق ہی تھا ظاہری طور پر قتل کرنا نہیں تھا۔ اور گو وہ صحابی عام صحابہ سے الگ رہے لیکن کسی نے ان پر ہاتھ نہ اُٹھایا۔ پس میں نے مثال دی تھی کہ رؤیا میں بھی اگر کسی کے متعلق قتل ہونا دیکھا جائے تو اس کی تعبیر قطع تعلق اور بائیکاٹ بھی ہوسکتی ہے کیونکہ رؤیا بھی بسا اوقات الفاظ کے ظاہری معنی پر مبنی ہوتی ہے۔

مجھ سے ایک دوست نے بیان کیا ہے کہ انہی تین افراد میں سے جن کا میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں ذکر کیا تھا ایک نے خطبہ کے بعد کہا کہ سعد نے گو بیعت نہیں کی تھی لیکن مشوروں میں انہیں ضرور شامل کیا جاتا تھا۔اس کے دوہی معنی ہوسکتے ہیں یا تو میرے مفہوم کی تردید یا یہ کہ خلافت کی بیعت نہ کرنا کوئی اتنا بڑا جرم نہیں کیونکہ سعد نے گو بیعت نہیں کی تھی مگر مشوروں میں شامل ہوا کرتے تھے کسی شاعر نے کہا ہے۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

انسان کے عیب و ہنر اُس کے بات کرنے تک پوشیدہ ہوتے ہیں جب انسان بات کر دیتا ہے تو کئی دفعہ اپنے عیوب ظاہر کر دیتا ہے۔اس شخص کا بات کرنا بھی یہ معنی رکھتا ہے کہ یا تو وہ خلافت کی بیعت کی تخفیف کرنا چاہتا ہے یا اپنے علم کا اظہار کرنا چاہتا ہے لیکن یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔علم کے اظہار کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بات اتنی غلط ہے کہ ہر عقلمند اس کو سن کر سوائے مسکرا دینے کے اور کچھ نہیں کرسکتا۔

صحابہ کے حالات کے متعلق اسلامی تاریخ میں تین کتابیں بہت مشہور ہیں اور تمام تاریخ جو صحابہ سے متعلق ہے انہی کتابوں پر چکر کھاتی ہے۔ وہ کتابیں یہ ہیں تہذیب التہذیب، اصابہ اور اسدالغابہ۔ ان تینوں میں سے ہر ایک میں یہی لکھا ہے کہ سعد باقی صحابہ سے الگ ہو کر شام میں چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے[1] اور بعض لغت کی کتابوں نے بھی قتل کے لفظ پر

بحث کرتے ہوئے اِس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ صحابہ میں سے ساٹھ ستّر کے نام سعد ہیں۔ انہی میں سے ایک سعد بن ابی وقاص بھی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ کی طرف سے کمانڈر اِنچیف مقرر تھے اور تمام مشوروں میں شامل ہوا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کمیٔ علم سے سعد کا لفظ سن کر یہ نہ سمجھا کہ یہ سعد اور ہے اور وہ سعد اور۔ جَھٹ میرے خطبہ پر تبصرہ کر دیا۔ یہ میں نے سعد بن ابی وقاص کا ذکر نہ کیا تھا جو مہاجر تھے بلکہ میں نے جس کا ذکر کیا وہ انصاری تھے۔ ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے سعد ہیں بلکہ ساٹھ ستّر کے قریب سعد ہیں جس سعد کے متعلق میں نے ذکر کیا ان کا نام سعد بن عبادہ تھا۔

عرب کے لوگوں میں نام دراصل بہت کم ہوتے تھے۔ اور عام طور پر ایک ایک گاؤں میں ایک نام کے کئی کئی آدمی ہوا کرتے تھے جب کسی کا ذکر کرنا ہوتا تو اس کے باپ کے نام سے اس کا ذکر کرتے مثلاً صرف سعد یا سعید نہ کہتے بلکہ سعد بن عبادہ یا سعد بن ابی وقاص کہتے۔ پھر جہاں باپ کے نام سے شناخت نہ ہوسکتی وہاں اس کے مقام کا ذکر کرتے اور جہاں مقام کے ذکر سے بھی شناخت نہ ہوسکتی وہاں اس کے قبیلہ کا ذکر کرتے۔ چنانچہ ایک سعد کے متعلق تاریخوں میں بڑی بحث آئی ہے چونکہ نام ان کا دوسروں سے ملتا جلتا تھا اس لئے مؤرخین ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مثلاً ہماری مراد اَوسی سعد سے ہے یا مثلاً خزرجی سعد سے ہے۔ ان صاحب نے معلوم ہوتا ہے ناموں کے اختلاف کو نہیں سمجھا اور یونہی اعتراض کر دیا مگر ایسی باتیں انسانی علم کو بڑھانے والی نہیں ہوتیں بلکہ جہالت کا پردہ فاش کرنے والی ہوتی ہیں۔ خلافت ایک ایسی چیز ہے جس سے جُدائی کسی عزت کا مستحق انسان کو نہیں بنا سکتی۔ اسی مسجد میں میں نے حضرت خلیفہ اوّل سے سنا آپ فرماتے تم کو معلوم ہے پہلے خلیفہ کا دشمن کون تھا؟ پھر خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن پڑھو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کا دشمن ابلیس تھا اس کے بعد آپ نے فرمایا مَیں بھی خلیفہ ہوں اور جو میرا دشمن ہے وہ بھی ابلیس ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خلیفہ مأمور نہیں ہوتا گو یہ ضروری بھی نہیں کہ وہ مأمور نہ ہو۔ حضرت آدم مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ حضرت داؤد مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے اسی

طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام مأمور بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے پھر تمام انبیاء مأمور بھی ہوتے ہیں اور خدا کے قائم کردہ خلیفہ بھی۔ جس طرح ہر انسان ایک طور پر خلیفہ ہے اسی طرح انبیاء بھی خلیفہ ہوتے ہیں مگر ایک وہ خلفاء ہوتے ہیں جو کبھی مأمور نہیں ہوتے۔ گو اطاعت کے لحاظ سے ان میں اور انبیاء میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اطاعت جس طرح نبی کی ضروری ہوتی ہے ویسے ہی خلفاء کی ضروری ہوتی ہے ہاں ان دونوں اطاعتوں میں ایک امتیاز اور فرق ہوتا ہے اور وہ یہ کہ نبی کی اطاعت اور فرمانبرداری اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ وحی الٰہی اور پاکیزگی کا مرکز ہوتا ہے مگر خلیفہ کی اطاعت اس لئے نہیں کی جاتی کہ وہ وحی الٰہی اور تمام پاکیزگی کا مرکز ہے بلکہ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ تنفیذ وحی الٰہی اور تمام نظام کا مرکز ہے۔ اسی لئے واقف اور اہلِ علم لوگ کہا کرتے ہیں کہ انبیاء کو عصمتِ کُبریٰ حاصل ہوتی ہے اور خلفاء کو عصمتِ صغریٰ۔ اِسی مسجد میں اسی منبر پر جمعہ کے ہی دن حضرت خلیفہ اوّل سے میں نے سنا آپ فرماتے تھے کہ تم میرے کسی ذاتی فعل میں عیب نکال کر اِس اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتے جو خدا نے تم پر عائد کی ہے کیونکہ جس کام کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں وہ اور ہے اور وہ نظام کا اتحاد ہے اس لئے میری فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہے۔ تو انبیاء کے متعلق جہاں الٰہی سنت یہ ہے کہ سوائے بشری کمزوریوں کے جس میں توحید اور رسالت میں فرق ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ دخل نہیں دیتا اور اس لئے بھی کہ وہ اُمت کی تربیت کیلئے ضروری ہوتی ہیں (جیسے سجدہ سہو کہ وہ بھول کے نتیجہ میں ہوتا ہے مگر اس کی ایک غرض اُمت کو سہو کے احکام کی عملی تعلیم دینا تھی) ان کے تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں وہاں خلفاء کے متعلق خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ انکے وہ تمام اعمال خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہونگے جو نظامِ سلسلہ کی ترقی کے لئے اُن سے سرزد ہونگے اور کبھی بھی وہ کوئی ایسی غلطی نہیں کریں گے اور اگر کریں تو اس پر قائم نہیں رہیں گے جو جماعت میں خرابی پیدا کرنے والی اور اسلام کی فتح کو اس کی شکست سے بدل دینے والی ہو۔ وہ جو کام بھی نظام کی مضبوطی اور اسلام کے کمال کے لئے کریں گے خدا تعالیٰ کی حفاظت اس کے ساتھ ہوگی اور اگر وہ کبھی غلطی بھی کریں تو خدا اس کی اصلاح کا خود ذمہ دار ہوگا۔ گویا نظام کے متعلق خلفاء کے اعمال

کے ذمہ دار خلفاء نہیں بلکہ خدا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خلفاء خود قائم کیا کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یا تو ان ہی کی زبان سے یا عمل سے خدا تعالیٰ اس غلطی کی اصلاح کرا دے گا یا اگر ان کی زبان یا عمل سے غلطی کی اصلاح نہ کرائے تو اس غلطی کے بدنتائج کو بدل ڈالے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت چاہے کہ خلفاء کبھی کوئی ایسی بات کر بیٹھیں جس کے نتائج بظاہر مسلمانوں کیلئے مُضِرّ ہوں اور جسکی وجہ سے بظاہر جماعت کے متعلق خطرہ ہو کہ وہ بجائے ترقی کرنے کے تنزّل کی طرف جائے گی تو اللہ تعالیٰ نہایت مخفی سامانوں سے اس غلطی کے نتائج کو بدل دے گا اور جماعت بجائے تنزّل کے ترقی کی طرف قدم بڑھائے گی اور وہ مخفی حکمت بھی پوری ہو جائے گی جس کے لئے خلیفہ کے دل میں ذہول پیدا کیا گیا تھا۔ مگر انبیاء کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یعنی عصمتِ کبریٰ بھی اور عصمتِ صغریٰ بھی۔ وہ تنفیذ و نظام کا بھی مرکز ہوتے ہیں اور روحی و پاکیزگیٔ اعمال کا مرکز بھی ہوتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر خلیفہ کے متعلق ضروری ہے کہ وہ پاکیزگیٔ اعمال کا مرکز نہ ہو۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پاکیزگیٔ اعمال سے تعلق رکھنے والے بعض افعال میں وہ دوسرے اولیاء سے کم ہو۔

پس جہاں ایسے خلفاء ہو سکتے ہیں جو پاکیزگی اعمال کا مرکز ہوں اور نظامِ سلسلہ کا مرکز بھی، وہاں ایسے خلفاء بھی ہو سکتے ہیں جو پاکیزگی اور ولایت میں دوسروں سے کم ہوں لیکن نظامی قابلیتوں کے لحاظ سے دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوں۔ مگر ہر حال میں ہر شخص کے لئے ان کی اطاعت فرض ہو گی چونکہ نظام کا ایک حد تک جماعتی سیاست کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس لئے خلفاء کے متعلق غالب پہلو یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ نظامی پہلو کو برتر رکھنے والے ہوں۔ گو ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ دین کے استحکام اور اس کے صحیح مفہوم کے قیام کو بھی وہ مدنظر رکھیں اس لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں خلافت کا ذکر کیا وہاں بتایا ہے کہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ [2] خدا ان کے دین کو مضبوط کرے گا اور اسے دنیا پر غالب کریگا۔ پس جو دین خلفاء پیش کریں وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے مگر یہ حفاظتِ صغریٰ ہوتی ہے۔ جزئیات میں وہ غلطی کر سکتے ہیں اور خلفاء کا آپس میں اختلاف بھی

ہوسکتا ہے مگر وہ نہایت ادنیٰ چیزیں ہوتی ہیں ۔ جیسے بعض مسائل کے متعلق حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اختلاف رہا بلکہ آج تک بھی اُمتِ محمدیہ ان مسائل کے بارے میں ایک عقیدہ اختیار نہیں کرسکی مگر یہ اختلاف صرف جزئیات میں ہی ہوگا اصولی امور میں ان میں کبھی اختلاف نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس ان میں ایسا اتحاد ہوگا کہ وہ دنیا کے ہادی وراہنما اور اسے روشنی پہنچانے والے ہوں گے ۔

پس یہ کہہ دینا کہ کوئی شخص باوجود بیعت نہ کرنے کے اسی مقام پر رہ سکتا ہے جس مقام پر بیعت کرنے والا ہو۔ درحقیقت یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایسا شخص سمجھتا ہی نہیں کہ بیعت اور نظام کیا چیز ہے ۔مشورہ کے متعلق بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایک ایکسپرٹ اور ماہرِ فن خواہ وہ غیر مذہب کا ہو اس سے مشورہ لے لیا جاتا ہے ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مقدمہ میں ایک انگریز وکیل کیا مگر اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ آپ نے اُمورِ نبوت میں اُس سے مشورہ لیا ۔ جنگ احزاب ہوئی تو اُس وقت رسول کریم ﷺ نے سلمان فارسیؓ سے مشورہ لیا اور فرمایا کہ تمہارے ملک میں جنگ کے موقع پر کیا کیا جاتا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے ملک میں تو خندق کھود لی جاتی ہے ۔آپ نے فرمایا یہ بہت اچھی تجویز ہے چنانچہ خندق کھودی گئی [۳] اور اسی لئے اسے غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے ۔مگر باوجود اس کے ہم نہیں کہہ سکتے کہ سلمان فارسیؓ فنونِ جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ماہر تھے ۔انہیں فنونِ جنگ میں مہارت کا وہ مقام کہاں حاصل تھا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا ۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کئے وہ کب حضرت سلمانؓ نے کئے بلکہ خلفاء کے زمانہ میں بھی انہیں کسی فوج کا کمانڈر انچیف نہیں بنایا گیا حالانکہ انہوں نے لمبی عمر پائی ۔ تو ایک ایکسپرٹ خواہ وہ غیر مذہب کا ہو اس سے بھی مشورہ لیا جا سکتا ہے ۔ میں جب بیمار ہوتا ہوں تو انگریز ڈاکٹروں سے بعض دفعہ مشورہ لے لیتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خلافت میں مَیں نے ان سے مشورہ لیا ۔ یا یہ کہ میں انہیں اسی مقام پر سمجھتا ہوں جس مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کو سمجھتا ہوں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ میں نے طب میں مشورہ لیا ۔ پس فرض کرو سعد بن عبادہ سے کسی دُنیوی امر میں جس میں وہ ماہرِ فن ہوں مشورہ لینا ثابت ہو تب

بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مشوروں میں شامل ہوتے تھے مگر ان کے متعلق تو کوئی صحیح روایت ایسی نہیں جس میں ذکر آتا ہو کہ وہ مشوروں میں شامل ہوتے تھے بلکہ مجموعی طور پر روایات یہی بیان کرتی ہیں کہ وہ مدینہ چھوڑ کر شام کی طرف چلے گئے تھے اور صحابہ پر یہ اثر تھا کہ وہ اسلامی مرکز سے منقطع ہو چکے ہیں اِسی لئے ان کی وفات پر صحابہ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے کہا فرشتوں یا جنوں نے انہیں مار دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک ان کی موت کو بھی اچھے رنگ میں نہیں سمجھا گیا کیونکہ یوں تو ہر ایک کو فرشتہ ہی مارا کرتا ہے۔ ان کی وفات پر خاص طور پر کہنا کہ انہیں فرشتوں نے یا جنوں نے مار دیا بتاتا ہے کہ ان کے نزدیک وفات ایسے رنگ میں ہوئی کہ گویا خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے خاص فعل سے اُٹھا لیا کہ وہ شِقاق کا موجب نہ ہوں۔ یہ تمام روایات بتلاتی ہیں کہ ان کی وہ عزت صحابہ کے دلوں میں نہیں رہی تھی جو ان کے اس مقام کے لحاظ سے ہونی چاہئے تھی جو کبھی انہیں حاصل تھا اور یہ کہ صحابہ ان سے خوش نہیں تھے ورنہ وہ کیونکر کہہ سکتے تھے کہ فرشتوں یا جنوں نے انہیں مار دیا بلکہ ان الفاظ سے بھی زیادہ سخت الفاظ ان کی وفات پر کہے گئے ہیں جنہیں میں اپنے منہ سے کہنا نہیں چاہتا۔ پس یہ خیال کہ خلافت کی بیعت کے بغیر بھی انسان اسلامی نظام میں اپنے مقام کو قائم رکھ سکتا ہے واقعات اور اسلامی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور جو شخص اس قسم کے خیالات اپنے دل میں رکھتا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ بیعت کا مفہوم ذرّہ بھر بھی سمجھتا ہو۔

(خطبات محمود جلد ۱۶ صفحہ ۹۰ تا ۱۰۱)

---

۱ اسد الغابة جلد ۲ صفحہ ۲۸۴، ۲۸۵ مطبوعہ بیروت ۱۲۸۵ھ

۲ النور: ۵۶

۳ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

خلیفۂ وقت کی اطاعت

خطبہ جمعہ ۲۴؍ جنوری ۱۹۳۶ء میں قرآن کریم کے ذوالبطون ہونے کا ذکر کرنے کے بعد خلیفۂ وقت کی اطاعت کا مضمون سمجھاتے ہوئے فرمایا:۔

''ضرورت اِس بات کی ہے کہ جماعت محسوس کرے کہ خلیفۂ وقت جو کچھ کہتا ہے اُس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر تو وہ سمجھتی ہے کہ خلیفہ نے جو کچھ کہا وہ غلط کہا اور اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکل سکتا تو جو لوگ یہ سمجھتے ہوں ان کا فرض ہے کہ وہ خلیفہ کو سمجھائیں اور اُس سے ادب کے ساتھ تبادلۂ خیالات کریں لیکن اگر یہ نہیں کرسکتے تو پھر ان کا فرض ہے کہ وہ اُسی طرح کام کریں جس طرح ہاتھ دماغ کی متابعت میں کام کرتا ہے۔ ہاتھ کبھی دماغ کو سمجھاتا بھی ہے کہ ایسا نہ کرو۔ مثلاً دماغ کہتا ہے فلاں جگہ مُکّا مارو۔ ہاتھ مُکّا مارتا ہے تو آگے وہ زِرہ کی سختی محسوس کرتا ہے اور ہاتھ کو درد ہوتا ہے۔ اِس پر ہاتھ دماغ سے کہتا ہے کہ اس جگہ مُکّا نہ مروائیں یہاں تکلیف ہوتی ہے اور دماغ اس کی بات مان لیتا ہے۔ اِسی طرح جماعت میں سے ہر شخص کا حق ہے کہ اگر وہ خلیفۂ وقت سے کسی بات میں اختلاف رکھتا ہے تو وہ اُسے سمجھائے اور اگر اِس کے بعد بھی خلیفہ اپنے حکم یا اپنی تجویز کو واپس نہیں لیتا تو اس کا کام ہے کہ وہ فرمانبرداری کرے۔ اور یہ تو دینی معاملہ ہے دُنیوی معاملات میں بھی افسروں کی فرمانبرداری کے تاریخ میں ایسے ایسے واقعات آتے ہیں کہ انہیں پڑھ کر طبیعت سرور سے بھر جاتی ہے۔

بیلاکلاوا کی جنگ ایک نہایت مشہور جنگ ہے۔ اس میں انگریزوں کو روسی فوج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ایک دن جنگ کی حالت میں اطلاع ملی کہ روسی فوج کا ایک دستہ حملہ کیلئے آ رہا ہے اور اُس میں آٹھ نو سَو کے قریب آدمی ہیں۔ اِس اطلاع کے آنے پر انگریز کمانڈر نے ماتحت افسر کو حکم دیا کہ تم اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر مقابلے کیلئے جاؤ۔ اس افسر کو اطلاع

مل چکی تھی کہ روسی دستہ آنے کی اطلاع غلط ہے اصل میں روسی فوج آ رہی ہے جو ایک لاکھ کے قریب ہے۔ جب انگریز کمانڈر نے حکم دیا کہ ایک دستہ لے کر مقابلے کیلئے جاؤ تو اُس افسر نے کہا یہ خبر صحیح نہیں ایک لاکھ فوج آ رہی ہے اور اُس کا مقابلہ ایک دستہ نہیں کر سکتا۔ انگریز کمانڈر نے کہا مجھے صحیح اطلاع ملی ہے تمہارا کام یہ ہے کہ اطاعت کرو۔ وہ سات آٹھ سَو کا دستہ لے کر مقابلہ کیلئے چل پڑا لیکن جب قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ حقیقت میں ایک لاکھ کے قریب دشمن کی فوج ہے۔ بعض ماتحتوں نے کہا کہ اِس موقع پر جنگ کرنا درست نہیں ہمیں واپس چلے جانا چاہئے مگر اُس افسر نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھایا اور کہا ماتحت کا کام اطاعت کرنا ہے اعتراض کرنا نہیں۔ باقیوں نے بھی گھوڑے بڑھا دیئے اور سب ایک ایک کر کے اس جنگ میں مارے گئے۔ قوم آج تک اِس واقعہ پر فخر کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اس کی قوم کے لوگوں نے اطاعت کا کیسا اعلیٰ نمونہ دکھایا اور گو یہ انگریز قوم کا واقعہ ہے مگر کون ہے جو اِس واقعہ کو سن کر خوشی محسوس نہیں کرتا۔ ایک جرمن بھی جب اِس واقعہ کو پڑھتا ہے تو وہ فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی، ایک فرانسیسی بھی جب یہ واقعہ پڑھتا ہے تو فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی، ایک روسی بھی جب یہ واقعہ پڑھتا ہے تو فخر محسوس کرتا اور کہتا ہے کاش! یہ نمونہ ہماری قوم دکھاتی۔ پس اطاعت اور افسر کی فرمانبرداری ایسی اعلیٰ چیز ہے کہ دشمن بھی اِس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر بغیر مصائب میں پڑے اور تکلیفوں کو برداشت کرنے کے یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر ایک تُرک جرنیل نے روسیوں سے لڑائی کی۔ تُرک جرنیل کو مشورہ دیا گیا کہ اپنے ہتھیار ڈال دو کیونکہ دشمن بہت زیادہ طاقتور ہے لیکن وہ اِس پر تیار نہ ہوا۔ آخر وہ قلعہ میں بند ہو گیا روسیوں نے مہینوں اُس کا محاصرہ رکھا اور کوئی کھانے پینے کی چیز باہر سے اندر نہ جانے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب غذا کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو اُس نے سواری کے گھوڑے ذبح کر کے کھانے شروع کر دیئے مگر ہتھیار نہ ڈالے لیکن آخر وہ بھی ختم ہو گئے تو اُس نے بوٹوں کے چمڑے اور دوسری ایسی چیزیں اُبال اُبال کر سپاہیوں کو پلانی شروع کر دیں مگر ہتھیار نہ ڈالے۔ آخر سب سامان ختم ہو گئے اور روسی فوج نے قلعہ کی دیواروں کو بھی توڑ دیا تو

یہ بہادر سپاہی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ چونکہ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مفتوح فاتح کے سامنے اپنی تلوار پیش کرتا ہے اسی قاعدہ کے مطابق جب اُس ترکی جرنیل نے روسی کمانڈر کے سامنے اپنی تلوار پیش کی تو روسی کمانڈر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کہنے لگا مَیں ایسے بہادر جرنیل کی تلوار نہیں لے سکتا۔ تو اطاعت اور قربانی اور ایثار ایسی اعلیٰ چیزیں ہیں کہ دشمن کے دل میں بھی درد پیدا کر دیتی اور اُس کی آنکھوں کو نیچا کر دیتی ہیں۔

انگریزی قوم سے جہاں اچھے واقعات ہوئے ہیں وہاں اس سے ایک بُرا واقعہ بھی ہوا مگر اس کے اندر بھی یہ سبق ہے کہ قربانی اور ایثار نہایت اعلیٰ چیز ہے۔ جب نپولین کو انگریزوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور اُس کے اپنے ملک میں بغاوت ہوگئی تو اس نے کہا میں اپنے آپ کو اب خود انگریزوں کے سپرد کر دیتا ہوں۔ انگریزوں سے ہی اس کی لڑائی تھی چنانچہ وہ اُسے پکڑ کر انگلستان لے گئے۔ جب پارلیمنٹ کے سامنے معاملہ پیش ہوا تو اُس نے کہا نپولین سے تلوار کیوں نہیں لی گئی؟ یہ تلوار لینے کا وہی طریق تھا جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ مفتوح جرنیل سے فاتح جرنیل تلوار لے لیا کرتا تھا۔ جب پارلیمنٹ نے یہ سوال اُٹھایا تو ایک انگریز لارڈ کو اِس غرض کیلئے مقرر کیا گیا کہ وہ جا کر نپولین سے تلوار لے آئے۔ جب اُس کے سپرد یہ کام کیا گیا تو وہ پارلیمنٹ میں کھڑا ہوگیا اور اُس نے کہا ایسے بہادر دشمن سے جس نے اپنے آپ کو خود ہمارے حوالے کر دیا ہے تلوار لینا ہماری ذلّت ہے۔ مگر چونکہ اُس وقت انگریزوں میں بہت جوش تھا اور اُنہیں نپولین کے خلاف سخت غصہ تھا اِس لئے بہادری کے خیالات ان کے دلوں میں دبے ہوئے تھے انہوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا نپولین سے تلوار ضرور لی جائے گی۔ پھر انہوں نے اُس لارڈ کے ساتھ ایک ایسے شخص کو کر دیا جو ایسے اعلیٰ اخلاق کا مالک نہیں تھا جن اعلیٰ اخلاق کا وہ لارڈ مالک تھا اور کہا کہ نپولین سے ضرور تلوار لی جائے۔ جب وہ نپولین کے پاس پہنچے تو وہ لارڈ نہایت رقّت کے ساتھ نپولین سے کہنے لگا میری زبان نہیں چلتی اور مجھے شرم آتی ہے کہ میں آپ کو وہ پیغام پہنچاؤں مگر چونکہ مجھے حکم ہے اِس لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی تلوار ہمارے حوالے کر دیں۔ نپولین نے یہ سن کر کہا کیا انگریز قوم جس کو میں اتنا بہادر سمجھتا تھا اپنے مفتوح دشمن سے اتنی معمولی رعایت بھی نہیں کر سکتی! یہ سن کر اُس لارڈ کی چیخ نکل گئی اور

وہ پیچھے ہٹ گیا مگر اس کے نائب نے آگے بڑھ کر اُس کی تلوار لے لی۔ تو بہادری اور جرأت کے واقعات غیر کے دل پر بھی اثر کر جاتے ہیں۔

اگر ہمارے کارکن بھی وہ اطاعت، قربانی اور ایثار پیدا کریں جن کا حقیقی جرأت تقاضا کرتی ہے تو دیکھنے والوں کے دل پر جماعت احمدیہ کا بہت بڑا رُعب پڑے گا اور ہر شخص یہی سمجھے کہ یہ جماعت دنیا کو کھا جائے گی۔ اور اگر یہ نہ ہو بلکہ میں خطبے کہتا چلا جاؤں لوگ کچھ اَور ہی کرتے جائیں، مبلّغین کسی اور رستے پر چلتے رہیں، ناظر اپنے خیالوں اور اپنی تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کی فکر میں رہیں، اسی طرح کارکن، سیکرٹری، پریذیڈنٹ، اُستاد، ہیڈ ماسٹر سب اپنے اپنے راگ الاپتے رہیں اور بندھے ہوئے جانور کی طرح اپنے کیلے کے گرد بار بار پھرتے رہیں تو بتاؤ کیا اس طرح ترقی ہو سکتی ہے؟

خلافت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جس وقت خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نکلے اُس وقت سب سکیموں، سب تجویزوں اور سب تدبیروں کو پھینک کر رکھ دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اب وہی سکیم، وہی تجویز اور وہی تدبیر مفید ہے جس کا خلیفۂ وقت کی طرف سے حکم ملا ہے۔ جب تک یہ روح جماعت میں پیدا نہ ہو اُس وقت تک سب خطبات رائیگاں، تمام سکیمیں باطل اور تمام تدبیریں ناکام ہیں۔ میں آج تک جس قدر خطبات دے چکا ہوں اُنہیں نکال کر ناظر دیکھ لیں کہ آیا وہ ان پر عمل نہ کرنے کے لحاظ سے مجرم ہیں یا نہیں؟ اِسی طرح محلوں کے پریذیڈنٹ ان خطبات کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ آیا وہ مجرم ہیں یا نہیں؟ ۱۴ ماہ اِس تحریک کو ہو گئے مگر کیا ناظروں، محلّہ کے پریذیڈنٹوں اور دوسرے کارکنوں نے ذرا بھی اُس روح سے کام لیا جو میں ان کے اندر پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ تعاون کرتے تو پچھلے سال ہی اتنا عظیم الشان تغیر ہو جاتا کہ جماعت کی حالت بدل جاتی اور دشمن مرعوب ہو جاتا مگر چونکہ وہ اس رنگ میں رنگین نہیں ہوئے جس رنگ میں مَیں اُنہیں رنگین کرنا چاہتا تھا اس لئے عملی طور پر انہوں نے وہ نمونہ نہیں دکھایا جو انہیں دکھانا چاہئے تھا۔ ان کی مثال بدر کے ان گھوڑوں کی سی نہیں جن کے متعلق ایک کافر نے کہا تھا کہ ان گھوڑوں پر آدمی نہیں موتیں سوار ہیں[1]۔ بلکہ ان کی مثال حنین کے ان گھوڑوں کی سی ہے جنہیں سوار میدانِ جنگ کی طرف موڑتے مگر وہ مکہ کی طرف بھاگتے تھے[2]

پس میں بیکاری کو دور کرنے کی طرف پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں اور تمام کارکنوں کو خواہ وہ ناظر ہوں یا افسر، کلرک ہوں یا چپڑاسی، پریذیڈنٹ ہوں یا سیکرٹری توجہ دلاتا ہوں کہ اِس روح کو اپنے اندر پیدا کرو۔ کیا فائدہ اِس بات کا کہ تم نے چارسَو یا تین سَو یا دوسَو یا ایک سَو، یا ساٹھ یا پچاس روپیہ چندہ میں دے دیا، اگر تمہارے اندر وہ روح پیدا نہیں ہوئی جو ترقی کرنے والی قوموں کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ ہم اگر پچاس روپے کا بیج خریدتے ہیں جسے گھن لگا ہوا ہے تو وہ سب ضائع ہے لیکن اگر ہم ایک روپیہ کا بیج خریدتے ہیں اور وہ تازہ اور عمدہ ہے تو وہ پچاس روپوں کے بیج سے اچھا ہے۔ اسی طرح صرف روپیہ کوئی فائدہ نہیں دے سکتا جب تک وہ ایثار، وہ قربانی، وہ تعاون اور وہ محبت و اخوت کی روح پیدا نہیں ہوتی جو جماعت کو ''یکجان و دو قالب'' بنا دیتی ہے۔

اگر خلافت کے کوئی معنی ہیں تو پھر خلیفہ ہی ایک ایسا وجود ہے جو ساری جماعت میں ہونا چاہئے اور اُس کے منہ سے جو لفظ نکلے وہی ساری جماعت کے خیالات اور اَفکار پر حاوی ہونا چاہئے، وہی اوڑھنا، وہی بچھونا ہونا چاہئے، وہی تمہارا ناک، کان، آنکھ اور زبان ہونا چاہئے۔ ہاں تمہیں حق ہے کہ اگر کسی بات میں تم خلیفۂ وقت سے اختلاف رکھتے ہو تو اسے پیش کرو۔ پھر اگر خلیفہ تمہاری بات مان لے تو وہ اپنی تجویز واپس لے لے گا اور اگر نہ مانے تو پھر تمہارا فرض ہے کہ اُس کی کامل اطاعت کرو ویسی ہی اطاعت جیسے دماغ کی اطاعت اُنگلیاں کرتی ہیں۔ دماغ کہتا ہے فلاں چیز کو پکڑو اور اُنگلیاں جھٹ اُسے پکڑ لیتی ہیں۔ لیکن اگر دماغ کہے اور اُنگلیاں نہ پکڑیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ ہاتھ مفلوج اور اُنگلیاں رعشہ زدہ ہیں کیونکہ رعشہ کے مریض کی یہ حالت ہوا کرتی ہے کہ وہ چاہتا ہے ایک چیز کو پکڑے مگر اس کی اُنگلیاں اسے نہیں پکڑ سکتیں۔ پس خلیفہ ایک حکم دیتا ہے مگر لوگ اُس کی تعمیل نہیں کرتے تو اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ رعشہ زدہ وجود ہیں۔ لیکن کیا رعشہ والے وجود بھی دنیا میں کوئی کام کیا کرتے ہیں؟''

(خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۷۱ تا ۷۶)

۱؎ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲؎ سیرت ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۸۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کی تفسیر

۱۹ /جون ۱۹۳۶ء کوخطبہ جمعہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

''میں نے متواتر بتایا ہے کہ ہر چیز اپنے ماحول کے ساتھ ہی ترقی کرسکتی ہے بغیر اس کے نہیں ۔تم اچھے سے اچھا گیہوں کا بیج اگر جیٹھ یا ہاڑ میں بودو تو اس سے کھیتی پیدا نہیں ہوگی ، تم عمدہ سے عمدہ کپاس کا بیج اگر اگست اور ستمبر میں بودو تو اس بیج سے کپاس کی فصل نہیں ہوگی ، یا بہتر سے بہتر گنّا اگر تم اپریل یا مئی میں بودو تو اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا کیونکہ ہر چیز کیلئے خدا تعالیٰ نے کچھ قانون مقرر فرمائے ہیں اور ان کے ماتحت ہی نتیجہ نکلا کرتا ہے ۔ میں نے ہمیشہ بتایا ہے اور اب دو سال سے تو متواتر بتاتا چلا آرہا ہوں کہ خلافت کی غرض و غایت کچھ نہ کچھ ضرور ہونی چاہئے اور جب کوئی شخص خلیفہ کی بیعت کرتا ہے تو اس کی بیعت کے بھی کوئی معنے ہونے چاہئیں ۔ اگر تم بیعت کے بعد اور میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے بعد میری سنتے ہی نہیں اور اپنی ہی کہے چلے جاتے ہو تو ایسی بیعت کا فائدہ ہی کیا؟ اس صورت میں تو ایسی بیعت کو تہہ کر کے الگ پھینک دینا زیادہ فائدہ مند ہے بہ نسبت اس کے کہ انسان دنیا میں بھی ذلیل ہو اور خدا تعالیٰ کی نظر میں بھی لعنتی بنے ۔

میں نے متواتر آپ لوگوں کو بتایا ہے کہ ہر کام جو آپ لوگ کریں عقل کے ماتحت کریں اور ان ہدایات کے ماتحت کریں جو میں آپ لوگوں کو دیتا آرہا ہوں ۔آپ لوگ اس بات کو سمجھیں یا نہ سمجھیں ، اسی طرح دنیا اس بات کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر امرِ واقعہ یہ ہے کہ اِس وقت اسلام کی ترقی خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ وابستہ کر دی ہے جیسا کہ ہمیشہ وہ اپنے دین کی ترقی خلفاء کے ساتھ وابستہ کیا کرتا ہے ۔ پس جو میری سُنے گا وہ جیتے گا اور جو میری نہیں سُنے گا وہ

ہارے گا، جو میرے پیچھے چلے گا خدا تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اُس پر کھولے جائیں گے اور جو میرے راستہ سے الگ ہوجائے گا خدا تعالیٰ کی رحمت کے دروازے اُس پر بند کردیئے جائیں گے۔ ایسا انسان جس کی آنکھوں کے سامنے نمونہ نہ ہو وہ معذور ہوتا ہے مگر جس شخص کے سامنے نمونہ ہو اُس کا باوجود نمونہ سامنے ہونے کے صداقت پر مضبوطی سے قائم نہ رہنا بہت بڑا جرم ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے خلافت کی باگ میرے ہاتھ میں اُس وقت دی جب ہمارے خزانے میں صرف چند آنے کے پیسے تھے غالباً اٹھارہ آنے تھے جو اُس وقت خزانہ میں موجود تھے۔ پھر پندرہ بیس ہزار روپیہ قرض تھا اور جماعت کا اٹھانوے فیصدی حصہ دشمنوں کے ساتھ ملا ہوا تھا تب اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ اور میرے ہاتھوں سے تمام جماعت کو اکٹھا کیا، اس کی مالی پریشانیوں کو دور کیا اور جماعت آگے سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ چلنے لگی۔ پھر مسائل کی بحث شروع ہوئی اگر اہل پیغام اِس جنگ میں جیتتے تو کیا نتیجہ نکلتا۔ احمدیت بالکل مٹ جاتی اور روحانی دنیا پر ایک موت آجاتی مگر کیا اس جنگ کے ہر حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھے فتح نہیں دی؟ کیا لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ [1] کا نظارہ اس نے نہیں دکھایا؟ پھر تبلیغ دین اور اشاعتِ احمدیت کی جنگ میں اس نے میری پالیسی کو کامیاب نہیں کیا؟ سلسلہ کے نظام کے بارہ میں میری سکیم کو غیر معمولی برکت نہیں بخشی؟ حتّٰی کہ دشمن بھی اس پر رشک کرتے ہیں اور اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر نیم سیاسی امور میں ہماری شرکت کے سوال کو لو کیا اس میدان میں اس نے میری باتوں کو درست ثابت نہیں کیا؟ جب جنگ عظیم کے بعد ادھر خلافت کی شورش پیدا ہوئی ادھر کانگرس کی شورش نے ملک میں ایک آگ لگا دی تو یہ ایک بہت بڑا ابتلاء تھا اور ہندوستان کے عقلمند سے عقلمند انسان بھی اس شورش میں بہہ گئے تھے اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے جو راستہ مجھے بتایا وہی ٹھیک اور درست نکلا اور آخر لوگ پچھتا کر اسی جگہ پر واپس آ گئے جس جگہ میں لانا چاہتا تھا۔ پھر ملکانوں میں تبلیغ کا زمانہ آیا خلافت کے فساد کے بعد نئے رنگ میں خلافت کے مٹنے کا جوش پیدا ہوا، عرب میں اختلافات کا سلسلہ شروع ہوا، ان میں سے ہر معاملہ میں خدا تعالیٰ نے میری رائے کو صحیح ثابت کیا اور دوسروں

کی رائے غلط ثابت ہوئی۔ ایک وہ وقت تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ میں پیغامیوں کے اس کہنے پر کہ ایک بچہ کے ذریعہ جماعت کو تباہ کیا جا رہا ہے، مسجد میں بیٹھے ہوئے احمدی گریہ وبُکا کر رہے تھے اور رو رہے تھے کہ واقعہ میں جماعت کو ایک بچہ کے ذریعہ تباہ کیا جا رہا ہے مگر آج وہی بچہ ہے جس کے سامنے وہی لوگ اس کی بیعت میں داخل ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں کیا یہ سب کچھ نشان اور معجزہ نہیں؟

پس اگر خلافت کے کوئی معنی ہیں تو آپ لوگوں کو وہی طریق اختیار کرنا چاہئے جو میں بتاتا ہوں ورنہ بیعت چھوڑ دینا بیعت میں رہ کر اطاعت نہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ وہ طریق جو میں نے متواتر بتایا ہے یہ ہے کہ ہمارے سامنے نہایت ہی اہم معاملات ہیں۔ آج تک ہمارے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت پر ایک عدالت نے جو حملہ کیا تھا وہ بغیر بدلہ لئے قائم ہے۔ میں ہر اُس احمدی سے جو سمجھتا ہے کہ وہ غیرت مند ہے کہتا ہوں اگر اس کی غیرت کسی اور جگہ ظاہر ہوتی ہے تو وہ سخت بے غیرت ہے۔ اگر وہ واقعہ میں غیرت مند ہے تو کیوں اس کی غیرت اس جگہ ظاہر نہیں ہوتی جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ابھی تک نہ اس فیصلہ کی تردید ہندوستان میں پھیلائی گئی ہے نہ ہائی کورٹ کا فیصلہ ہی کثرت سے لوگوں میں پھیلایا گیا ہے اور نہ اس کے ازالہ کیلئے گورنمنٹ کو مجبور کیا گیا ہے۔ آجکل تو میں نے طریق ہی یہ اختیار کیا ہوا ہے کہ جب کوئی احمدی مجھے اِس قسم کا خط لکھتا ہے کہ فلاں احمدی نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا جس پر مجھے بڑا جوش آیا مگر میں نے پہلے آپ کو خبر دینا مناسب سمجھا تو میں اُسے لکھا کرتا ہوں میں یہ ماننے کیلئے ہرگز تیار نہیں کہ تم باغیرت ہو۔ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت کی حفاظت کیلئے غیرت نہیں دکھائی تو میں یہ کس طرح مان سکتا ہوں کہ تم میں اِس وقت غیرت پیدا ہو سکتی ہے جب تمہاری ذات پر کوئی حملہ کرے۔"

(خطبات محمود جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۶ تا ۳۹۸)

ل النور: ۵۶

سلسلہ احمدیہ میں نظامِ خلافت خدا تعالیٰ کا قائم کردہ ہے تیئیس سالہ واقعات کی شہادت

(فرمودہ ۲۶/مارچ ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج سے ۲۳ سال قبل اِس مقام پر اِسی مسجد میں ہمارے سامنے ایک ایسا سوال پیش ہوا تھا جو ہماری جماعت کیلئے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ تاریخ آج کی نہ تھی لیکن مہینہ یہی تھا جبکہ جماعت کے مختلف نمائندوں اور احباب کے سامنے یہ سوال اُٹھایا گیا تھا کہ آیا ہماری جماعت کا نظام اسلامی طریق کے مطابق خلافت کے ماتحت ہوگا یا مغربی طریق پر ایک انجمن کے ماتحت۔ میری عمر اُس وقت پچیس سال دو ماہ تھی۔ دُنیوی تجربہ کے لحاظ سے میں کوئی کام ایسا پیش نہیں کرسکتا تھا اور نہیں کرسکتا کہ جس کی بناء پر یہ کہا جاسکے کہ مجھے دنیا کے کاموں کا کوئی تجربہ حاصل تھا۔ سلسلہ کے تمام کام ایک ایسی جماعت کے سپرد تھے جو اُس وقت نظامِ خلافت کی شدید مخالف تھی اور اس کا دعویٰ تھا کہ نظامِ جماعت ایک انجمن کے ماتحت چاہئے جس کے پریذیڈنٹ کو کسی قدر اختیارات تو دے دیئے جائیں لیکن وہ کثرتِ رائے کا پابند ہو اور خلافت کا نظام چونکہ اس زمانہ کے طریق اور اس زمانہ کی رَو کے خلاف ہے اور اس نظام میں بہت سے نقائص ہیں اس لئے اسے اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت ایک پریشانی ،گھبراہٹ اور صدمہ کے ماتحت ہوئی تھی اور ضروری نہیں کہ جماعت پھر اسی غلطی کا اعادہ کرے۔ اس کے برخلاف میں اور بعض میرے احباب اس بات پر قائم تھے کہ خلافت شریعتِ اسلامیہ کا ایک اہم مسئلہ ہے اور یہ کہ بغیر خلافت کے صحیح طریق کے اختیار کرنے کے

جماعت اور سلسلہ کو کوئی ترقی حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہمارے متعلق کہا جاتا تھا کہ ہم لوگ صرف خلافت کے حصول کیلئے اس مسئلہ کو پیش کر رہے تھے اور اپنی حکومت اور طاقت کے بڑھانے کا ذریعہ اسے بنا رہے تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ اس تائید کو ایک غلط رنگ دیا جاتا ہے اور غلط پیرایہ میں اسے پیش کیا جاتا ہے تو میں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کو کسی ایسے امر سے نقصان نہیں پہنچنا چاہئے جس کا ازالہ ہمارے امکان میں ہو اور اس لئے میں نے مولوی محمد علی صاحب کو جو اُس وقت اِس تحریک کے لیڈر تھے اِس غرض سے بلوایا تا ان کے ساتھ کوئی مناسب گفتگو کی جاسکے۔ اِس مسجد کے دائیں جانب نواب محمد علی خان صاحب کا مکان ہے جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے وفات پائی تھی اس کے ایک کمرہ میں مَیں نے مولوی محمد علی صاحب کو بلوا کر کہا کہ خلافت کے متعلق کوئی جھگڑا پیش نہ کریں اور اپنے خیالات کو صرف اِس حد تک محدود رکھیں کہ ایسا خلیفہ منتخب ہو جس کے ہاتھ میں جماعت کے مفاد محفوظ ہوں اور جو اسلام کی ترقی کی کوشش کر سکے۔ چونکہ صلح ایسے ہی امور میں ممکن ہوتی ہے جن میں قربانی ممکن ہو۔ میں نے مولوی صاحب سے کہا جہاں تک ذاتیات کا سوال ہے میں اپنے جذبات کو آپ کی خاطر قربان کرسکتا ہوں لیکن اگر اصول کا سوال آیا تو مجبوری ہوگی کیونکہ اصول کا ترک کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان یہی فرق ہے کہ ہم خلافت کو ایک مذہبی مسئلہ سمجھتے ہیں اور خلافت کے وجود کو ضروری قرار دیتے ہیں مگر آپ خلافت کے وجود کو ناجائز قرار نہیں دے سکتے کیونکہ ابھی ابھی ایک خلیفہ کی بیعت سے آپ کو آزادی ملی ہے اور چھ سال تک آپ نے بیعت کئے رکھی ہے اور جو چیز چھ سال تک جائز تھی وہ آئندہ بھی حرام نہیں ہوسکتی۔ آپ کی اور ہماری پوزیشن میں یہ ایک فرق ہے کہ آپ اگر اپنی بات کو چھوڑ دیں تو آپ کو وہی چیز اختیار کرنی پڑے گی جسے آپ نے آج تک اختیار کئے رکھا۔ لیکن ہم اگر اپنی بات چھوڑیں تو وہ چیز چھوڑنی پڑتی ہے جسے چھوڑنا ہمارے عقیدہ اور مذہب کے خلاف ہے اور جس کے خلاف ہم نے کبھی عمل نہیں کیا۔ پس انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ آپ وہ راہ اختیار کرلیں جو آپ نے آج تک اختیار کر رکھی تھی اور ہمیں ہمارے مذہب اور اصول کے خلاف مجبور نہ کریں۔ باقی رہا یہ سوال کہ جماعت کی ترقی اور اسلام کے قیام کیلئے کون مفید

ہوسکتا ہے،سو جس شخص پر آپ متفق ہوں گے اُسے ہی ہم خلیفہ مان لیں گے۔
کسی غیر جانبدار شخص کے سامنے اگر یہ باتیں پیش کر دی جائیں تو وہ تسلیم کرے گا کہ میرا نقطۂ نگاہ صحیح تھا مگر مولوی صاحب یہی کہتے رہے کہ ہم کسی واجب الاطاعت خلیفہ کو ماننا ناجائز سمجھتے ہیں اور جب میں نے کہا کہ آپ لوگ حضرت خلیفہ اوّل کو چھ سال تک مانتے آئے ہیں تو کہا کہ ایک بزرگ سمجھ کر ہم نے ان کی بیعت کر لی تھی۔اس پر میں نے کہا کہ اب بھی کسی بزرگ کو خلیفہ مان لیں میں تیار ہوں کہ اُس کی بیعت کرلوں۔مگر وہ کسی بات پر رضامند نہ ہوئے اور جب بحث لمبی ہوگئی تو طبائع میں سخت اشتعال پیدا ہوگیا کہ جماعت کسی فیصلہ پر کیوں نہیں پہنچتی۔لوگوں نے کمرہ کا احاطہ کرلیا اور بعض نے دروازے کھٹکھٹانے شروع کر دیئے اور اس میں اِتنی شدت پیدا ہوئی کہ بعض شیشے ٹوٹ گئے۔جماعت کے افراد کہہ رہے تھے کہ باہر آ کر فیصلہ کریں یا ہم خود فیصلہ کرلیں گے۔اُس وقت میں نے پھر مولوی صاحب سے کہا کہ دیکھئے! یہ بہت نازک وقت ہے اور شدید تفرقہ کا خطرہ ہے میں آپ سے اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہوں جو آپ آج تک خود کرتے آئے ہیں اور آپ اس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک جائز ہی نہیں۔آپ کے خدشات کا میں نے ازالہ کر دیا ہے اس لئے آپ کے سامنے اب یہ سوال ہونا چاہئے کہ خلیفہ کون ہو؟ یہ نہیں کہ خلیفہ ہونا نہیں چاہئے۔لیکن اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کیوں اِس قدر زور دے رہے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ لوگ کسے خلیفہ منتخب کریں گے۔میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں کہ کسے منتخب کریں گے لیکن میں خود اُس کی بیعت کرلوں گا جسے آپ چنیں گے۔اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ لوگ ہم میں سے کسی کو منتخب کریں گے تو جب میں آپ کے تجویز کردہ کی بیعت کرلوں گا تو پھر چونکہ خلافت کے مؤیّد میری بات مانتے ہیں مخالفت کا خدشہ ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔لیکن انہوں نے پھر یہی کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کیوں زور دے رہے ہیں۔میں نے اُن سے کہا کہ میں اپنا دل چیر کر آپ کو کس طرح دکھاؤں۔میں تو جو قربانی میرے امکان میں ہے کرنے کیلئے تیار ہوں لیکن پھر بھی اگر آپ نہیں مانتے تو اختلاف کی ذمہ واری آپ پر ہوگی نہ کہ مجھ پر۔یہ کہہ کر ہم وہاں سے اُٹھے اور اُسی مسجد نور میں آ گئے جہاں لوگ جمع تھے۔

بعض لوگوں کی رائے تھی کہ مولوی محمد احسن صاحب امروہوی کا نام تجویز کریں اور اس کیلئے وہ تیار تھے۔ مگر ابھی وہ لوگ اُٹھ ہی رہے تھے کہ مولوی محمد احسن صاحب نے خود کھڑے ہو کر میرا نام تجویز کر دیا۔ اُس وقت جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا کیونکہ بہت گھبراہٹ اور شور تھا اور سارا مجمع مجھے نظر بھی نہ آتا تھا مولوی محمد علی صاحب نے کچھ کہنا چاہا مگر لوگوں نے اُن کو روک دیا۔ میں نے بعد میں سنا کہ انہوں نے یہی کہنے کی کوشش کی تھی کہ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی خلیفہ ہو مگر ان لوگوں نے جو اُن کے قریب بیٹھے تھے اُن سے کہہ دیا کہ ہم آپ کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر مولوی صاحب مجمع سے اُٹھ کر اپنی کوٹھی میں جہاں اب جامعہ احمدیہ ہے چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد تمام جماعت کا رُجحان میری طرف ہو گیا۔ حالانکہ جیسا مجھے بعض دوستوں نے بعد میں بتایا اُس وقت تک وہ اس کیلئے تیار تھے کہ مولوی صاحب کی بیعت کرلیں۔ خدا کی قدرت ہے مجھے بیعت کے الفاظ بھی یاد نہ تھے اور جب لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں تو چونکہ میں چاہتا تھا کہ ابھی ٹھہر جائیں شاید صلح کی کوئی صورت نکل آئے۔ میں نے کہا کہ مجھے تو بیعت کے الفاظ بھی یاد نہیں ہیں لیکن مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بھی وہاں موجود تھے وہ اُٹھ کر میرے قریب آ گئے اور کہا کہ مجھے بیعت کے الفاظ یاد ہیں میں کہتا جاتا ہوں آپ دُہراتے جائیں۔ میں نے اِس پر بھی کچھ ہچکچاہٹ ظاہر کی لیکن لوگوں نے شور مچا دیا کہ فوراً بیعت لی جائے۔ چونکہ میرا عقیدہ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے، میں نے سمجھ لیا کہ اب یہ خدائی فیصلہ ہے اور میں نے بیعت لینی شروع کر دی اور اُس وقت بیعت لی جبکہ جماعت پراگندگی کی حالت میں تھی، جبکہ تمام لیڈر مخالف تھے اور جب کہ وہ دھمکیاں دے رہے تھے کہ اگر یہ طریق اختیار کیا گیا تو ہم اُسے کچلنے کیلئے تمام ذرائع اختیار کریں گے۔

ماسٹر عبدالحق صاحب مرحوم جنہوں نے قرآن کریم کے پہلے پارہ کا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا وہ پہلے ان لوگوں کے ساتھ تھے مگر بعد میں بیعت میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ یہاں سے جا کر مولوی صدر دین صاحب نے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس پر چالیس مومن اتفاق کریں وہ بیعت لے سکتا

ہے۔ (حالانکہ اس سے مراد جماعت میں شامل کرنے کی بیعت ہے اطاعت کی نہیں) ہم یہ کیوں نہ کریں کہ چالیس لوگوں کو جمع کر کے سید عابد علی شاہ صاحب کو خلیفہ بنا دیں تا لوگوں کی توجہ اِدھر سے ہٹ جائے۔ عابد علی شاہ صاحب کو الہام الٰہی کا دعویٰ تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں کوئی عُہدہ ملنے والا ہے چنانچہ انہوں نے عابد علی شاہ صاحب کو منوا بھی لیا لیکن لالٹین لے کر وہ ساری رات دربدر پھرتے رہے مگر انہیں چالیس آدمی بھی میسر نہ آئے۔ حالانکہ آبادی بہت کافی تھی اور ہزاروں اشخاص باہر سے بھی آئے ہوئے تھے۔ خدا کی قدرت ہے اگر ان کو چالیس آدمی مل جاتے تو ممکن ہے اُسی وقت خلافت کا ڈھونگ رچاتے۔ لیکن اتنے آدمی بھی نہ ملے اور ادھر عابد علی شاہ صاحب کو دوسرے دن رؤیا ہوا اور انہوں نے آکر میری بیعت کر لی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ یہ ان کی کوئی خیالی بات تھی یا اللہ تعالیٰ کا انہیں ہدایت دینے کا منشاء تھا۔ انہوں نے دوسرے روز آکر بیعت کر لی۔ لیکن پہلے چونکہ انہوں نے خلیفہ بننے کیلئے رضامندی کا اظہار کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی انہیں بڑی سخت سزا دی۔ بیعت کے کچھ عرصہ بعد وہ کہنے لگے کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ منتخب کیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کا خدا بھی عجیب ہے کبھی تو آپ کو خلیفہ مقرر کرتا ہے اور کبھی بیعت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مگر وہ آہستہ آہستہ اس دعویٰ میں بڑھتے گئے اور آخر جماعت سے الگ ہو کر بیعت لینے لگ گئے۔ چند سالوں کے بعد جب طاعون پھیلی تو انہوں نے کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ میرا گھر طاعون سے محفوظ رہے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی الہام تھا مگر دیکھو دونوں میں کتنا فرق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام کے شائع ہونے کے بعد پانچ سات سال تک قادیان میں طاعون پھیلتی رہی بلکہ اس محلّہ میں جس میں آپ کا گھر تھا پھیلتی رہی اور ان گھروں میں پھیلتی رہی جو آپ کے مکان کے دائیں بائیں واقع تھے اور پھر معمولی حالت میں نہیں بلکہ ایسی شدید تھی کہ تین تین، چار چار اموات ان گھروں میں ہوئیں مگر آپ کے مکان میں ایک چُوہا تک نہ مرا۔ لیکن سید عابد علی صاحب کے الہام کے بعد نہ صرف یہ کہ ان کے گھر میں آنے والے بعض لوگ طاعون سے ہلاک ہوئے بلکہ وہ خود بھی اور اُن کی بیوی بھی اسی سال طاعون سے فوت ہو گئے۔ بیشک وہ

ظاہری نماز روزہ کے پابند اور صوفی منش آدمی تھے مگر بعض لوگوں کے اندر ایک مخفی رنگ کا کبر ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو شیطان نیکی کی راہیں دکھا کر ہی قابو کرتا ہے اور بعد میں خدا تعالیٰ کا سلوک یہ فیصلہ کر دیتا ہے کہ الہام شیطانی تھا یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اِن کا تو یہ حال ہوا۔

ادھر وہ لوگ جو اپنے آپ کو جماعت کا لیڈر اور رئیس سمجھتے تھے اور جن میں سے ایک نے اس سکول کی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم جاتے ہیں لیکن دس سال نہیں گزریں گے کہ اس پر آریوں اور عیسائیوں کا قبضہ ہوگا مگر آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ دس سال گزرے پھر دس سال گزرے اور پھر تیسرے دس سالوں میں سے بھی تین سال گزر گئے۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل سے اِس عمارت پر کسی عیسائی یا آریہ کا قبضہ نہیں بلکہ عیسائیوں اور آریوں کا مقابلہ کرنے والے احمدیوں کا ہی قبضہ ہے۔ اور جن احمدیوں کا قبضہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے روز بروز بڑھتے اور طاقتور ہوتے جا رہے ہیں اور وہ شخص جس نے اِسی مسجد میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنا چاہا تھا کہ کوئی خلیفہ نہیں ہونا چاہئے اس سال ان کے اخبار میں اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہم اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے جب تک کوئی واجب الاطاعت خلیفہ مقرر نہ کریں اور ہمیں چاہئے کہ ہم مولوی محمد علی صاحب کو ایسا مان لیں۔ جس شخص کو میرے مقابلہ پر کھڑا کرنا چاہتے تھے وہ طاعون کا مارا ہوا اپنے گاؤں میں پڑا ہے اور جو لوگ میرے مقابل پر یہ کہہ رہے تھے کہ خلافت کی ضرورت ہی نہیں وہ آج ناکام ہو کر اس مسئلہ کی طرف آ رہے ہیں اور ۲۳ سال بعد پھر اسی نکتہ کی طرف لَوٹتے ہیں۔ یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ صدر انجمن کا پریذیڈنٹ بھی ایسا ہونا چاہئے جو کم سے کم چالیس سال کی عمر کا ہو کیونکہ اس سے کم عمر میں عقل اور تجربہ پختہ نہیں ہوسکتا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ۲۵ سال عمر والے کو تو یہ نکتہ اسی وقت معلوم ہو گیا اور چالیس سال والے کو آج جبکہ وہ پینسٹھ سال کو پہنچ چکا ہے معلوم ہوا۔ مگر کیا وہ سمجھتے ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے خلیفے بھی خلیفے ہوتے ہیں۔ ہمارا اور ان کا ایک اختلاف یہ بھی تھا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور اب شاید اللہ تعالیٰ انہیں یہ دکھانا چاہتا ہے کہ خلیفے وہی بناتا ہے۔ انسانوں کے بنانے سے کوئی

واجب الاطاعت خلیفہ نہیں بن سکتا۔

دیکھو جماعت کتنے خطرات میں سے گزر رہی ہے اور غور کرو ان کو دبانا کس انسان کی طاقت میں تھا۔ کم سے کم وہ انسان تو نہیں دبا سکتا تھا جس کے متعلق دوست دشمن سب کی یہی رائے تھی کہ یہ ناتجربہ کار نوجوان ہے۔ پھر سوچو کہ اس قدر شدید خطرات کے باوجود کون جماعت کو ترقی پر لے گیا؟ کیا وہی خدا نہیں جس نے کہا ہوا ہے کہ خلیفے ہم بناتے ہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ کام ایسے ہی لوگوں سے لیتا ہے جنہیں دنیا نالائق سمجھتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کام کرنے والا کون ہوسکتا ہے نہ آپ سے پہلے کوئی ایسا تھا نہ اب تک ہوا ہے اور نہ آئندہ ایسا ہوگا۔ مگر دنیا نے آپ کی جو قیمت سمجھی تھی وہ پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ بتا دی تھی یعنی وہ پتھر جسے معماروں نے ردّ کر دیا۔ بائبل میں یہ بتا دیا گیا تھا کہ جو لوگ اپنے آپ کو کارخانۂ عالم کے انجینئر سمجھتے ہیں اور دنیا کی عام اصلاح کے مدعی ہیں جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوہر اُن کے سامنے پیش کیا جائے گا تو وہ یہی کہیں گے کہ یہ ہمارے مطلب کا نہیں، مگر دنیا کے قیام اور زینت کا موجب وہی بنا۔ پھر اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کام لیا۔ آج دشمن کہتے ہیں کہ آپ پاگل تھے مگر خدا کی شان دیکھو کہ اُس نے آپ سے کتنا کام لیا۔ سب نبیوں کو اُن کے مخالف پاگل کہتے آئے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ بہت اچھا پاگل ہی سہی مگر ہمیں تو اُس شخص کی ضرورت ہے جو ہمیں خدا سے ملا دے اور اسلام کو دنیا میں قائم کر دے۔ اگر پاگل سے یہ امور سرزد ہوں تو ہم نے فلسفیوں کو کیا کرنا ہے؟ بلکہ میں کہوں گا کہ لاکھوں فلسفیوں کو اُس کی جوتی کی نوک پر قربان کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کے ابتدائی زمانہ میں لوگ کہتے تھے کہ مرزا صاحب تو نَعَوْذُ بِاللّٰہِ جاہل ہیں۔ سارا کام تو ''نورالدین'' کرتا ہے۔ زمانہ گزرتا گیا گزرتا گیا اور گزرتا گیا۔ پھر کہا گیا کہ نہیں ہماری غلطی تھی نورالدین صرف مضامین بتاتا ہے لکھنا اور بولنا نہیں جانتا۔ مرزا صاحب کی تحریر اور تقریر میں بجلیاں ہیں جس دن آپ فوت ہوئے یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے نورالدین کو خلیفہ مقرر کیا جن

کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ لکھنا اور بولنا نہیں جانتے۔ اُس وقت تو لوگوں نے بیعت کر لی مگر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ بعض نے کہا یہ ستّرا بہتّرا ہے، لائی لگ ہے، کمزور طبیعت ہے اور اگر اس مسئلہ کا فیصلہ اس کے زمانہ میں نہ کرایا گیا تو پھر نہ ہو سکے گا کیونکہ یہ تو ڈر جاتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل نے مسجد مبارک کے اوپر ان کو بلایا۔ مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب کے علاوہ جماعت کے دوسرے دوست بھی بکثرت تھے۔ آپ نے فرمایا کہا جاتا ہے کہ تمہارا کام صرف نمازیں پڑھانا، درس دینا اور نکاح پڑھانا ہے مگر میں نے کسی کو نہیں کہا تھا کہ میری بیعت کرو تم خود اس کی ضرورت سمجھ کر میرے پاس آئے۔ مجھے خلافت کی ضرورت نہ تھی لیکن جب دیکھا کہ میرا خدا مجھے بُلا رہا ہے تو میں نے انکار مناسب نہ سمجھا۔ اب تم کہتے ہو کہ میری اطاعت تمہیں منظور نہیں۔ لیکن یاد رکھو اب میں خدا کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں اب تمہاری یہ باتیں مجھ پر کوئی اثر نہیں کر سکتیں۔ یاد رکھو خلفاء کے دشمن کا نام قرآن کریم نے ابلیس رکھا ہے۔ اگر تم میرے مقابل پر آؤ گے تو ابلیس بن جاؤ گے آگے تمہاری مرضی ہے چاہے ابلیس بنو اور چاہے مومن۔ اس پر میری آنکھوں نے ان لوگوں کے چہرے زرد دیکھے ہیں۔ جماعت میں اس قدر جوش تھا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اگر حضرت خلیفہ اوّل نہ ہوتے تو لوگ شاید اُن کو جان سے مار ڈالتے۔ پھر میری آنکھوں نے وہ نظارہ بھی دیکھا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے حکم سے مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب آگے بڑھے اور دوبارہ بیعت کی۔ گویا جسے وہ کہتے تھے کہ کمزور دل ہے خدا تعالیٰ نے طاقتوروں کو اُس کے مقابل پر کھڑا کیا، پھر اُس کمزور دل سے اُن کو شکست دلوائی اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی اور حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ میں بھی وہ خود ہی کام کرنے والا تھا۔

پھر ان لوگوں نے کہا کہ بڈھا تجربہ کار اور خرانٹ تھا۔ تھا تو نرم دل مگر تجربہ کار اور عالم تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کو چُنا جو پرائمری میں بھی فیل ہوتا رہا تھا۔ جس نے کبھی کسی دینی مدرسہ میں بھی پڑھائی نہ کی تھی۔ صحت کمزور تھی اور عمر صرف ۲۵ سال تھی۔ جسے کبھی

کوئی بڑا کام کرنے کا موقع نہ ملا تھا اور کوئی تجربہ کار نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم کہتے تھے نورالدین بڈھا، تجربہ کار اور علم والا تھا آؤ ہم اب اس سے کام لے کر دکھاتے ہیں جو نہ عمر رسیدہ ہے اور نہ عالم۔ میرے خلاف تو سب سے بڑا اعتراض ہی یہ تھا کہ بچہ ہے، نا تجربہ کار ہے۔ پھر اس بچہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جس طرح شکستیں دی ہیں اور جس طرح ہر میدان میں ذلیل کیا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ اور جس رنگ میں اللہ تعالیٰ نے اہم اسلامی مسائل کا فیصلہ میرے ذریعہ سے کرایا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ وہ کونسا مسئلہ ہے جو پوشیدہ تھا اور خدا نے میرے ذریعہ سے اسے صاف نہیں کرایا۔ کئی معارف چھپے ہوئے موتیوں کی طرح پوشیدہ پڑے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ نکلوایا ہے۔ ایک طرف جماعت کی ترقی اور دوسری طرف اسلام کی ترقی کا کام اللہ تعالیٰ نے اس بچہ سے لیا اور اُن مطالب کا اظہار کیا جن سے دنیا فائدہ اُٹھا رہی ہے اور اُٹھاتی رہے گی۔ مخالفوں نے کہا دراصل پیچھے اور لوگ کام کر رہے ہیں اور بعض نے کہا کہ مولوی محمد احسن کا جماعت میں رسوخ تھا ان کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ سب کارخانہ چل رہا ہے۔ اس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب کو ایسا ابتلا آیا کہ وہ لاہور چلے گئے اور جا کر اعلان کیا کہ میں نے ہی اسے خلیفہ بنایا تھا اور میں ہی اسے معزول کرتا ہوں۔ مگر خدا تعالیٰ نے کہا کہ تم کون ہو خلیفہ بنانے والے؟ اور چونکہ تم نے ایسا دعویٰ کیا ہے اس لئے ہم تمہیں قوتِ عمل سے ہی محروم کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن پر فالج گرا پھر وہ قادیان آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اور رو رو کر کہا کہ میرے بیوی بچوں نے مجھے گمراہ کیا ورنہ دل سے تو میں آپ پر ایمان رکھتا ہوں۔ سید حامد شاہ صاحب پُرانے آدمیوں میں سے تھے اور بہت کام کرنے والے، خدا تعالیٰ کی حکمت ہے وہ جلد فوت ہو گئے اُن کو بھی پہلے ابتلا آیا تھا مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہدایت دے دی اور وہ بیعت میں شامل ہو گئے۔ ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں جو ابتلا میں ہیں اور بجائے سلسلہ کی ترقی کا موجب ہونے کے وہ نِفاق کی بیماری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ تا خدا تعالیٰ کا جلال دنیا پر ظاہر ہو اور وہ بتا دے کہ وہ خود کام کر رہا ہے۔

میں نے پہلے بھی کئی بار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں اور یہ ایک سچائی ہے جس کا اظہار

کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان یا قلم سے قرآن کریم کے جو معارف بیان کرائے ہیں یا جو اور کوئی کام مجھ سے لیا ہے مجھ سے زیادہ جھوٹا اور کوئی نہ ہوگا اگر میں کہوں کہ یہ میرا کام ہے۔ میں جب بھی بولنے کیلئے کھڑا ہوا ہوں یا قلم پکڑا ہے میرا دماغ بالکل خالی ہوتا ہے۔ شاید سَو میں سے ایک آدھ دفعہ ہی ہو جب کوئی مضمون میرا سوچا ہوا ہوتا ہے ورنہ میرا ذہن بالکل خالی ہوتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ سب کچھ اُسی کا ہے جس کا یہ سلسلہ ہے۔ اگر میں اس پر اِتراؤں تو یہ جھوٹی بات ہوگی ہاں جو غلطی ہو وہ بے شک مجھ سے ہے۔ بھلا ایک انسان جو ظاہری علوم سے بالکل ناواقف اور بے بہرہ ہو وہ ان باتوں کو کیسے نکال سکتا ہے۔ جو شاید آئندہ صدیوں تک اسلام کی ترقی کیلئے بطور دلیل کام دیں گی جیسے تعزیراتِ ہند ہندوستان کے لئے کام دیتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ غیر احمدی بھی اُن دلائل کو استعمال کر رہے ہیں جو میں نے پیش کئے ہیں۔ تمدن کے متعلق اسلامی تعلیم یعنی ترکِ سُود، زکوٰۃ اور وراثت کا قیام یہ تین نکات والی سہ پہلو عمارت کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ پچھلی صدیوں میں کسی نے تیار کی ہو۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی توفیق دی ہے اور میں نے اِن مسائل کو بیان کیا۔ پھر اور سینکڑوں مسائل ہیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے سکھائے۔

پس یہ سلسلہ خدا کا ہے آدمیوں کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اسے بڑھائے گا۔ انسانوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ صرف ایک بات ہے جسے تمہیں یاد رکھنا چاہئے۔ جب تک تمہارے اندر اطاعت اور فرمانبرداری رہے گی وہ نور تم کو ملتا رہے گا۔ لیکن جب اطاعت سے منہ موڑو گے اللہ تعالیٰ کہے گا کہ جاؤ اب تو جوان ہوگئے ہو، اپنی جائداد سنبھالو۔ تب تم محسوس کرو گے کہ تم سے زیادہ کمزور اور کوئی نہیں۔

حضرت علیؓ کے بعد بھی مسلمانوں نے فتوحات حاصل کیں۔ ملک فتح کئے، علمی تمدن اور سیاسی غلبے پائے۔ مگر جو برکت، جو رُعب، جو دبدبہ اور جو شوکت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ کے زمانہ میں تھی وہ تیرہ سَو سال میں پھر حاصل نہیں ہوئی۔ اُس وقت تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیا کے سر پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہیں

اور کہہ رہے ہیں کہ کوئی ہے جو ہمارے مقابل پر آئے۔ گویا خدا تعالیٰ کے فرشتے اُن کے گرد کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ حضرت علیؓ کے وقت میں بعض بدبختوں نے اختلاف کیا جس سے ایسا تفرقہ پیدا ہوا کہ جو تیرہ سَو سال میں بھی نہیں مٹا۔ اب دوبارہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اتحاد کی بنیاد رکھی ہے اور آپ سے خدا تعالیٰ نے دوبارہ وعدہ کیا ہے کہ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ[1] اور یہ رعب چلتا جائے گا۔ جب تک تم اس فیصلہ کا احترام کرو گے جو ۱۴؍ مارچ ۱۹۱۴ء کو اس مسجد میں تم نے کیا تھا۔ لیکن جب اس میں تزلزل آیا اللہ تعالیٰ بھی اپنی نصرت کو کھینچ لے گا جو اُس نے اس مسجد میں تمہارے فیصلہ کے بعد نازل کی تھی۔ جب تک تم اس فیصلہ میں تبدیلی نہ کرو گے چونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ[2] وہ بھی نصرت کو واپس نہیں لے گا۔ اُس وقت تک تمام حکومتیں اور تمام طاقتیں تم سے ڈریں گی اور ہر ترقی پر تمہارا قدم ہوگا۔ دنیا کی تمام اقوام تمہارے پیچھے چلنے میں فخر محسوس کریں گی اور تمہارا سر سب سے اونچا ہوگا۔ ابھی تو یہ ایک بیج ہے، ایک کونپل پھوٹی ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک مضبوط درخت بنے گا جس پر دنیا کے بڑے بڑے حاکم آرام کیلئے گھونسلے بنائیں گے۔ لیکن جس دن تم اس فیصلہ کو بُھول جاؤ گے خدا نہ کرے اُس دن کے تصور سے بھی دل کانپ اُٹھتا ہے جب تم کہو گے کہ خدا نے خلیفہ کیا بنانا ہے ہم خود بنائیں گے۔ تب فرشتے تبر لے کر آئیں گے کہ لو ہم اس درخت کو کاٹتے ہیں جسے خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے لگایا تھا مگر تم نے اس کی قدر نہ کی۔ اب تم اپنے باغ لگاؤ اور مزے اُڑاؤ۔ پچھلوں نے اس غلطی کا تجربہ کیا خدا نہ کرے کہ تم بھی کرو۔ لیکن خدانخواستہ اگر کبھی ایسی غلطی کی گئی تو دنیا دیکھ لے گی کہ تم صدیوں میں ایک درخت بھی نہ لگا سکو گے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ پھر کوئی مأمور مبعوث کرے۔

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۷۱ تا ۸۰)

---

[1] تذکرہ صفحہ ۶۶۹۔ ایڈیشن چہارم

[2] الرعد: ۱۲

اپنی تمام حرکات خلیفۂ وقت کے احکام کے تابع رکھو

(فرمودہ ۷؍مئی ۱۹۳۷ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جو کچھ میں آج جمعہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں شاید وہ اس اجتماع کے مناسب حال نہیں اور وہ وقت جو اِس وقت میرے پاس ہے وہ بھی اِس مضمون کیلئے کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم میں سے بعضوں نے ریل کے ذریعہ واپس جانا ہے۔ مگر چونکہ سفر میں میرے پاس اِتنا وقت نہیں ہے کہ مضمون کے ذریعہ قادیان کی جماعت اور بیرونی جماعتوں کو توجہ دلاؤں اِس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خطبہ کے ذریعہ بیان کردوں اور زودنویس جہاں تک اِن سے ہوسکے خطبہ لکھ کر الفضل کو بھجوادیں تا کہ قادیان اور بیرونی جماعتوں کو اطلاع ہو جائے۔

جماعت کے دوستوں کو معلوم ہے کہ ایک عرصہ سے کچھ افراد قادیان میں ایسے آبسے ہیں جن کی غرض محض یہ ہے کہ جماعت میں فتنہ پیدا کریں اور انہوں نے قِسم قِسم کی تدابیر سے بعض مقامی ہندوؤں اور سکھوں کو بھی ملالیا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ قادیان کے سارے کے سارے ہندو اور سکھ اِس میں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض اچھے بھی ہیں اور وہ ہم سے تعلقات بھی رکھتے ہیں اور ان کی ایسی حرکات پر اظہارِ ناپسندیدگی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کو اس بات سے بھی تقویت پہنچ گئی کہ ضلع کے بعض حکام کے مذہبی تعصب یا سیاسی اختلاف یا کسی ذاتی کمزوری کی وجہ سے جو بعض طبائع میں پائی جاتی ہے اِن کو ایسی فضا میسر آگئی ہے کہ ایسے حکام کو اپنے ساتھ شامل کرکے جماعت کے راستے میں مشکلات پیدا کریں۔ دو اڑھائی سال کے اختلاف کے بعد کسی قدر کمی پیدا ہوئی تھی لیکن

مہینہ دو مہینہ سے اِس میں پھر کسی قدر حرکت معلوم ہوتی ہے۔

میں نے بارہا اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے کہ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْاِ مَـامُ جُـنَّةٌ یُّقَـاتَلُ مِنْ وَّرَائِـهٖ[1] امام کے بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈھال کے طور پر ہوتا ہے اور جماعت اس کے پیچھے لڑتی ہے۔ یہ جائز نہیں کہ جماعت کے لوگ خود لڑائی چھیڑ دیں۔ اعلانِ جنگ امام کا کام ہے اور وہ جس امر کے متعلق اعلان کرے جماعت اُس طرف متوجہ ہو۔ مگر کئی دوست نہیں سمجھتے اور جھٹ ہر امر پر اظہارِ خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات دشمن اس سے چڑ کر شدت سے گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور چھوٹی سی بات بہت بڑی بن جاتی ہے اور پھر ساری جماعت اس میں ملوث ہو جاتی ہے۔

ایک عام آدمی جس کو خدا تعالیٰ نے اختیار نہیں دیا ہوتا نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ سلسلہ کی ضرورتیں کیا ہیں نہ اُس کو کسی سکیم کا پتہ ہوتا ہے، نہ دشمن کی چالوں کو سمجھتا ہے، نہ اسے یہ علم ہوتا ہے کہ طاقت کہاں کہاں خرچ کرنی ہے، نہ جماعت کی ضرورتیں اور ترقی کی سکیمیں اُس کے ذہن میں ہوتی ہیں، نہ اس کے علم میں ہوتا ہے کہ خلیفہ کی اس امر کے متعلق کیا تجویزیں ہیں کیونکہ اس کے پاس کوئی رپورٹیں نہیں پہنچتیں اور نہ حالات کا اُس کو علم ہوتا ہے۔ وہ اپنی حماقت سے ایک چنگاری چھوڑ دیتا یا دشمن کی لگائی ہوئی آگ کو اپنی پھونکوں سے روشن کر دیتا ہے اور پھر ساری جماعت کو اسے بجھانا پڑتا ہے۔ خلیفہ کو اپنی سکیمیں پیچھے ڈالنی پڑتی ہیں اور جماعت کی ساری طاقت اس شخص کی بھڑکائی ہوئی آگ کے بجھانے میں صرف ہو جاتی ہے۔

میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ ایسے امور میں قطعی طور پر امام کی اتباع کی جائے۔ اب کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک طرف تو لوگ بیعت میں اقرار کریں کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور دوسری طرف اپنی جھوٹی عزت کا خیال کرتے ہوئے اور امام کے اعمال کی حکمت کو نہ سمجھتے ہوئے یہ خیال کریں کہ اگر امام گالی کا جواب نہیں دیتا تو اُس کی بے غیرتی ہے۔ حالانکہ امام خوب سمجھتا ہے کہ فلاں جگہ خاموش رہنا مناسب ہے یا جواب دینا اور وہی خوب سمجھتا ہے کہ اس کا کیا جواب دیا جائے۔ ہر گالی جواب کے قابل نہیں ہوتی۔

بچپن میں لوگ ہمیں میاں صاحب اور قادیان کے محاورہ کے مطابق میاں جی بھی کہا کرتے تھے۔ پنجاب کے بعض دوسرے علاقوں میں میاں جی کو ملا بھی کہتے ہیں۔ پنجاب کی اردو ریڈروں میں لکھا ہوا ہے کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں۔ اُستاد کو بھی میاں جی کہتے ہیں۔ بعض طالب علموں نے جو استادوں کے خلاف ہوتے ہیں انہوں نے ان کے متعلق بعض فقرے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسے ''میاں جی سلام تہاڈی گھوڑی نوں لگام'' اِسی طرح مجھے بھی بعض لڑکے چھیڑا کرتے۔ عمر کے لحاظ سے بعض دفعہ مجھے اِس پر غصہ بھی آتا لیکن خاموش رہتا۔ ایک دفعہ میں گزر رہا تھا کہ ایک لڑکے نے مجھے دیکھ کر یہ فقرہ کہا۔ اِس پر مجھے اشتعال آیا لیکن معاً خیال آیا کہ یہ بچے ہیں میرے اشتعال سے اِن کو کیا فائدہ۔ اگر میں نے اشتعال دکھایا تو یہی فقرہ دُہرایا جائے گا اور بچے یاد رکھیں گے اور ایسا کہہ کر بھاگ جایا کریں گے۔ پس میں نے اپنے نفس کو روکا حتّٰی کہ ایک دو دن کے بعد وہ بھول گئے۔ پس ہر گالی قابل جواب نہیں ہوتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ [۲] کہ ان مشرکوں کی طرف سے گالیاں دی جائیں گی تُو ان کی طرف توجہ نہ کرنا اور تبلیغ کی طرف لگے رہنا تا ایسا نہ ہو کہ اصل مقصود بُھول جائے اور ایسے کام کی طرف لگ جاؤ جس کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہ ایک عظیم الشان اور اخلاقی فلسفہ ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا کہ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ مخالف دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کوئی اہمیتِ ذاتی یا پوزیشن رکھتے ہیں ان کو صداقت کی جاذبیت دیکھ کر غصہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سخت کلامی کرتے ہیں۔ اور ایک اوباش ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں سخت الفاظ کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی تو عزت کوئی نہیں، اس کی ایک گالی کے جواب میں اگر تم بھی گالی دو گے تو اِس کے جواب میں وہ پانچ دے گا اور تمہاری دس گالیوں کے مقابلہ میں پچاس دے گا پھر مقابلہ کیا رہا۔ وہ معزز شخص جس کے پیچھے ایک قوم ہوتی ہے اگر اُس کو اُس کی سخت کلامی کا جواب دیا جائے تو مفید ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اُس کے ساتھی اُس کو ملزم کریں گے اور اُس کو کہیں گے کہ غلطی تمہاری تھی، کیوں تم نے ابتداء کی اور وہ اپنی پردہ دری کے خوف سے چُپ ہو جائے

گا۔مگراوباش کوکون بتلائے اوراسے کون سمجھائے۔ وہ بتلانے والے کوبھی دس بیس سُنا دے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوفرمایا کہ استہزاء کرنے والوں کو جواب نہ دینا، ہم خود جواب دیں گے کیونکہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں کے مقابلہ کیلئے کافی ہیں جوحقارت اورتذلیل کے ذریعہ مخالفت کرتے ہیں ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تمہیں نہ ہمت ہے نہ طاقت نہ ہی دُنیوی ڈھنگ آتے ہیں۔ان لوگوں کی اپنی کوئی عزت نہیں، وہ اس سے بڑھ کر گالیاں دیں گے اور بجائے اس کے کہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں دشمن بدگوئی میں بڑھتا چلا جائے گا۔ ایسے انسان کی زبان کو لگام نہ عزت دے سکتی ہے نہ رُتبہ نہ شرافت۔ کیونکہ یہ باتیں اسے میسر نہیں ہوتیں۔ اگر یہ چیزیں اسے حاصل ہوں تو جواب کی اہمیت اُس کی سمجھ میں آجاتی ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ میری بھی عزت ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کے بعض دشمنوں میں سے ایسے ہی بعض لوگوں کو جواب دیا جو مثلاً پادری تھے اوراپنی قوم میں معزز تھے۔جبکہ وہ اسلام کے متعلق بدگوئی میں انتہا درجہ پر پہنچ گئے تا ان کو احساس ہو اور ان کی پوزیشن ان پر ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے پاس ایک جماعت متفرق لوگوں کی گئی جنہوں نے ان کو کہا کہ اگر تم ایسی سختی نہ کرتے تو حضرت مسیح موعود عَلَیْہِ السَّلَام کے متعلق تم کو ایسی باتیں نہ سُننی پڑتیں۔جس سے ان کو شرم محسوس ہوئی اور وہ رُک گئے۔حتیٰ کہ بعضوں نے عَلَی الْاِعْلَان کہنا شروع کیا کہ کسی مذہب کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہئے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنوں کی بدگوئی بہت حد تک رُک گئی۔لیکن اگر آپ بعض اوباش عیسائیوں کے خلاف لکھتے تو کسی شریف نے اُن کو روکنا نہیں تھا نہ خود اُن کو اپنی عزت کا پاس ہوتا اور اِس طرح وہ گالیوں میں بڑھ جاتے۔ ایسے لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی مخاطب نہیں کیا بلکہ ان کی نسبت فرمایا کہ ان کی گالیاں سن کر ان کو دعا دو۔

خدا تعالیٰ بھی قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ [۳] کہ جو تمسخر کرتے ہیں ان میں علم اور عقل نہیں ہوتی ان کے جواب کی تم میں ہمت نہیں ہم ان کو خود جواب دیں گے۔ پس ایسے لوگوں کو مخاطب کرنا بے فائدہ ہے۔

اب قادیان کے ہندو مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہے۔ وہ قوم میں معزز نہیں ۔ وہ اگر گالیاں دیں تو وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ کے مطابق ایسے مشرکین سے اعراض کرنا چاہئے ۔ ایسے شخصوں کا مقابلہ کرنے والا درحقیقت پاگل ہے اور وہ خود زیادہ گالیاں دلاتا ہے بلکہ سلسلہ کا دشمن ہے کیونکہ آپ گالیاں دلاتا اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف عمل کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے تم ان کے بڑوں کو گالیاں مت دو کہ پھر یہ بغیر علم کے تمہارے خدا کو گالیاں دینے لگ جائیں گے ۔ کیونکہ دشمنی کے ساتھ بعض دفعہ عقل بھی ماری جاتی ہے اور حملہ کرتے وقت صرف یہی احساس دل میں ہوتا ہے کہ دوسرے کے نقصان کی خاطر اگر اپنا نقصان بھی ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں ۔ بیسیوں لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی خاطر اپنے مکان کو آگ لگا دیتے ہیں تا کہ دوسرے کو مقدمہ میں پھنسا دیں ۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے بیٹے کو مار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے مار دیا ۔ پس پاگلوں کو چھیڑنا خود پاگل پن ہے ۔ ہماری جماعت کو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایک امام کے تابع کیا ہے اور امام خوب سمجھتا ہے کہ کہاں جواب دینا مناسب ہے اور کہاں نہیں ۔ ہر جگہ جواب دینے والے کی مثال کُتّے کی سی ہوتی ہے جو بغیر امتیاز کے بھونکتا ہے ۔ ایک شریف انسان کو بھی جواب دیتا ہے لیکن وہ یہ دیکھتا ہے کہ کس کو جواب دیا جائے اور کیا جواب دیا جائے ۔

پس یہ امام کا حق ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کون سے دشمن اسلام ایسے ہیں جن کو جواب دیا جائے اور کون سے دشمن ایسے ہیں جن کے اعتراضات سننے کے باوجود خاموشی اختیار کی جائے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی ایسے گالیاں دینے والے لوگ موجود تھے ۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کو کبھی جواب نہیں دیا ۔ آخر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے جواب دیا اور '' قادیان کے آریہ اور ہم '' کتاب لکھی ۔ تو دیکھو ان میں سے کون باقی رہا ۔ سب طاعون سے فنا ہو گئے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود جواب دیا ۔ اس سے تم لوگ سمجھ سکتے ہو کہ اگر تمہارا جواب خدا کے حکم سے ہو تو اس کے نتیجہ میں بھی وہ بات پیدا ہو جائے ۔ لیکن جب پیدا نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ تمہارا جواب خدا کے حکم کے

خلاف ہے ورنہ چاہئے تھا کہ خدا کے فرشتے تمہاری مدد کرتے اور اس کا جواب دیتے۔ آسمان و زمین میں ایسے سامان پیدا ہو جاتے کہ وہ باتیں پوری ہو جائیں۔ اگر تم ان کو ذلیل و بے شرم کہتے تو خدا کے فرشتے بھی ان الفاظ کو دُہراتے اور ان کے دوست بھی انہیں ایسا ہی کہتے۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ تمہارے سخت الفاظ محض الفاظ ہی ہیں ان میں حقائق نہیں۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقائق پیش کئے۔ دشمنوں نے آپ کو اَبْتَـرُ کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے دشمنوں کو ابتر کہا۔ ان کی اولادیں موجود تھیں لیکن خدا نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ بعضوں کی اولاد کو لڑائیوں میں ختم کر دیا اور بعض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بن گئے اور ان لوگوں کی اولاد نہ رہے۔

پنجابی میں اَوتر بھی اَبْتَـر کو ہی کہتے ہیں۔ پنجابی عورتیں بھی یہ گالیاں دیتی ہیں کہ تم اَوتر ہو جاؤ۔ لیکن وہ محض گالی ہوتی ہے۔ ان عورتوں کی اس گالی سے کسی کے بچے نہیں مرتے۔ لیکن رسول کریم ﷺ نے جن دشمنوں کو اَوتر کہا تو ان کی اولادیں واقعہ میں فنا ہوگئیں۔ پس معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کا ابتر کہنا گالی نہ تھی بلکہ واقعہ تھا جو پورا ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض سخت اقوال سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کیونکہ انہوں نے خدا کے حکم سے وہ الفاظ کہے اور زمین و آسمان ان کے ساتھ ہوگئے۔ میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت کے بعض لوگ جب جواب دینے کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور دشمن اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر گالیاں دیتا ہے تو بے غیرت بن کر اپنے گھر میں بیٹھ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کو چاہئے تھا کہ یا تو دشمن کا منہ بند کرتے یا گالی کا جواب دینے میں ابتداء نہ کرتے۔ پس میں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان کے اخلاق دوسروں سے اعلیٰ ہونے چاہئیں۔ پیغامِ حق پہنچانا اخلاقِ فاضلہ پیدا کر کے دین و دنیا کی بہتری کی تجاویز سوچنا نیکی اور علم کو وسعت دینا اور دنیا کی تکالیف دور کرنا ان کا مقصود ہو، تا کہ جو خدا کا مقصد سلسلہ احمدیہ کے قیام سے ہے وہ پورا ہو۔

یہ سنت ہے کہ جب خدا کا کام بندہ اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو خدا اسے چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس جگہ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص آپ کو گالیاں دینے لگا۔ آپ خاموش رہے۔ جب اُس نے زیادہ سختی کی تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اُس کو جواب دیا۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب تک آپ خاموش رہے، خدا کے فرشتے اسے جواب دیتے رہے۔ لیکن جب آپ نے خود جواب دینا شروع کیا تو وہ چلے گئے۔[۴۲] پس جس کام کو خدا نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہوتا ہے اگر بندہ اس میں دخل دے تو خدا اسے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن اگر بندہ صبر کرے اور یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ جلد یا بدیر اس کا بدلہ لے لے گا تو خدا اس کا بدلہ لے لیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں ۱۳ سال تک اور پھر مدینہ میں جا کر بھی دشمن نے گالیاں دیں اور تنگ کیا۔ نہ صرف ایک دن نہ صرف ایک ماہ نہ صرف ایک سال بلکہ اِس وقت تک مخالفین آپ کو گالیاں دے رہے ہیں اور تورات کی پیشگوئی کے مطابق کہ حضرت اسماعیل جو رسول کریم ﷺ کے جدِّ امجد تھے، ان کے خلاف ان کے بھائیوں کی تلوار ہمیشہ اُٹھی رہے گی۔ آپ کو لوگ ہمیشہ گالیاں دیتے رہتے ہیں لیکن خدا نے اس کا علاج اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور اس سے بہتر علاج اس کا کیا ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام میں داخل کر دے لیکن اسلام میں داخل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں۔

مجھے ایک دفعہ ایک یہودی نے چٹھی لکھی کہ میں وہ شخص تھا کہ شاید ہی کسی کے دل میں میرے دل سے بڑھ کر محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق دشمنی ہو بلکہ رسول کریم ﷺ کا نام سنتے ہی مجھے اشتعال پیدا ہو جاتا تھا۔ لیکن آپ کے مبلغوں سے اسلام کی خوبیاں سن کر اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ میں رات کو نہیں سوتا جب تک رسول کریم ﷺ پر درود نہ بھیج لوں۔ بھلا ہماری گالیوں سے سلسلہ کی کیا خدمت ہوسکتی ہے۔ اگر ہم دعا کریں کہ اے خدا! تیرا وعدہ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ سچا ہے تُو آپ اس کا علاج کر اور اس وعدہ پر اعتماد رکھ کر چپ رہیں تو خدا خود ہی انتظام کرے گا۔ اور اگر تم نے خود اِس میں دخل دینا شروع کر دیا تو تم بیعت میں رخنہ ڈالنے والے، دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے وعدہ کو پس پشت ڈالنے والے اور سلسلہ کو بدنام کرنے والے ہو گے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام کی اطاعت کرو اور امام کے پیچھے ہو کر لڑو۔ پس لڑائی کا اعلان کرنا امام کا کام ہے تمہاری غرض محض اس کی اطاعت ہے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اس تعلیم کو خود ہی ردّ کرنے والے ٹھہرو گے۔ دنیا میں بعض دفعہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے عظیم الشان لڑائیاں ہو جاتی ہیں۔ جیسے آسٹریا کے شہزادہ کے قتل سے عظیم الشان جنگ ہوئی جس میں دو کروڑ سے زیادہ انسان قتل ہوئے۔ پس امام جب چاہے اعلانِ جنگ کرے جب چاہے چُپ رہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس کے پیچھے رہیں اور خود بخود کوئی حرکت نہ کریں۔

پس میں پھر جماعت کو نصیحت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہوگی۔ میں مصلحت کو سمجھتا ہوں۔ ہر بات کی دلیل بیان کرنا امام کیلئے ضروری نہیں۔ جرنیل اور کمانڈر کے ہاتھ میں سارا راز ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کہاں اور کس طرح حملہ کیا جائے۔ اگر وہ راز کھول دے تو دشمن اس کا توڑ سوچ لے اور ساری سکیم باطل ہو جائے۔ اگر کوئی شخص سچے طور پر بیعت کرتا ہے اور اتباع کا اقرار کرتا ہے تو اس کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے اعتراض نہیں کرنا چاہئے ورنہ بیعت چھوڑ دے کیونکہ وہ منافق ہے۔ پس گالیوں کا جواب نہیں دینا چاہئے ورنہ آہستہ آہستہ بڑی لڑائی شروع ہو جائے گی اور پھر امام بھی مجبور ہوگا کہ اس میں شامل ہو اور اپنی طاقت ایسی جگہ خرچ کرے جہاں وہ مناسب نہیں سمجھتا۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوست ان باتوں کی اہمیت کو سمجھیں گے۔

کوئی مومن اِس قدر بیوقوف نہیں ہوتا کہ اس کے غصے سے ساری جماعت کو نقصان پہنچے۔ پس دوستوں کو چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں اور امام کے حکم کے منتظر رہیں۔ قرآن کریم میں جب لڑائی کا حکم آیا تو بعض لوگوں نے لڑنے سے انکار کر دیا اور کہا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ [۵] کہ اگر ہم جانتے کہ یہ لڑائی ہے تو ہم ضرور شامل ہوتے۔ مگر یہ تو خودکشی ہے اور یہ وہی لوگ تھے جو لڑائی کیلئے زیادہ شور مچاتے تھے۔ پس زیادہ شور مچانا بسا اوقات نِفاق کی علامت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ جماعت کو لڑائی میں ڈال کر آپ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور بعض بالکل خاموش رہنے والے بعض دفعہ زیادہ مومن اور بہادر ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموش طبیعت تھے لیکن لڑائی میں سب سے زیادہ

خطرناک جگہ پر موجود رہتے تھے یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ کیونکہ لڑائی میں سب سے زیادہ خطرناک جگہ وہی ہوتی تھی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے۔ کیونکہ دشمن کا سارا زور وہیں ہوتا تھا اور لوگ کہتے تھے کہ یوں تو یہ بڈھا بہت نرم دل ہے لیکن لڑائی میں سب سے آگے رہتا ہے۔ پس خاموشی سے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا بلکہ ممکن ہے جو زیادہ خاموش رہنے والا ہے خدا کے نزدیک زیادہ مخلص ہو اور وہ جو زیادہ شور مچانے والا ہے وہ منافق ہو۔ کیونکہ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور وہ خوب سمجھتا ہے کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے''۔

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۱۳۱ تا ۱۳۸)

---

۱ بخاری کتاب الجهاد باب يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَاءِ الْاِمَامِ وَيتقٰى بِهٖ

۲ الحجر: ۹۵　　۳ الحجر: ۹۶

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۵ اٰل عمران: ۱۶۸

امام اور ماموم کا مقام اور اس کے تقاضے

(فرمودہ ۲۸ رمئی ۱۹۳۷ء)

تشہد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

غالباً دو جمعے گزرے ہیں کہ میں نے ایک خطبہ اپنے سفر کے دوران میں پڑھا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اسے فوراً ''الفضل'' میں چھپنے کیلئے بھجوا دیا جائے۔ کیونکہ وہ خطبہ موجودہ فتنوں کے متعلق تھا اور گو وہ پڑھا سفر میں گیا تھا اور جو لوگ اُس وقت سامنے بیٹھے تھے ان میں سے اکثریت ان لوگوں کی تھی جو قادیان میں نہیں رہتے تھے مگر اُس خطبہ کے پہلے مخاطب قادیان میں رہنے والے لوگ ہی تھے اور میں چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے اسے قادیان میں رہنے والے لوگوں تک پہنچا دیا جائے تاکہ کم سے کم خدا تعالیٰ کے سامنے مَیں بری الذمہ ہو سکوں اور اُسے کہہ سکوں کہ میں نے ان کے سامنے ہدایت اور راستی پیش کر دی تھی۔ اگر باوجود میرے ہدایت پیش کر دینے کے اُنہوں نے اِس پر عمل نہیں کیا تو اس کی ذمہ واری مجھ پر نہیں ان پر ہے۔

میں آج پھر اُسی مضمون کے متعلق آپ لوگوں سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں اور نہ صرف آپ لوگوں سے بلکہ باہر کی جماعتوں سے بھی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اِس بات سے بری الذمہ ہوتا ہوں کہ میں نے وہ صداقت آپ لوگوں تک پہنچا دی ہے جو میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کا منشاء اور قرآنی تعلیم ہے۔ میں نے اُس خطبہ میں جماعت کو اِس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ جو جماعتیں منظّم ہوتی ہیں اُن پر کچھ ذمہ واریاں عائد ہوتی ہیں اور کچھ شرائط کی پابندی کرنی ان کیلئے لازمی ہوتی ہے جن کے بغیر ان کے کام کبھی بھی صحیح طور پر نہیں چل

سکتے۔اور سلسلہ کے متعلق میں نے کہا تھا کہ ان شرائط اور ذمہ واریوں میں سے ایک اہم شرط اور ذمہ واری یہ ہے کہ جب وہ ایک امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے اور اس کی اطاعت کا اقرار کر چکے تو پھر انہیں امام کے منہ کی طرف دیکھتے رہنا چاہئے کہ وہ کیا کہتا ہے اور اس کے قدم اُٹھانے کے بعد اپنا قدم اُٹھانا چاہئے۔اور افراد کو کبھی بھی ایسے کاموں میں حصہ نہیں لینا چاہئے جن کے نتائج ساری جماعت پر آ کر پڑتے ہوں کیونکہ پھر امام کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں رہتی۔اگر ایک شخص اپنے طور پر دوسری قوموں سے لڑائی مول لے لیتا ہے اور ایسا فتنہ یا جوش پیدا کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں ساری جماعت مجبور ہو جاتی ہے کہ اس لڑائی میں شامل ہو تو اس کے متعلق یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس نے امام اور خلیفہ کے منصب کو چھین لیا اور خود امام اور خلیفہ بن بیٹھا اور وہ فیصلہ جس کا اجراء خلیفہ اور امام کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے تھا خود ہی صادر کر دیا۔اگر ہر شخص کو یہ اجازت ہو تو تم ہی بتاؤ پھر امن کہاں رہ سکتا ہے۔ایسی صورت میں جماعت کے نظام کی مثال اُس ٹین کی سی ہوگی جو کُتّے کی دُم سے باندھ دیا جاتا ہے اور جدھر جاتا ہے ساتھ ساتھ ٹین بھی حرکت کرتا جاتا ہے۔

امام کا مقام تو یہ ہے کہ وہ حکم دے اور ماموم کا مقام یہ ہے کہ وہ پابندی کرے۔لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے دوستوں نے باوجود بیعت کر لینے کے ابھی تک بیعت کا مفہوم نہیں سمجھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بہت بڑی ذمہ واری جماعت کے علماء پر ہے۔وہ خلافت اور اس کی اہمیت پر تقریریں کرنے سے ساکت رہتے ہیں اور ان کے لیکچر ہمیشہ اور اَور مضامین پر ہوتے ہیں۔اس امر کے متعلق بہت ہی کم دلائل قرآن مجید یا احادیث یا عقل سے دیئے جائیں گے کہ خلافت سے وابستگی کتنی اہم چیز ہے۔وہ سمجھتے ہیں شاید لوگ ان مسائل کو جانتے ہی ہیں اس لئے ان مسائل پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے حالانکہ یہی وہ خیال تھا جس نے پہلے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔گزشتہ علماء نے خیال کر لیا کہ توحید پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔بھلا کوئی مسلمان ایسا بھی ہوسکتا ہے جو توحید کو نہ مانے۔نتیجہ یہ ہوا کہ توحید اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی۔انہوں نے خیال کر لیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی اہمیت واضح کرنے کی کیا حاجت ہے یہ تو ایک صاف اور واضح مسئلہ ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ رسالت پر ایمان بھی جاتا رہا۔ انہوں نے خیال کر لیا کہ نظام کی ضرورت پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے سب کو معلوم ہی ہے کہ نظام میں سب برکت ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا نظام بھی ٹوٹ گیا۔ انہوں نے خیال کر لیا کہ نماز اور روزہ کی تاکید کرنے کی بار بار کیا ضرورت ہے سب لوگ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نمازوں میں بھی سستی آ گئی اور روزے بھی ہاتھ سے جاتے رہے۔ اسی طرح انہوں نے خیال کر لیا کہ حج کا مسئلہ بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے جس سے کوئی ناواقف ہو اور نتیجہ یہ ہوا کہ حج کے مسائل بھی لوگوں کے ذہن سے اُتر گئے اور استطاعت کے باوجود انہوں نے حج کرنا چھوڑ دیا۔ تو جب کسی قوم کے علماء یہ خیال کر لیتے ہیں کہ فلاں فلاں مسائل لوگ جانتے ہی ہیں اس قوم میں آہستہ آہستہ ان مسائل سے ناواقفیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور آخر اس نیکی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ پس میں سمجھتا ہوں ایک حد تک اس کی ذمہ واری جماعت کے علماء پر ہے لیکن ایک حد تک اس کی ذمہ واری جماعت کے افراد پر بھی ہے۔ کیونکہ ان کے سامنے یہ مسائل بالکل تازہ ہیں اور وہ خلافت کی اہمیت سے پورے طور پر آگاہ کئے جا چکے ہیں اور گو آج اس پر بحثیں نہیں ہوتیں مگر آج سے بیس سال پہلے اس پر خوب بحثیں ہو چکی ہیں اور خود جماعت کے افراد اس میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ پھر آج وہ ان مسائل کو کیوں بھول گئے۔ میں نے اس امر کی طرف توجہ ان واقعات کی وجہ سے دلائی تھی جو قادیان میں حال ہی میں ظاہر ہوئے۔

میں نے دیکھا ہے بعض لوگ فتنہ وفساد کی نیت سے کوئی بات چھیڑ دیتے ہیں اور ہماری جماعت کے دوست فوراً اس کے پیچھے بھاگ پڑتے ہیں اور وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ دشمن کی تو غرض ہی یہ تھی کہ وہ کوئی فتنہ وفساد پیدا کرے اور انہیں زیر الزام لائے۔ ان کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جس کا دشمن اس کیلئے گڑھا کھودتا اور اُس پر گھاس پھونس ڈال دیتا ہے۔ اور وہ اپنی بیوقوفی سے گھاس پر پاؤں رکھتا اور گڑھے میں جا پڑتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں خیالی مثال کی کیا ضرورت ہے۔ شیر کے شکاریوں کی مثال لے لو جو پہلے زمانہ میں شیر کا شکار اِس طرح کرتے تھے کہ گھاس کے نیچے بانس کی کھپچیوں کے اوپر خاص طور پر سریش

تیار کر کے چپکا دیتے اور گھاس پر بکرا باندھ دیتے ۔ شیر خیال کرتا کہ بکرا میرا شکار ہے اور وہ اُس پر حملہ کر دیتا۔ لیکن جب بکرے کے پاس پہنچتا تو کھچیوں میں لپٹ جاتا۔ اسی طرح دشمن بعض دفعہ ایسی حرکات کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ اپنے مخالف کو بُلاتا ہے کہ آؤ اور مجھ پر حملہ کرو۔ عقلمند آدمی موقع کو خوب سمجھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ حملے کا کونسا موقع ہے۔ لیکن نادان آدمی ان باتوں کو نہیں سمجھتا وہ حملہ کر دیتا ہے اور کھپچیوں میں پھنس جاتا ہے۔ پھر شور مچاتا ہے کہ آؤ آؤ اور مجھے اس مصیبت سے بچاؤ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی آواز سن کر دو چار آدمی اور دشمن پر حملہ کر دیتے ہیں اور وہ بھی انہی کھچیوں میں پھنس جاتے ہیں اور اسی طرح یہ معاملہ بڑھتا جاتا ہے۔

انگریزوں میں ایک کہانی مشہور ہے جو اسی قسم کے فتنوں پر چسپاں ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کسی کے پاس کوئی بطخ تھی۔ جب وہ کسی شخص پر ناراض ہوتا تو کسی طرح اُس کا ہاتھ بطخ کو لگوا دیتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ اس بطخ سے اُس کا ہاتھ چمٹ جاتا اور وہ چھوٹ نہ سکتا۔ یہ دیکھ کر اُس کے دوست اور رشتہ دار اُسے چھڑانے کیلئے آتے اور جو بھی بطخ پر ہاتھ ڈالتا اُس کے ساتھ چمٹا جاتا۔ یہی حال ایسی لڑائی کا ہوتا ہے۔ جب ایک شخص لڑائی میں شامل ہوتا اور دشمن کی گرفت میں آجاتا ہے تو شکوہ کرتا اور شور مچانے لگ جاتا ہے کہ میں جماعت کا ممبر ہوں، میری مدد کیوں نہیں کی جاتی۔ میرے ساتھ ہمدردی اور محبت کا سلوک کیوں نہیں کیا جاتا۔ اس شخص کو جواب تو یہ ملنا چاہئے کہ تمہارے ساتھ ہمدردی کیا کی جائے تم نے نظام کو توڑا اور سلسلہ کی ہتک کی۔ لڑائی کرنا امام کا کام تھا، تمہارا کام نہیں تھا۔ لیکن اُس کی آواز سن کر کئی رحم دل یا یوں کہو کہ کمزور دل کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ آؤ اس کی مدد کریں۔ چنانچہ وہ اس کی مدد کیلئے اس کے پیچھے جاتے ہیں اور وہی لڑائی جو پہلے ایک شخص کی تھی اب بیس آدمیوں کی لڑائی بن جاتی ہے اور پھر ایک کی بجائے بیس آوازیں اُٹھنی شروع ہو جاتی ہیں کہ آنا آنا، بچانا بچانا۔ اس پر وہ لوگ بھی جو پہلے اس خیال سے خاموش ہوتے ہیں کہ یہ انفرادی فعل ہے اِس میں ہمیں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے، جوش سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں اب ایک کا سوال نہیں، بیس کا سوال ہے اور وہ بھی لڑائی میں شامل ہو جاتے

ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب لڑائی میں چالیس آدمی شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ چالیس اپنے ساتھ اَوروں کو ملاتے اور ساٹھ بن جاتے ہیں۔ ساٹھ ایک سَو بیس کی کشش کا موجب بنتے ہیں اور ایک سَو بیس کے شور مچانے پر دوسَو چالیس کی تعداد ہو جاتی ہے۔ یہ دوسَو چالیس پھر چار سَو اسّی ہو جاتے ہیں جو بڑھ کر نو سَو ساٹھ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ساری جماعت ایک معمولی وجہ سے ایسی لڑائی میں شامل ہو جاتی ہے جس کا کوئی بھی نتیجہ نہیں ہوتا اور دشمن دل میں ہنستا ہے کہ جو میری غرض تھی وہ پوری ہوگئی۔

ایک مشہور واقعہ پنجاب کے ایک رئیس کا ہے جو اِس مقام پر خوب چسپاں ہوتا ہے۔ پنجاب کے ایک مشہور راجہ گزرے ہیں جن کا نام لینے کی ضرورت نہیں ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کے دربار میں دو پارٹیاں تھیں۔ ایک وزیرِاعظم کی اور ایک اور وزیر کی اور یہ دونوں پارٹیاں روزانہ آپس میں لڑتیں اور راجہ کے پاس شکایتیں ہوتیں۔ ایک پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف شکایت کرتی اور دوسری پہلی کے خلاف راجہ کے کان بھرتی اور ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی کہ راجہ صاحب ہمارے ساتھ مل جائیں اور دوسری پارٹی پر ناراض ہو جائیں۔ اِس لڑائی نے ترقی کرتے کرتے سخت بھیانک شکل اختیار کر لی۔ ایک دن ایک پارٹی نے تجویز کی کہ کوئی ایسا کام کرنا چاہئے جس سے مخالف پارٹی کو بالکل کُچل دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ ایک رانی کو اپنے ساتھ ملایا جائے اور یہ مشہور کر دیا جائے کہ اُس کے ہاں اولاد ہونے والی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک رانی کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اُسے کہہ دیا کہ عین وقت پر ہم تمہیں ایک بچہ لا کر دے دیں گے اِس سے راجہ کی نگاہ میں تمہاری عزت بھی قائم ہو جائے گی اور اس کے بعد گدی پر بیٹھنے کا بھی وہی حقدار ہوگا۔ جب یہ خبر عام لوگوں میں مشہور ہوگئی تو دوسرے فریق نے راجہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مہارانی حاملہ نہیں بلکہ شرارت سے مخالف پارٹی نے اسے حاملہ مشہور کر دیا ہے۔ اب مہاراجہ صاحب نے بیوی کی نگرانی شروع کر دی اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں پتہ لگا کہ یہ محض فریب کیا جا رہا ہے، رانی حاملہ نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے گورنمنٹ کے پاس اس امر کے متعلق کوشش شروع کر دی کہ جس بچہ کے متعلق مشہور کیا

جا رہا ہے کہ وہ پیدا ہونے والا ہے وہ میرا نہیں ہوگا اور نہ تخت کا وارث ہوگا۔ یہ بات دوسرے فریق پر بھی کھل گئی اور انہوں نے مشورہ کیا کہ اب کوئی ایسی چال چلنی چاہئے جس کے نتیجہ میں ہماری سکیم فیل نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے مختلف لوگوں سے گورنمنٹ کے پاس چٹھیاں لکھوانی شروع کر دیں کہ مہاراجہ صاحب پاگل ہو گئے ہیں اور وہ گدی کا انتظام نہیں کر سکتے۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑتے اور جوش میں آ کر گالیاں دینے لگ جاتے ہیں اور ان کا غصہ حدِ اعتدال سے بالکل باہر نکل گیا ہے۔ مہاراجہ بیچارے کو پتہ بھی نہیں اور گورنمنٹ کے پاس شکایتیں ہو رہی ہیں کہ مہاراجہ صاحب پاگل ہو گئے ہیں۔ پہلے چھوٹوں کی طرف سے گورنمنٹ کو لکھا گیا۔ پھر بڑے بڑے افسروں کی طرف سے اور پھر ان سے بھی بڑے عہدہ داروں کی طرف سے۔ جب شکایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور بڑے بڑے افسروں نے خود مل کر بھی گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنی شروع کر دی تو گورنمنٹ کو خیال پیدا ہوا کہ تحقیقات کرنی چاہئے۔ چنانچہ اس نے مخفی طور پر کمشنر کو بھجوایا کہ وہ مہاراجہ سے باتیں کر کے رپورٹ کرے کہ یہ شکایتیں کس حد تک صحیح ہیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ ڈاکٹر کو بھی ساتھ لیتے جاؤ اور باتوں باتوں میں اندازہ کر کے رپورٹ کرو کہ ان شکایتوں میں کس حد تک معقولیت ہے۔ فریق مخالف جس نے شکایت کی تھی وہ چونکہ ہر تدبیر سے اپنی بات کو منوانا چاہتا تھا اس لئے اس نے سرکاری دفاتر میں بھی بعض آدمی خریدے ہوئے تھے۔ جس وقت کمشنر صاحب تحقیقات کیلئے جانے لگے، ان سرکاری آدمیوں نے اطلاع کر دی کہ کمشنر صاحب آ رہے ہیں۔ چنانچہ جونہی انہوں نے سمجھا کہ اب کمشنر صاحب کے آنے کا وقت بالکل قریب آ پہنچا ہے اور ایک آدھ منٹ میں ہی وہ دربار میں داخل ہو جائیں گے۔ انہوں نے ایک چَوری[1] جھلنے والے کو اشارہ کر دیا جسے انہوں نے پہلے سے اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا اور اُس نے جُھک کر مہاراجہ کے کان میں دو تین گالیاں ماں اور بہن کی دے دیں۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ مہاراجہ تخت پر بیٹھا ہوا ہو، دربار لگا ہوا ہو اور چَوری جھلنے والا مہاراجہ کو اُس کے کان میں ماں کی گالیاں دے دے تو اُس کی کیا کیفیت ہوسکتی ہے۔ مہاراجہ جوش سے اُٹھا اور اس نے بے تحاشہ اُسے مارنا شروع کر دیا۔ اب غصہ سے اُس کے

منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ اسے ٹھڈے پر ٹھڈے مارتا چلا جا رہا تھا کہ اتنے میں کمشنر صاحب اندر داخل ہوگئے اور وہ پارٹی کی پارٹی کھڑی ہوکر کہنے لگی ''حضور! روز ساڈے نال اسے طرح ہوندا ہے''۔ یعنی حضور! ہمارے ساتھ روزانہ یہی سلوک ہوتا ہے۔کمشنر صاحب کی رپورٹ پر گورنمنٹ نے فیصلہ کیا کہ مہاراجہ واقعہ میں حواس باختہ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ مہاراجہ صاحب کے اختیارات محدود کر دیئے گئے اور وہ لڑکا جسے رانی نے گود میں ڈال لیا تھا اور جو ایک ملازم سرکار کا لڑکا تھا جسے بعد میں جج بنا دیا گیا، جوان ہوکر گدی پر بٹھایا گیا اور خوش قسمتی سے نہایت شریف اور کامیاب راجہ ثابت ہو رہا ہے۔

تو بعض دفعہ دشمن اس قسم کی چالا کی بھی کرتا ہے۔سمجھنے والے تو بچ جاتے ہیں لیکن جو اندھا دھند کام کرنے والے ہوں وہ پھنس جاتے اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔اسی وجہ سے اسلام نے حکم دیا کہ اَلْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ [۲] کہ امام کو ہم نے تمہارے لئے ڈھال کے طور پر بنایا ہے۔اگر اس کے پیچھے ہوکر لڑو گے تو زخموں سے بچ جاؤ گے۔لیکن اگر آگے ہوکر حملہ کرو گے تو مارے جاؤ گے کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ کیا حالات ہیں۔کس وقت اعلانِ جنگ ہونا چاہئے اور کس وقت دشمن کے فریب سے بچنا چاہئے۔کئی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان تفصیل سے بیان نہیں کرسکتا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بھی بعض دفعہ لوگ آتے اور گھنٹوں آپ سے مخفی باتیں کرتے۔قرآن کریم میں اِسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے هُوَ اُذُنٌ [۳] کہ منافق کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کان ہی کان ہیں۔ ہر وقت لوگ آتے اور انہیں رپورٹیں پہنچاتے رہتے ہیں۔تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی مخفی باتوں کا علم ہوا کرتا تھا۔بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ آپ فرماتے میرے پاس رپورٹ آئی ہے کہ آج فلاں جگہ یہ کام ہو رہا ہے۔تو امام کو وہ معلومات ہوتی ہیں جو اور لوگوں کو نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ جانتا ہے کہ فلاں کام جو ہو رہا ہے وہ کیوں ہو رہا ہے اور کس طرح ہو رہا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جماعت سے اُسی وقت لڑائی کرائی جائے جب لڑائی کا کوئی فائدہ ہو۔ورنہ یہ تو نہیں کہ لڑائی کرنے میں تم مجھ سے زیادہ بہادر ہو۔

پچھلے دو سال میں میں نے ایک ہی وقت میں گورنمنٹ سے اور دوسرے مخالف اقوام سے لڑائی لڑی ہے یا نہیں۔تم میں سے کئی لوگ تھے جو اُس وقت کہتے تھے کہ ہمیں کس مصیبت میں پھنسا دیا۔مگر میں جانتا تھا کہ وہ وقت لڑنے کا تھا۔ پس ہم لڑے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم نے فتح پائی۔لیکن اب جماعت کو ایک ایسے فتنہ میں مبتلا کیا جا رہا ہے جس میں مَیں سمجھتا ہوں ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو دکھا دیں کہ ہم مظلوم اور ہمارا دشمن ظالم ہے اور شرارت کی تمام تر ذمہ واری ہمارے دشمن پر ہے ہم پرنہیں۔ پس جبکہ ہم کو معلوم ہے کہ اِس لڑائی کی وجہ لڑائی نہیں بلکہ یہ ہے کہ ہم نے پچھلے دنوں جو حکومت پر یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہم ظالم نہیں بلکہ مظلوم ہیں اور ہمارا دشمن مظلوم نہیں بلکہ ظالم ہے، وہ چاہتے ہیں کہ اس خیال کو مٹایا جائے اَور بعض اور ذرائع سے اپنی مظلومیت حکومت پر ظاہر کریں۔اگر تم ذرا بھی سوچ سمجھ سے کام لو تو یہ موٹی بات تو تمہیں بھی نظر آ سکتی ہے کہ قادیان میں بِلا وجہ فتنے مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں۔ایک وقت مسلمانوں کی طرف سے شور مچایا جاتا ہے اور پھر یک دم اس میں تغیر آ جاتا ہے اور پولیس کی طرف سے شور اُٹھنا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر یکدم یہ حالت بھی بدل جاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری لڑائی نہ مسلمانوں سے ہے نہ پولیس سے بلکہ سکھوں سے ہے۔ پھر سکھوں سے لڑتے لڑتے یکدم تغیر آ جاتا ہے اور سکھ تو بالکل خاموش ہو جاتے ہیں اور ہندو شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور ان لڑائیوں میں سے کسی لڑائی کے پیدا کرنے میں بھی ہمارا دخل نہیں ہوتا۔جس وقت مسلمان شور مچا رہے ہوتے ہیں اُس وقت کوئی ایسی حرکت ہم نے نہیں کی ہوتی جو پندرہ بیس سال پہلے ہم نے نہ کی ہو۔گویا کوئی تازہ حرکت ایسی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ہم سمجھیں کہ ان کا شور مچانا حق بجانب ہے۔اسی طرح جب پولیس کی طرف سے شور مچایا جاتا ہے تو ہماری کوئی ایسی حرکت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے وہ اشتعال میں آئے۔ پھر جب سکھ اور ہندو شور مچاتے ہیں اُس وقت بھی کوئی ایسا نیا فعل ہم سے صادر نہیں ہوتا جس کی وجہ سے سمجھا جائے کہ ان کا شور اور فتنہ وفساد کسی بنیاد پر ہے۔ پس کیا اس محاذ کی تبدیلی سے تمہاری سمجھ میں اتنی موٹی بات بھی نہیں آتی کہ یہ کسی سازش اور چالاکی کا نتیجہ ہے۔اگر تم بات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ تمہیں وسیع علم ہے اور نہ وسیع معلومات

کے ذرائع تمہیں حاصل ہیں تو کم سے کم اتنی بات تو تمہیں سمجھ لینی چاہئے تھی کہ کیوں بلا وجہ ایک وقت مسلمانوں کو جوش آتا ہے تو دوسرے وقت پولیس والوں کو کبھی سکھوں کو جوش آجاتا ہے تو کبھی ہندوؤں کو۔ کم سے کم اتنی موٹی بات تمہیں سمجھ لینی چاہئے تھی کہ یہ تغیرات جو پیدا ہوئے ان کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا ورنہ بلا سبب تو یہ نہیں ہو سکتے اور جب یہ بلا سبب نہیں ہو سکتے اور تمہیں ان کا سبب معلوم نہیں تو تم کیوں اندھیرے میں چھلانگ لگاتے اور سلسلہ کی بدنامی اور ہتک کا موجب بنتے ہو۔ یہ معاملات اُن لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دو جو اِن تغیرات کا سبب جانتے اور اس کی وجہ کو خوب پہچانتے ہیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ سلسلہ کی عظمت لڑائی کرنے میں ہے تو اُس وقت وہ بغیر کسی قسم کے خطرہ کے لڑائی کریں گے اور اُس وقت تم میں سے وہ لوگ جو اِس وقت بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے اور کہتے ہیں ہم صبر نہیں کر سکتے، ہم دشمن سے لڑیں گے اور مر جائیں گے وہ لڑائی کرنے سے انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم ہلاکت کے منہ میں اپنے آپ کو نہیں ڈال سکتے۔ گویا جس وقت ہم کہتے ہیں ہمیں صلح رکھنی چاہئے اور بلا وجہ دشمن سے لڑائی نہیں لڑنی چاہئے اُس وقت وہ بزدل اور منافق جو اگر لڑائی ہو تو سب سے پہلے میدانِ جنگ سے بھاگ نکلیں گے۔ کہتے ہیں ہم بے غیرت نہیں، ہم دشمن سے ضرور لڑیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں اب کسی نے لڑنا نہیں اور جب لڑائی ضروری ہو جائے تو کہہ دیتے ہیں صلح رکھنی چاہئے، آپس کے تعلقات کو خراب کر لینے سے کیا فائدہ۔

آخر کیا تم خیال کرتے ہو کہ ایک شخص کے ہاتھ پر تم بیعت کرتے ہو اور پھر یہ سمجھتے ہو کہ اس کے دل میں سلسلہ کے متعلق اتنی بھی غیرت نہیں جتنی تمہارے دلوں میں ہے۔ حالانکہ اس نے اپنی غیرت کا عملی ثبوت بھی تمہارے سامنے پیش کیا ہوا ہے۔ میں ہمیشہ اس بات پر حیران ہوتا ہوں کہ جماعت کا بیشتر حصہ سچے مخلصوں اور باتیں بنانے والوں میں فرق کیوں نہیں کرتا۔ گزشتہ دو سال میں تم نے دیکھ لیا کہ وہ لوگ جو بڑھ بڑھ کر باتیں کرنیوالے تھے جب اُن پر مقدمے ہوئے تو انہوں نے کیسی بزدلی اور دوں ہمتی دکھائی۔ جماعت کا ان مقدموں اور سیاسی شرارتوں کے مقابلہ کیلئے تیس چالیس ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ خرچ ہو چکا

ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کو سوچنا چاہئے تھا کہ ہماری حرکات سے اگر سلسلہ کیلئے مشکلات پیش آئیں گی اور سلسلہ کا روپیہ خرچ ہوگا تو اس کا کون ذمہ وار ہوگا۔ اور پھر جب بعض حالات میں مقدمات چلائے گئے تو کیوں یہ لوگ گھبرا گھبرا کر اچھے سے اچھے وکیلوں اور اچھے سے اچھے سامانوں کے طالب ہوئے۔ جن لوگوں کے افعال کی وجہ سے یہ صورتِ حالات پیدا ہوئی تھی انہیں چاہئے تھا کہ یا وہ خود مقدمہ چلاتے یا کانگرس والوں کی طرح ڈیفنس پیش کرنے سے انکار کر دیتے اور قید ہو جاتے۔ مگر انہیں شرم نہیں آتی کہ کہتے تو وہ یہ تھے کہ ہم سلسلہ کیلئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے مگر جماعت کا پندرہ بیس ہزار روپیہ انہوں نے مقدمات پر خرچ کرا دیا اور پھر بھی وہ مخلص کے مخلص بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے کھانوں اور سفرخرچ کے بل جا کر دیکھو تو تم کو تعجب ہوگا کہ یہ کیا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ دشمن جھوٹ بول رہا تھا اور سلسلہ کو بدنام کرنے کیلئے جھوٹے مقدمات کر رہا تھا۔ ہم اِن کی مدد کیلئے مجبور تھے گو ہم جانتے تھے کہ بعض جگہ دشمن کو موقع دینے والے خود ہمارے اپنے آدمی تھے۔ اگر ہمارے آدمی میری تلقین کے مطابق صبر سے کام لیتے اور گالی کا جواب نہ دیتے تو اتنا فتنہ نہ بڑھتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر انہوں نے لڑائی کرنا دین کیلئے ضروری ہی سمجھا تھا تو ان کا فرض تھا کہ یا مقدمہ کے تمام اخراجات خود برداشت کرتے اور کہتے کہ ہماری جماعت کی مالی حالت کمزور ہے، ہم اس پر اپنا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے اور یا جوابِ دعویٰ سے دستبردار ہو کر معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیتے۔ مگر یہ جماعت کا تیس چالیس ہزار روپیہ خرچ کرا دینے کے باوجود مخلص کے مخلص بنے پھرتے ہیں (میں سب مقدمات کے بارہ میں نہیں کہتا۔ بعض مقدمات سلسلہ کی ضروریات کیلئے خود کئے گئے ہیں اور نہ سب آدمیوں کے متعلق کہتا ہوں جو ان میں مبتلا تھے۔ مگر چونکہ اصل لوگوں کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا میں نے بات کو عام رکھا ہے تا کسی خاص شخص پر الزام نہ آئے اور اس نوٹ کے ذریعہ سے میں نے اس کا بھی ازالہ کر دیا ہے کہ نا کردہ گناہ لوگوں پر کوئی بدظنی کرے)۔

میں پوچھتا ہوں بھلا گالیاں دینے یا بے فائدہ جوش دکھانے میں کونسی خوبی اور کمال ہے۔ کیا موچی دروازہ کے غنڈے گالیاں نہیں دیتے؟ اگر تم بھی دشمن کے جواب میں زبان

سے گالیاں دیتے چلے جاتے ہو تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ تم نے وہ کام کیا جو حق کے دشمن کر رہے ہیں مگر تمہاری اس حرکت کو قربانی قرار نہیں دیا جائے گا۔ قربانی وہ ہوتی ہے جسے عام آدمی پیش نہ کر سکے۔ مگر تقریر کیلئے کھڑے ہو جانا اور اس میں پندرہ بیس گالیاں دے دینا یہ تو ہر شخص کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ پس صرف اس لئے کہ کوئی شخص بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہے، مخلص اور مومن نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ مخلص وہ ہے جو اس چیز کو پیش کرے جسے عام لوگ پیش کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ تم چلے جاؤ لاہور میں یا اور کسی شہر میں اور چلے جاؤ بداخلاق نمائندگانِ مذاہب کی مجالس میں، تمہیں یہی نظر آئے گا کہ جوشیلے اور فسادی لوگ ہمیشہ گالیاں دیتے، پتھر پھینکتے اور تالیاں پیٹتے ہیں۔ مگر مخلص وہ قربانی کرتے ہیں جو دوسرے نہیں کرتے۔ لاہور میں ہی جب کوئی فساد ہو، کمزور اخلاق کے لوگ ہمیشہ بڑھ بڑھ کر لاٹھی چلائیں گے۔ لیکن جب اسلام کیلئے مال کی قربانی کا سوال ہو تو پیچھے ہٹ جائیں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں ہمارا کام اتنا ہی ہے کہ ہم گالیاں دیں، لٹھ ماریں اور پھر پلاؤ زردہ کھائیں۔ پس گالیاں دینا تو کمزور طبع لوگوں کا کام ہے کامل مومنوں والا کام نہیں اور اگر واقعہ میں ان میں اخلاص ہوتا تو جن لوگوں پر مقدمہ چلایا گیا تھا وہ کہتے ہم جماعت کا ایک پیسہ بھی اِس پر خرچ نہیں ہونے دیں گے ہم نے اپنی ذمہ واری سے کام کیا ہے اور اب اِس بوجھ کو بھی یا خود برداشت کریں گے یا برداشت نہ کر سکنے کی صورت میں قید ہو جائیں گے۔ جماعت کے پاس آگے ہی روپیہ کونسا زیادہ ہے ہم اس پر مزید اپنے مقدمات کا بوجھ کیوں ڈالیں۔ کیا یہ اتنی موٹی بات نہیں جو تمہاری سمجھ میں آسکے۔ تو تمہیں چاہئے کہ تم مخلص اور کمزور طبع انسانوں میں فرق کرو۔ میں انہیں منافق نہیں کہتا۔ بعض کمزور طبائع ہوتی ہیں ان کا دل ایسا کمزور ہوتا ہے کہ وہ نتائج کی برداشت نہیں کر سکتے۔ ہوتے مومن ہی ہیں مگر دل کی کمزوری کی وجہ سے نتائج برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے انہوں نے بھی بڑھ بڑھ کر باتیں کیں اور جماعت کو مزید مشکلات میں مبتلا کرا دیا اور جب کبھی ان کی مدافعت کی غلط تدبیروں سے فساد اور بڑھ گیا اور اس کے نتائج کو برداشت کرنے کا وقت آیا تو کمزوری دکھا دی اور مقدمہ لڑ کر اِس امر کی کوشش شروع کر دی کہ ان کی بریت ہو جائے۔ حالانکہ اگر

کوئی سمجھتا ہے کہ جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دے گا میں ضرور اسے سزا دوں گا۔ تو اگر اس کا یہ مقولہ صحیح ہے تو سزا دینے کے بعد اسے دلیری سے اپنے جرم کا اقرار کرنا چاہئے اور اسے کہنا چاہئے مجھے جہاں چاہتے ہو لے جاؤ۔ میں نے اس کے منہ سے گالی سنی اور میں اسے برداشت نہیں کر سکا۔ فرض کرو کوئی شخص کہتا ہے کہ جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دے گا میں اُسے جُوتی ماروں گا۔ اگر اسے ہماری تعلیم سے اتفاق نہیں تو جائے اور اُسے جوتی مارے اور پھر نتائج بھگتنے کیلئے تیار رہے۔ مگر اِدھر تو وہ ہماری رائے سے اتفاق نہیں کرتا اُدھر جب دوسرے کو مار کر آتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے فعل کے جواب دہ تم ہو۔

یاد رکھو دنیا میں قیامِ امن دو ذرائع سے ہوتا ہے یا اُس وقت جب مار کھانے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے یا جب دوسرے کو مارنے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے، درمیانی دوغلہ کوئی چیز نہیں۔ اب جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم میں مار کھانے کی طاقت ہونی چاہئے۔ بالکل ممکن ہے تم میں سے بعضوں کا یہ خیال ہو کہ ہم میں مارنے کی طاقت ہونی چاہئے۔ میں اِسے غیر معقول نہیں کہتا ہاں غلط ضرور کہتا ہوں۔ یہ ضرور کہتا ہوں کہ اُس نے قرآن کریم کو نہیں سمجھا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کو نہیں سمجھا کیونکہ خدا تعالیٰ نے مارنے کیلئے جو شرائط رکھی ہیں وہ اِس وقت ہمیں میسر نہیں۔ پس کم سے کم میں اسے شرارتی یا پاگل نہیں کہوں گا میں زیادہ سے زیادہ یہی کہوں گا کہ اُس کی ایک رائے ہے جو میری رائے سے مختلف ہے۔ لیکن تمہاری یہ حالت ہے کہ تم میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ دشمن کو سزا دینی چاہئے اور پھر جب وہ ہماری تعلیم کے صریح خلاف کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے تو بھاگ کر ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے مجھے بچانا مجھے بچانا۔ آخر جماعت تمہیں کیوں بچائے؟ کیا تم نے جماعت کے نظام کی پابندی کی یا اپنے جذبات پر قابو رکھا؟ اور اگر تم اس خیال کے قائل نہیں تھے تو پھر تمہیں ہمارے پاس بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم دلیری دکھاؤ اور اپنے جرم کا اقرار کرو۔ اگر اِن دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی میسر آ جائیں تو ہم دنیا

کو ڈرا سکتے ہیں۔ اگر چالیس آدمی ایسے مل جائیں جو مار کھانے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ دنیا کو ڈرا سکتے ہیں اور اگر چالیس آدمی ایسے میسر آجائیں جو مارنے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ بھی دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تم میں سے بعض دشمن سے کوئی گالی سنتے ہیں تو ان کے منہ میں جھاگ بھر آتی ہے اور وہ کود کر اُس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اُسی وقت ان کے پیر پیچھے کی طرف پڑ رہے ہوتے ہیں۔ تم میں سے بعض تقریر کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مر جائیں گے مگر سلسلہ کی ہتک برداشت نہ کریں گے لیکن جب کوئی ان پر ہاتھ اُٹھاتا ہے تو پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائیو! کچھ روپے ہیں جن سے مقدمہ لڑا جائے، کوئی وکیل ہے جو وکالت کرے؟ بھلا ایسے خنثوں[۴] نے بھی کسی قوم کو فائدہ پہنچایا ہے؟ بہادر وہ ہے جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے اور پکڑا جاتا ہے تو دلیری سے سچ بولتا ہے۔ اور اگر مار کھانے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر جوش میں نہیں آتا اور اپنے نفس کو شدید اشتعال کے وقتوں میں بھی قابو رکھتا ہے۔

پس اگر تم جیتنا چاہتے ہو تو دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔ جو کچھ میں سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ بہادر بنو مگر اس طرح کہ مار کھانے کی عادت ڈالو اور امام کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کرو۔ ہاں جب وہ کہے کہ اب لڑو اُس وقت بیشک لڑو۔ لیکن جب تک تمہیں امام لڑائی کا حکم نہیں دیتا اُس وقت تک دشمن کو سزا دینے کا تمہیں اختیار نہیں۔ لاٹھی اور سوٹے سے ہی نہیں بلکہ ایک ہلکا سا تھپڑ مارنا بھی تمہارے لئے جائز نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں تھپڑ تو الگ رہا ایک گلاب کے پھول سے بھی تمہیں دشمن کو اُس وقت تک مارنے کی اجازت نہیں جب تک امام تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دے۔ لیکن اگر تمہارا یہ عقیدہ نہیں تب بھی میں شریف انسان تمہیں تب ہی سمجھوں گا کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہو کہ گالی دینے والے دشمن کو ضرور سزا دینی چاہئے اور تم اُس گالی دینے والے کے جواب میں سخت کلامی کرتے ہو اور اُس سے جوش میں آ کر وہ پھر اور بد کلامی کرتا ہے تو پھر تم مٹ جاؤ اور اپنے آپ کو فنا کر دو لیکن اُس منہ کو توڑ دو جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے گالی نکلی تھی۔ اُس کو خاموش کرانا تمہارا ہی فرض ہے کیونکہ تمہارے ہی فعل سے اُس نے مزید گالیاں دی ہیں۔ کیا تمہیں

شرم نہیں آتی کہ تم ایک سخت بدلگام دشمن کا جواب دے کر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دِلواتے ہو اور پھر خاموشی سے گھروں میں بیٹھ رہتے ہو!! اگر تم میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی حیا ہے اور تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہے کہ دشمن کو سزا دینی چاہئے تو پھر یا تم دنیا سے مٹ جاؤ یا گالیاں دینے والوں کو مٹا ڈالو۔ مگر ایک طرف تم جوش اور بہادری کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف بُزدلی اور دون ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ میں تو ایسے لوگوں کے متعلق بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلواتے ہیں اور وہ آپ سلسلہ کے دشمن اور خطرناک ہیں۔

اگر کسی کو مارنا پیٹنا جائز ہوتا تو میں تو کہتا کہ ایسے لوگوں کو بازار میں کھڑا کر کے انہیں خوب پیٹنا چاہئے کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ گالیاں دلواتے ہیں اور پھر مخلص اور احمدی کہلاتے پھرتے ہیں۔ میں اِس موقع پر ان لوگوں کو بھی جو انہیں اعلیٰ مخلص سمجھتے ہیں کہتا ہوں کہ مومن بیوقوف نہیں ہوتا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ گالیاں دینا کوئی بہادری ہے؟ تم کسی چوہڑے کو دو روپے دے کر دیکھ لو وہ تم سے زیادہ گالیاں دے دے گا۔ پس تم بھی اگر گالیاں دیتے ہو تو زیادہ سے زیادہ چوڑھوں والا کام کرتے ہو۔ یہ کوئی ایسا پیچیدہ مسئلہ نہیں جو تمہیں سمجھ میں نہ آسکے۔ مگر میں متواتر تین سال سے سمجھا رہا ہوں اور تم ابھی تک سمجھنے میں نہیں آتے۔ میرے سامنے کوئی آٹھ دس برس کا بچہ لے آؤ، میں یہ باتیں اُس کے سامنے دُہرا دیتا ہوں تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ وہ بچہ میری بات کو کتنی جلدی سمجھ لیتا ہے مگر کیا میرے تین سالہ خطبات بھی تمہیں میرے منشاء سے آگاہ نہیں کر سکے۔

پس میں پھر ایک دفعہ کھول کھول کر بتا دیتا ہوں کہ شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں۔ یا انسان کو مرنا آتا ہو یا انسان کو مارنا آتا ہو۔ ہمارا طریقہ مرنے کا ہے مارنے کا نہیں۔ ہم کہتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے ابھی اِس مقام پر رکھا ہوا ہے کہ مر جاؤ مگر اپنی زبان نہ کھولو۔ کیا تم نے جہاد پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم نہیں پڑھی؟ اس میں کس وضاحت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ہے کہ اگر جہاد کا موقع ہوتا تو خدا تعالیٰ تمہیں تلوار کیوں نہ دیتا۔ اُس کا تلوار نہ دینا بتاتا ہے کہ یہ تلوار سے جہاد کا موقع

نہیں۔اسی طرح اگر تمہارے لئے مارنے کا مقام ہوتا تو تمہیں اس منہ کے توڑنے کی طاقت اور اس کے سامان بھی ملتے جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی جاتی ہیں۔مگر تمہیں اِس کی توفیق نہیں دی گئی اور وہ سامان نہیں دیئے گئے۔پس معلوم ہوا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے یہی مقام مقدر کیا ہے کہ تم گالیاں سنو اور صبر کرو۔اور اگر کوئی انسان سمجھتا ہے کہ اس میں مارنے کی طاقت ہے تو میں اسے کہوں گا اے بے شرم! تُو آگے کیوں نہیں جاتا اور اُس منہ کو کیوں توڑ نہیں دیتا جس منہ سے تو نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلوائی ہیں۔گندے سے گندے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہے جاتے ہیں۔تم خود دشمن سے وہ الفاظ کہلواتے ہو اور پھر تمہاری تگ و دو یہیں تک آ کر ختم ہو جاتی ہے کہ گورنمنٹ سے کہتے ہو کہ وہ تمہاری مدد کرے۔گورنمنٹ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ تمہاری مدد کرے۔کیا اُس کا اور تمہارا مذہب ایک ہے؟ یا اس کی اور تمہاری سیاست ایک ہے؟ یا اس کا نظام تمہارے نظام سے ملتا ہے؟ پھر گورنمنٹ تمہاری کیوں مدد کرے۔ گورنمنٹ اگر ہمدردی کرے گی تو اُن لوگوں سے جو تمہارے دشمن ہیں کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور تم اقلیت میں اور گورنمنٹوں کو اکثریت کی خوشنودی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس گورنمنٹ کو تم سے کس طرح ہمدردی ہوسکتی ہے۔اُس کو تو اُسی وقت تک تمہارے ساتھ ہمدردی ہوسکتی ہے جب تک تم خاموش رہو اور دشمن کے مقابلہ میں صبر سے کام لو اور اِس صورت میں بھی صرف شریف حاکم تمہاری مدد کریں گے اور کہیں گے انہوں نے ہمیں فتنہ وفساد سے بچالیا۔مگر یہ خیال کرنا کہ گورنمنٹ اُس وقت مدد کرے جب دشمن تم کو گالیاں دے رہا ہو اور تم جواب میں اُسے گالیاں دے رہے ہو نادانی ہے۔اُس وقت اُس کی ہمدردی اکثریت کے ساتھ ہوگی کیونکہ وہ جانتی ہے اقلیت کچھ نہیں کرسکتی۔پس گورنمنٹ سے اسی صورت میں تم امداد کی توقع کرسکتے ہو جب خود قربانی کر کے لڑائی اور جھگڑے سے بچو اور اُس وقت بھی صرف شریف افسر تم سے ہمدردی کریں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے ہماری بات مان لی اور خاموش رہ کر اور صبر کر کے فتنہ وفساد کو بڑھنے نہ دیا مگر رذیل حکام پھر بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے اور کہیں گے کیا ہوا اگر دشمن کا تھپڑ اُنہوں نے کھالیا۔وہ زیادہ

تھے اور یہ تھوڑے۔ اگر اکثریت سے ڈر کر تھپڑ کھا لیا ہے تو یہ کوئی خوبی نہیں۔ پس وہ تمہارے صبر کو بُزدلی پر محمول کریں گے اور تمہاری خاموشی کو کمزوری کا نتیجہ قرار دیں گے۔ پس تمہارا گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنا بالکل بے سُود ہے اور مجھے تمہاری مثال ویسی ہی نظر آتی ہے جیسے پہلے زمانہ میں جب یہ معلوم نہ تھا کہ کشمیری فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں۔

ایک دفعہ سرحد پر لڑائی ہوئی اور حکومت انگریزی نے مہاراجہ صاحب جموں سے کہا کہ اپنی فوج میں سے ایک دستہ ہماری فوج کے ساتھ روانہ کر دیں۔ اُنہوں نے ایک کشمیری دستہ کو تیار ہو جانے کا حکم دے دیا جب وہ تیار ہو گئے تو کشمیری افسر ایک وفد کی صورت میں مہاراجہ صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم نے اتنی مدت تک آپ کا نمک کھایا ہے ہمیں لڑائی سے ہرگز انکار نہیں، ہم ہر وقت جانے کیلئے تیار ہیں صرف ایک ہماری عاجزانہ التماس ہے اور وہ یہ کہ سُنا ہے پٹھان سخت وحشی ہوتے ہیں آپ ہمارے ساتھ کچھ سپاہی کر دیں جو ہماری جانوں کی حفاظت کریں۔ تم بھی خدا کے سپاہی کہلاتے ہو مگر انگریزی سپاہیوں کے پہرے میں کام کرنا چاہتے ہو۔ پھر تم سے زیادہ بے غیرت اور کون ہوسکتا ہے۔ اِس وقت تم سب اِس مثال کے سننے پر ہنس پڑے ہو مگر کیا تمہاری بھی یہی حالت نہیں؟ تم کہتے ہو دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں مگر انگریزی سپاہیوں کی حفاظت میں۔ اگر واقعہ میں تم خدا تعالیٰ کے سپاہی ہو اور اُس کے دشمن کے مقابل پر کھڑے ہو تو پھر تمہیں کسی حفاظت کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تم میرے بتائے ہوئے طریق کے ماتحت صبر اور شکر کرو پھر خدا تعالیٰ کے سپاہی آپ تمہاری مدد کیلئے آسمان سے اُتریں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک دفعہ ایک مقدمہ ہوا۔ جس مجسٹریٹ کے پاس وہ مقدمہ تھا اُس پر لاہور کے بعض آریوں نے سخت زور ڈالا کہ جس طرح بھی ہو سکے تم کسی نہ کسی طرح مرزا صاحب کو سزا دے دو اور اِس قدر اصرار کیا کہ آخر اس نے وعدہ کر لیا کہ میں کچھ نہ کچھ سزا انہیں ضرور دے دوں گا۔ ایک ہندو دوست جو اس مجلس میں موجود تھے انہوں نے یہ تمام حالات ایک احمدی وکیل کے پاس بیان کئے اور کہا کہ میں خود اس مجلس میں موجود تھا آریوں نے بہت اصرار کیا اور آخر مجسٹریٹ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں ضرور

حضرت مرزا صاحب کو کچھ نہ کچھ سزا دے دوں گا۔ وہ احمدی وکیل گھبرائے ہوئے گورداسپور آئے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن دنوں گورداسپور میں ہی تھے میں وہاں موجود نہیں تھا لیکن جو دوست وہاں موجود تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اُس دوست نے آ کر ذکر کیا کہ حضور! ہمیں کوئی فکر کرنا چاہئے اس مجسٹریٹ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ کو ضرور سزا دے۔تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ آخر انہوں نے دوبارہ اور سہ بارہ یہی بات دُہرائی اور کچھ اور دوست بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے اور سب نے کہا کہ اب ضرور کوئی فکر کرنا چاہئے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔آپ نے جب متواتر یہ بات سنی تو آپ نے چارپائی سے سر اُٹھایا اور لیٹے لیٹے کہنی پر ٹیک دے کر بڑے جلال سے فرمایا وہ مجسٹریٹ ہوتا کیا چیز ہے وہ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے۔

پس کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر خدا تمہارے ساتھ ہو تو یہ مجسٹریٹ اور افسر اور پولیس کے آدمی تمہیں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ ہاں تمہیں اُس تعلیم پر عمل کرنا چاہئے جو خدا تعالیٰ کے مامور نے تمہیں دی اور جو یہ ہے کہ ؎

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دُکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

اور جو تعلیم قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے دی ہے کہ جب کسی مجلس میں خدا اور اُس کے رسول کو گالیاں دی جاتی ہوں تو وہاں سے اُٹھ کر چلے آؤ اور بے غیرت مت بنو۔ مگر تمہاری غیرت کا یہ حال ہے کہ اِدھر ہم منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے جلسہ میں کوئی نہ جائے اور اُدھر تم میں سے کوئی کونوں میں چھپ کر ان کی تقریریں سنتا ہے، کوئی کسی ہمسایہ کے مکان پر چڑھ کر وہاں سے تقریریں سنتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے دل میں یہ گدگدی اُٹھ رہی ہوتی ہے کہ کسی طرح جائیں اور گالیاں سنیں۔ کیا تم نے کبھی مجھے بھی دیکھا کہ میں ان جلسوں میں گیا ہوں؟ پھر کیا تمہارے سینہ میں ہی دل ہے میرے سینہ میں نہیں۔ پھر تم کو کیوں شوق آتا ہے کہ جاؤ اور گالیاں سنو۔ اِسی وجہ سے کہ تمہارے دلوں میں غیرت نہیں اور

جب میں یہ کہتا ہوں کہ تمہارے دلوں میں غیرت نہیں تو اِس سے مراد وہی خاص لوگ ہیں جو بڑھ بڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور پھر قابل شرم بے غیرتی کا نمونہ دکھاتے ہیں۔ پس تمہارا گالیاں سننا بتاتا ہے کہ تمہارے دل مردہ ہو چکے ہیں۔ تم بے ایمانی کے ساتھ ایمان کا جبہ پہن کر نکلے ہو اور تمہاری غرض محض تماش بینی ہے۔ ایسے لوگ اُس وقت بھی تماش بین ہوتے ہیں جب وہ ہماری مجلسوں میں شور مچارہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت کی حفاظت ہونی چاہئے۔ اور جب وہ اُس مجلس میں جاتے ہیں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی جاتی ہیں تو وہاں بھی ان کی حیثیت ایک تماش بین کی سی ہوتی ہے اور یقیناً ایسے لوگ اپنی قوم کیلئے عار اور ننگ کا باعث ہوتے ہیں۔

پھر میں تمہیں کہتا ہوں تم اپنے آپ کو باغیرت کہتے ہو اور تم سمجھتے ہو کہ تم سلسلہ کیلئے قربانی دینے والے ہو مگر تمہارے پاس اِس الزام کا کیا جواب ہے کہ جب آریوں کا پروسیشن نکل رہا تھا تو تم میں سے ایک شخص نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ اس میں غیرت کا کونسا سوال تھا؟ کیا دوسری قوموں کا حق نہیں کہ وہ بھی اپنے بزرگوں کے حق میں نعرے لگائیں؟ تم کہتے ہو لوگ ہم پر جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ ہم میں سے کسی نے ''لیکھرام مُردہ باد'' کا نعرہ لگایا تھا۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے کہ تم میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا مگر تم انصافاً آپ ہی بتاؤ کہ جس وقت تمہارا پروسیشن نکل رہا ہو اور تم محمد زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہو تو اُس وقت اگر کوئی شخص ابوجہل زندہ باد کا نعرہ لگا دے تو تمہارے تن بدن میں آگ لگ جائے گی یا نہیں؟ اگر لگ جائے گی تو تمہیں سمجھنا چاہئے کہ تمہارے دشمن کے سینہ میں بھی دل ہے۔ اور اُس کا دل بھی اُس وقت دُکھتا ہے جب تم اُس کے مظاہرہ کے وقت میں مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہو۔ پس تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے مُردہ باد نہیں کہا تھا، زندہ باد کہا تھا۔ سوال یہ نہیں کہ تم نے کیا کہا بلکہ سوال یہ ہے کہ ایسے موقع پر زندہ باد کا نعرہ لگانا بھی دوسرے کو چڑانا اور اسے تکلیف دینا ہوتا ہے۔ جس وقت تم اپنا پروسیشن نکال رہے ہو اور سلسلہ کی تعریف میں نعرے لگا رہے ہو اُس وقت اگر کوئی شخص لیکھرام زندہ باد یا ثناء اللہ زندہ باد کا نعرہ لگا دے تو ایمان سے کہو کہ تمہیں غصہ آئے گا یا نہیں؟ آئے گا اور

ضرور آئے گا۔ پھر کیا تمہارے ہی سینہ میں دل ہیں اور تمہارے دشمن کے سینہ میں دل نہیں کہ تمہیں تو ایسے نعرے بُرے لگ سکتے ہیں مگر انہیں بُرے نہیں لگ سکتے ہیں۔ میں تو حیران ہوتا ہوں جب میں یہ بحث سنتا ہوں کہ ہم نے مرزا غلام احمد زندہ باد کہا تھا۔ لیکھرام مردہ باد تو نہیں کہا تھا حالانکہ سوال زندہ باد کہنے کا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ وہ زندہ باد کا نعرہ کس موقع پر لگایا تھا۔ کیا وہ تمہارا جلسہ تھا؟ اگر تم اپنے جلسہ میں اس قسم کا نعرہ لگاتے تو یہ ایک معقول بات سمجھی جاسکتی تھی مگر غیر کے جلسہ یا جلوس میں نعرے لگانا صریح اشتعال دلانے والی حرکت تھی۔ پس یہ بحث ہی کیا ہوئی کہ ہم نے لیکھرام مردہ باد نہیں کہا، مرزا غلام احمد زندہ باد کہا۔ اُس وقت مرزا غلام احمد زندہ باد کہنا بھی لیکھرام مردہ باد کہنے کے مترادف تھا۔ یاد رکھو جب کوئی قوم اپنے کسی لیڈر کے اعزاز میں پروسیشن نکال رہی ہو تو اس وقت تمہارا کوئی حق نہیں کہ تم اُس میں دخل دو اور اگر تم اپنے لئے یہ بات جائز سمجھتے ہو تو پھر دشمن کا بھی حق ہوگا کہ وہ تمہارے پروسیشن میں لیکھرام زندہ باد کے نعرے لگائے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ لیکھرام مُردہ باد کا نعرہ لگایا گیا تھا انہوں نے جھوٹ بولا۔ کیونکہ اِس وقت تک کوئی گواہی ایسی نہیں ملی جس سے یہ الزام ثابت ہوا ہو۔ علاوہ ازیں جب وہ شخص جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے قسم کھا کر کہہ چکا ہے کہ میں نے اِس قسم کا نعرہ نہیں لگایا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اُس کی قسم کو تسلیم کریں۔ پس یہ جو کہا گیا کہ احمدیوں کی طرف سے لیکھرام مردہ باد کا نعرہ لگایا گیا یہ جھوٹ کہا گیا اور اس میں کسی قسم کی سچائی نہیں۔ یہ کہنا کہ پولیس کی ڈائری میں یہ لکھا ہوا ہے یہ بھی کوئی معقول ثبوت نہیں۔ پولیس والے بیسیوں جھوٹ بول لیتے ہیں اور جب وہ انہی کے چٹے بٹے ہیں تو ان سے ہم سچائی کی توقع کس طرح رکھ سکتے ہیں۔ پھر جس شخص کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے لیکھرام مردہ باد کا نعرہ لگایا جب وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے ایسا نعرہ نہیں لگایا تو اب اِس کے بعد تصفیہ کی صورت یہی رہ جاتی ہے کہ پولیس والے قسم اُٹھا لیں کہ واقعہ میں لیکھرام مردہ باد کا نعرہ لگایا گیا تھا پھر خدا خود فیصلہ کر دے گا کہ کس نے سچ بولا اور کس نے جھوٹ۔

پولیس کی ڈائریوں کا تو یہ حال ہے کہ گزشتہ سالوں میں جب یہ الزام لگایا گیا کہ احمدی

لیکچراروں نے ڈپٹی کمشنر کو حرامزادہ کہا ہے تو پولیس کے جس آدمی نے یہ رپورٹ کی تھی اُسے جب کہا گیا کہ ڈپٹی کمشنر چھوڑ کسی کو بھی کسی احمدی لیکچرار نے حرامزادہ نہیں کہا پھر تم نے ایسا کیوں لکھا؟ تو وہ کہنے لگا یہ ایک راز کی بات ہے میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ پھر کم سے کم بیس فیصلے ہائی کورٹ کے مَیں ایسے پیش کرسکتا ہوں جن میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ پولیس والوں نے جھوٹ بولا۔ پس ہم کہتے ہیں یہ الزام بالکل جھوٹا ہے۔ جس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے وہ قسم اور غلیظ قسم کھا کر اپنے کو بری ثابت کر چکا ہے اور اگر یہ جھوٹی قسم ہے تو اس کے مقابلے میں دوسرا شخص جسے یہ یقین ہے کہ واقعہ میں لیکھرام مردہ باد کا نعرہ لگایا گیا کیوں ایسی ہی قسم نہیں کھا لیتا۔ پھر یہ بھی تو غور کرنا چاہئے کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی مخالف نے خود اِس قسم کا نعرہ لگا دیا ہوتا کہ فتنہ پیدا ہو جائے۔

پس قسمیہ طور پر اس بات کو بیان کر دینے کے بعد کہ لیکھرام مردہ باد کا نعرہ نہیں لگایا گیا ہم اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ یہ الزام درست ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اس موقع پر مرزا غلام احمد زندہ باد کہنا بھی فتنہ پیدا کرنے کا موجب تھا۔ ہماری جماعت بھی اپنے جلوسوں میں زندہ باد کے نعرے لگایا کرتی ہے۔ ایسے مواقع پر اگر مقابل کا فریق بھی نعرے لگانا شروع کر دے تو فساد ہوگا یا نہیں۔ پس میں تو ہرگز نہیں سمجھتا کہ جس چیز کو ہم اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے وہ دوسروں کیلئے جائز سمجھیں۔ بحیثیت انسان ہونے کے ہندو بھی وہی حق رکھتے ہیں جو ہم رکھتے ہیں بلکہ سکھوں اور ہندوؤں کو جانے دو چوڑھوں کا بھی انسان ہونے کے لحاظ سے وہ حق ہے جو ایک مسلمان یا سکھ یا ہندو کا ہے۔ اور ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ ہمیں تو فلاں حق حاصل ہے مگر ہندوؤں یا سکھوں یا چوڑھوں کو حاصل نہیں۔ جو حق ہمیں حاصل ہوگا وہ دوسروں کو بھی حاصل ہوگا اور جو بات ہمیں بُری معلوم ہوتی ہو ہم کو چاہئے کہ دوسرے کے حق میں بھی اِس طرح نہ کریں۔ آج ہی اگر میں ایک میٹنگ کر کے لوگوں کے سامنے یہ بات پیش کروں کہ جب آپ لوگ کہتے ہیں ''محمدؐ زندہ باد'' یا ''غلام احمد کی جے'' تو کیا آپ اُس وقت برداشت کریں گے کہ آپ کے جلوس میں ہی مخالف ابوجہل زندہ باد یا لیکھرام زندہ باد کے نعرے لگائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ سَو فیصدی لوگ اشتعال میں آ جائیں

گے اور وہ کہیں گے کہ ہم اپنے جلسہ یا جلوس میں اس قسم کے نعرے ہرگز نہیں سُنیں گے۔ پس اگر تم اپنے جلسوں اور جلوسوں میں ان نعروں کو سننے کیلئے تیار نہیں تو کیا تمہارا فرض نہیں کہ دوسروں کے جلسوں اور جلوسوں میں بھی تم اپنی زبانوں کو روکو اور اپنے جذبات پر قابو رکھو۔

پھر ایک اور موٹی بات ہے جس کی طرف ہمیں توجہ کرنی چاہئے اور وہ یہ کہ تم میں سے ایک شخص ایک مجرمانہ فعل کرتا ہے تو تم سب کو کیوں فکر پڑ جاتی ہے حالانکہ تمہارا فرض صرف اتنا ہے کہ تم مجرم کو مجرم قرار دے دو اور اس کے فعل سے اپنی بے تعلقی اور براءت کا اظہار کر دو۔ آج ہندوستان میں جس قدر فسادات ہیں ان کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص جُرم کرتا ہے اور اُس کی ساری قوم سمجھ لیتی ہے کہ شاید ہم پر الزام لگا ہے اور زخم کردہ قوم واقعہ میں بھی اس ساری قوم کو مجرم سمجھنے لگتی ہے۔ اگر تم بھی ایسا ہی کرو تو تم میں اور ان میں کیا فرق رہ جائے۔ اگر کسی نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا تو بیشک یہ فقرہ بالکل سچ تھا مگر سچے فقرے بھی بعض دفعہ فتنہ وفساد کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہی آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ہمارے رسول! بعض منافق تیرے پاس آتے اور قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تُو اللہ کا رسول ہے مگر اے ہمارے رسول منافق اس وقت جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ پس بعض لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کو رسول کہنا بھی جھوٹ تھا حالانکہ اس سے بڑھ کر سچی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے زمانہ میں کچھ لوگ تھے جنہوں نے ایک دفعہ کہا بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے[۵] مسلمانوں کے کام باہمی مشورہ سے ہونے چاہئیں۔ حضرت علیؓ سے کسی نے یہ بات کہی تو آپ نے فرمایا **كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ** [۶] کہ یہ بات تو سچی ہے مگر اس سے فساد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تو ہر سچی بات موقع ومحل کو مدنظر رکھے بغیر بیان کرنی جائز نہیں ہوتی۔ میاں اور بیوی کے تعلقات سے زیادہ حلال اور کونسا تعلق ہوسکتا ہے مگر کیا جائز ہے کہ انسان مخصوص تعلقات کا ذکر کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُس عورت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جو اپنے خاوند کے پاس جاتی اور پھر باہر جا کر اُس کے متعلق باتیں کرتی ہے مگر کیا وہ سچ نہیں ہوتا۔

غرض سچائی کے اظہار کیلئے بھی شرائط ہوتی ہیں اوران شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ہر شخص جس بات کو سچائی سمجھتا ہے وہ اس سچائی کے اظہار کا حق تو رکھتا ہے لیکن دشمن کی مجلس میں جب طبائع میں جوش ہوا ُسے اس کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ جب لوگ جلوس نکال رہے ہوتے ہیں اُس وقت ان کی ساری عقیدت جو اپنے پیشواؤں کے ساتھ وہ رکھتے ہیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہوتی ہے۔محرم میں جب شیعہ لوگ روتے پیٹتے ہیں، سنّی بھی شیعہ ہوجاتے اوران میں سے اکثر ان میں شامل ہوجاتے ہیں۔کسی عقلمند کا مقولہ ہے کہ مسلمان گیارہ مہینے سنّی رہتے ہیں اور بارہویں مہینہ سب شیعہ بن جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ بات بالکل درست ہے۔جس وقت شیعہ لوگ ''یاحسین یاحسین'' کے نعرے لگاتے ہیں تو واقعاتِ کربلا کی یاد سنیوں کی عقلوں پر بھی پردہ ڈال کر انہیں شیعہ بنادیتی ہے اوراپنی سُنیّت انہیں بھول جاتی اورشیعیت ان پر غالب آجاتی ہے۔اسی طرح جس وقت ہندو یا سکھ جلوس نکال رہے ہوتے ہیں ان کی عقیدت کا جوش انتہاء تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اُس وقت اگر کوئی مخالف اپنے عقیدہ کا اظہار کرتا ہے تو گو وہ ایک سچائی ہی ہومگر چونکہ اس سے دوسرے کی دل آزاری ہوتی ہے اس لئے وہ مجرم ہے اوراس کی جماعت کا کوئی حق نہیں کہ اس سے ہمدردی کرے۔

درحقیقت میں تو اب کچھ مدت سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ تمام جلوسوں کو بند کردے۔جلوسوں کی وجہ سے ہندوستان میں بڑے بڑے فساد ہوتے ہیں۔ جب جلوس نکلتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک آفت آگئی۔ اِدھر جلوس والوں میں جوش ہوتا ہے اُدھر جلوس کو دیکھ کر مخالفوں کے دلوں میں غیظ وغضب بھڑک اُٹھتا ہے اور بسااوقات فساد اورکشت وخون تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔پس ہندوستان کے امن کی راہ میں جلوس ایک خطرناک روک ہیں اور گورنمنٹ کو چاہئے کہ وہ ان جلوسوں کو بند کردے۔اگر گورنمنٹ جلوسوں کے متعلق کوئی ایسا عام فیصلہ صادر کردے کہ کسی کو بھی جلوس نکالنے کی اجازت نہ ہوگی تو میں اپنی جماعت کی طرف سے حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس کے خلاف نہ صرف کوئی پروٹسٹ نہیں کریں گے بلکہ حتّی الاِمکان اس کی مدد کریں گے۔کیونکہ اس

زمانہ میں جلوس سخت فسادات کا موجب بنے ہوئے ہیں۔
پس تم میں سے جس شخص نے بھی یہ نعرہ لگایا اُس نے سخت غلطی کی اور ایک مجرمانہ فعل کا ارتکاب کیا۔ میں بتا چکا ہوں کہ یہ کوئی سوال نہیں کہ نعرہ کیا لگایا گیا اور میں تو یہاں کے لوگوں کے خطوں کو پڑھ پڑھ کر سفر میں حیران ہوتا رہا کہ یہ کیا لکھا ہوتا ہے کہ پولیس کا الزام غلط ہے۔ ایک شخص نے مرزا غلام احمد زندہ باد کا نعرہ لگایا تھا، لیکھرام مردہ باد کا نعرہ اس نے نہیں لگایا، مجھے ان دونوں فقرات میں فرق تو نظر آتا ہے مگر مجھے ان میں سے کسی کے جواز کی بھی دلیل نظر نہیں آتی۔ میرے نزدیک تو یہ کہنا کہ لیکھرام مردہ باد ہم نے نہیں کہا مرزا غلام احمد زندہ باد ہم نے کہا۔ ویسی ہی بات ہے جیسے میری ایک بھانجی کو ایک اُستاد پڑھایا کرتا تھا۔ بچی بہت چھوٹی تھی۔ اُسے آداب کا کوئی پتہ نہ تھا۔ ایک دن اس نے کسی لڑکی کے منہ سے گدھی کا لفظ سنا اسے یہ لفظ بہت پسند آیا اور جب اُستاد اُسے پڑھانے آیا اور کسی بات پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی ''ددھی'' یعنی تو گدھی ہے بوجہ زبان کے صاف نہ ہونے کے گدھی کی جگہ اُس نے ''ددھی'' کہا۔ اُستاد نے اس کے والد کے پاس شکایت کی کہ آپ کی لڑکی نے آج مجھے گدھی کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے کہیں سے گدھی کا لفظ سنا ہے اور اب یہ گالی اس کی زبان پر چڑھ گئی ہے۔ باپ نے لڑکی کو بُلایا۔ چونکہ واقعہ تازہ ہی تھا اس لئے وہ سمجھ گئی کہ ضرور اِسی بات کی وجہ سے مجھے بلایا گیا ہے۔ وہ ڈرتی ڈرتی اور کانپتی کانپتی آئی اور کہنے لگی ددھی نہیں ددھا یعنی میں نے گدھی کہنے میں غلطی کی اصل میں مجھے گدھا کہنا چاہئے تھا۔ اُس نے سمجھا شاید غلطی اِس میں ہوئی ہے کہ میں نے مرد کو گدھی کہہ دیا حالانکہ اسے گدھا کہنا چاہئے تھا اور اسے یہ خیال ہی نہ آیا کہ مجھے ان میں سے ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہئے تھا۔ یہی مثال اس شخص پر صادق آتی ہے جس نے یہ حرکت کی ہے۔ اس موقع کے لحاظ سے یہ دونوں فقرے جو زیر بحث ہیں نامناسب تھے اور نہیں کہنے چاہئیں تھے۔ پس تم اپنے جذبات کو روکنے کی عادت ڈالو اور لوگوں کے احساسات کا خیال رکھو۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ہم انتہائی کوشش کر کے دشمن کو جب اس مقام پر لے آتے ہیں جہاں وہ مجرم ثابت ہونے والا ہوتا ہے اور اس کی سَو گالیاں پکڑ لیتے ہیں تو جھٹ تم میں سے ایک شخص کوئی سخت لفظ کہہ دیتا ہے اور

خواہ وہ گالی نہ ہو محض ایک سخت لفظ ہو حکومت ان کی سَو گالیوں کو پرے پھینک کر کہہ دیتی ہے کہ آپ کے آدمی نے بھی یہ گالی دی ہے۔ پس تمہارے اس ایک آدمی کی غلطی کی وجہ سے حکام ایک عرصہ تک یہی دُہراتے چلے جاتے ہیں کہ آپ کے آدمی نے بھی یہی بات کہی تھی اوراس طرح ہماری ساری سکیم تم میں سے ایک شخص جوش میں آ کر تباہ کر دیتا ہے اور جب بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں اب ضرب لگانے کا وقت ہے، ہماری جماعت کا کوئی شخص اپنی بیوقوفی سے اُس ضرب کو اپنے اوپر لے لیتا اور بنی بنائی سکیم کو بگاڑ دیتا ہے۔

پس میں پھر جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میری یہ باتیں سمجھنی مشکل نہیں۔تم میں سے جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ یہ باتیں مشکل ہیں اور جلدی سمجھ میں نہیں آ سکتیں وہ کوئی آٹھ دس سال کا بچہ میرے سامنے لے آئے، میں اُسے یہ تمام باتیں سمجھا کر بتا دیتا ہوں۔ پھر اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر تم لوگ نہ سمجھو تو سوائے اس کے اور کیا معنے ہوں گے کہ تم چاہتے ہی نہیں کہ سمجھو اور میری باتوں پر عمل کرو۔ میں سوئے ہوئے کو تو جگا سکتا ہوں مگر جو جاگ رہا ہو اور یونہی آنکھیں بند کر کے پڑا ہوا ہو، اُسے کس طرح جگا سکتا ہوں۔ اس کے متعلق تو میرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ میں خدا سے ہی کہوں کہ خدایا! مجھے اِس نادان دوست سے بچا کہ یہ میرے کام میں روک بنا ہوا ہے۔

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۱۴۳ تا ۱۶۴ء)

---

۱ چَوری: چَوری جھلنا یعنی پنکھا ہلانا

۲ بخاری کتاب الجھاد باب یقاتل من وراء الامام ویتقٰی بہٖ

۳ التوبۃ: ۶۱

۴ خنثون: خنثیٰ کی جمع خناث: ہیجڑے

۵، ۶ تاریخ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۳۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے خط کا جواب

خطبہ جمعہ ۱۶؍ جولائی ۱۹۳۷ء میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے تیسرے خط کے جواب میں حضور فرماتے ہیں:۔

''تیسرے خط میں شیخ صاحب نے لکھا ہے کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے اب آپ سے نرمی کرنا سلسلہ کے ساتھ غداری ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ دو سال تک یہ مسئلہ کیوں نہ سُوجھا۔ ۱۳ روز کے اندر اندر ہی یہ رموز اِن پر کھلے، دو سال پہلے کیوں نہ کھلے۔ اِس الزاموں والے خط میں بعض جگہ تو الزام نمایاں ہیں گو مجمل اور تشنہء تفصیل اور بعض جگہ یہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ وہ کہتے کیا ہیں۔ ان دونوں طریقوں سے صاف پتہ لگتا ہے کہ پہلا خط اِس غرض سے تھا کہ دھمکیوں سے ڈر کر میں اِن کی بات مان لوں اور وہ جو چاہیں مجھ سے کرا سکیں۔ جیسے دلی میں بادشاہ گر ہوتے تھے یہ خلیفہ گر بننا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ظاہر میں تو میں لیکن باطن میں وہ خلیفہ ہوں۔ مگر انہیں کیا معلوم کہ خدا اور انسان کے بنائے ہوئے خلفاء میں کیا فرق ہوتا ہے۔ خدا کا بنایا ہوا خلیفہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ کیا میں اس بات سے ڈر جاؤں گا کہ لوگ مرتد ہو جائیں گے؟ جس کے لئے ارتداد مقدر ہے وہ کل کی بجائے بیشک آج ہی مرتد ہو جائے، مجھے کیا فکر ہے۔ میں جب جانتا ہوں کہ میں خدا کا بنایا ہوا خلیفہ ہوں تو خواہ ایک آدمی بھی میرے ساتھ نہ ہو تو بھی مجھے کیا ڈر ہے۔ جب خدا تعالیٰ خود مجھے تسلیاں دیتا ہے تو میں انسانوں سے کیوں ڈروں۔ اِدھر یہ لوگ مجھے ڈراتے اور اُدھر خدا تعالیٰ مجھے تسلیاں دیتا ہے۔ اِن چند روز میں اس کثرت سے مجھے الہام اور رؤیا ہوئے ہیں کہ گزشتہ دو سال میں اتنے نہ ہوئے ہوں گے۔ ابھی چند روز ہوئے کہ مجھے الہام ہوا جو اپنے اندر دعا کا رنگ رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''اے خدا! میں چاروں طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا ہوں تُو میری

مدد فرما‘‘۔اور پھراس کے تین چار روز بعد الہام ہوا جو گویا اس کا جواب ہے کہ ’’میں تیری مشکلات کو دُور کروں گا اور تھوڑے ہی دنوں میں تیرے دشمنوں کو تباہ کر دوں گا‘‘۔آخری الفاظ ’’تباہ کر دوں گا‘‘ یا ’’برباد کروں گا‘‘ یا ’’مٹا دوں گا‘‘ تھے، صحیح طور پر یاد نہیں رہے۔تو جب خدا تعالیٰ خود مجھے تسلیاں دیتا ہے تو میں بندوں سے کیوں ڈروں۔اور کیا ان واقعات کے بعد میں کسی بندے پر اعتماد کرسکتا ہوں؟ شیخ عبدالرحمٰن مصری میرے بچپن کے دوست تھے مگر آج ان کے اقرار کے بموجب وہ دو سال سے میرے خلاف مواد جمع کر رہے تھے مگر ہماری تازہ تحقیق کے مطابق اس سے بھی بہت پہلے سے کینہ دل میں چھپائے بیٹھے تھے۔ پھر میں کسی انسان پر کس طرح بھروسہ کرسکتا ہوں۔

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۲۸۴ تا ۲۸۵)

جو شخص خلافت کی مخالفت کرتا ہے وہ اسلام کی عملی زندگی پر تبر چلاتا ہے

(فرمودہ ۲۳؍ جولائی ۱۹۳۷ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں آج بہت زیادہ دیر سے آسکا ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ کل مجھے شدید سر درد کا دورہ ہوا اور اس کی وجہ سے میں رات بھر جاگتا رہا۔ صبح اُٹھ کر میں نے برومائیڈ پیا اور تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ پھر میں دفتر میں آیا اور کچھ دوست جو مجھ سے ملنے آئے ہوئے تھے، اُن سے ملا۔ اس کے بعد چونکہ بعض حوالے تاریخی کتب سے میں نے نکالنے تھے اِس لئے وہ حوالہ جات تلاش کرتا رہا اور ان سے ایسے وقت میں فارغ ہوا جبکہ غسل اور کھانے کے بعد نماز کو بہت دیر ہو جاتی تھی۔ چنانچہ میں نے جلدی جلدی ان دونوں کاموں سے فراغت پائی مگر پھر دیر ہو گئی۔

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے پچھلے جمعہ کے خطبہ میں مصری صاحب کے بعض ان اعتراضات کے جوابات دیئے تھے جو انہوں نے اپنے ایک اشتہار میں شائع کئے ہیں اور وہ اعتراض دو تھے۔ ایک تو یہ کہ جماعت نے بغیر تحقیق کئے انہیں گالیاں دی ہیں اور دوسرا یہ کہ جماعت نے ایک ایسے آدمی کو گالیاں دی ہیں جس نے جماعت کے مفاد کیلئے قربانی کی ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ ان کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ جماعت نے ان کو کوئی گالیاں نہیں دیں بلکہ انہوں نے جماعت کو گالیاں دیں اور جماعت نے جو کچھ جواباً کہا وہ

اس سے بہت کم ہے جو انہوں نے ہمارے متعلق کہا۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میں نے جماعت کیلئے قربانی کی ۔ وہ حالات سے مجبور ہو گئے تھے اس لئے وہ ہم سے علیحدہ ہوئے ورنہ انہوں نے پہلا خط جو مجھے لکھا اس سے ان کا مقصد ہرگز جماعت سے علیحدگی نہیں تھا بلکہ مجھے ڈرانا اور بعض باتیں مجھ سے منوانا تھا۔ لیکن جب ان کی وہ غرض پوری نہ ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ اب میرا اندرونہ بھی ظاہر ہو چکا ہے جس کے بعد میرا اس جماعت میں رہنا ناممکن ہے تو انہوں نے خود ہی اپنے تیسرے خط میں جماعت سے علیحدہ ہونے کا وقت مقرر کر دیا۔

اسی اشتہار میں انہوں نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ میرے متعلق کہا یہ جاتا ہے کہ میں جماعت سے الگ ہو گیا ہوں حالانکہ میں جماعت سے الگ نہیں ہوا، صرف بیعت سے الگ ہوا ہوں ۔ میں نے اس سوال کے اصولی حصہ کا جواب پہلے دے دیا ہے بلکہ ان کے اشتہار کے شائع ہونے سے بھی پہلے میرے ایک خطبہ میں ان کے اس اعتراض کا جواب آ چکا ہے اور وہ خطبہ آج کے الفضل میں چھپ بھی گیا ہے۔ آج میں ان کے بعض اُن دلائل کا جواب دینا چاہتا ہوں جو انہوں نے اس بارہ میں اپنے اشتہار میں دیئے ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں ''میں اس جگہ بعض دوستوں کے اس خیال کے متعلق بھی کہ خلیفہ سے علیحدگی جماعت سے علیحدگی کے ہی مترادف ہے کچھ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت نہیں کرتا یا بیعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ اصل سلسلہ سے بھی الگ ہو جاتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکرؓ کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی تو کیا کوئی ان کے متعلق یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ وہ اُس وقت تک اسلام سے خارج تھے؟ حضرت علیؓ کی بیعت مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ نے نہیں کی تھی تو کیا وہ سب اسلام سے خارج تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی تو کیا انہیں اسلام سے خارج سمجھتے ہو؟ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لینے کے بعد بیعت کو فسخ کر لیا مگر کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے۔ دوستو! یہ خیال کسی مصلحت کے ماتحت آج پیدا کیا جا رہا ہے ورنہ قرآن کریم ،

احادیث نبوی، عمل صحابہ کرام میں اِس کا نام ونشان بھی نہیں ملتا''۔

یہ گویا انہوں نے اِس بات کی تائید میں اپنی طرف سے دلائل دیئے ہیں کہ میں خلیفہ کی بیعت سے الگ ہوا ہوں جماعت سے الگ نہیں ہوا۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مصری صاحب نے اس جگہ دیدہ دانستہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ مجھے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ باوجود اس تمام مخالفت کے جو انہوں نے اختیار کی ہے، باوجود اس تمام عِناد کے جو انہوں نے ظاہر کیا ہے اور باوجود اس شدید دشمنی کے جس کے وہ مرتکب ہوئے ہیں، وہ احمدیت سے اتنے بے بہرہ ہو جائیں گے کہ چند دنوں کے اندر ہی اندر دیدہ دانستہ خلاف بیانی کے مرتکب ہونے لگ جائیں گے۔ چنانچہ میں ابھی ثابت کر دوں گا اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسا ثابت کر دوں گا کہ ایک جاہل سے جاہل اور اَن پڑھ سے اَن پڑھ انسان بھی یقینی طور پر سمجھ جائے گا کہ مصری صاحب نے قطعی طور پر جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

میرے اعلان کا مضمون یہ تھا کہ مصری صاحب ہماری جماعت سے الگ ہیں میں انہیں اپنی جماعت سے خارج سمجھتا اور ان کے خروج کا اعلان کرتا ہوں۔ مصری صاحب اس پر اعتراض یہ کرتے ہیں کہ میں نے جماعت سے نہیں بلکہ بیعت سے الگ ہونے کو کہا تھا۔ پس یہ مجھ پر غلط الزام ہے کہ میں نے جماعت چھوڑ دی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ الگ ہو گئے تھے مگر کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے۔ اب اس امر کو دیکھو کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ وہ جماعت سے الگ ہو گئے اور وہ مثال میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو پیش کرتے ہوئے دریافت یہ کرتے ہیں کہ کیا وہ اسلام سے نکل گئے تھے؟ یہ وہ دیدہ دانستہ دھوکا ہے جو انہوں نے لوگوں کو دیا۔ کیا ہماری جماعت آج قائم ہوئی ہے کہ ابھی تک ہم اپنی اصطلاحات کے مفہوم کو واضح نہیں کر سکے یا کیا مصری صاحب نئے آدمی ہیں کہ انہیں آج تک یہ علم نہیں ہو سکا کہ خلیفۂ وقت کی بیعت سے جب کوئی شخص الگ ہوتا ہے تو وہ احمدیت یا اسلام سے خارج نہیں سمجھا جاتا بلکہ جماعت سے علیحدہ سمجھا جاتا ہے۔ جماعت احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد خلافت کے سلسلہ میں منسلک ہوئے قریباً تیس سال گزر چکے ہیں۔ مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات پائی اور آج جولائی ۱۹۳۷ء ہے گویا ۲۹ سال اور کچھ مہینے سلسلۂ خلافت کو شروع ہوئے ہو چکے ہیں۔اس تیس سال کے عرصہ میں ان اصطلاحات کے متعلق ہماری جماعت کے خیالات بار بار ظاہر ہو چکے ہیں۔اگر کوئی نئی بات ہو تو انسان کہہ سکتا ہے کہ مجھے معاف فرمائیے مجھے چونکہ علم نہیں تھا اس لئے دھوکا کھایا۔مگر جس امر کے متعلق ۳۰ سال تک ہر ادنیٰ اعلیٰ، چھوٹا بڑا، عالم جاہل گفتگو کرتے چلے آئے ہوں اور بار بار اس کے متعلق جماعت کے خیالات ظاہر ہو چکے ہوں، اس کے متعلق ایک عالم کہلانے والا، ایک مولوی کہلانے والا، ایک تبلیغیں کرنے والا، ایک مناظرے کرنے والا، ایک بحثیں کرنے والا اور ایک مدرسہ دینیہ کا لمبے عرصہ تک ہیڈ ماسٹر رہنے والا اگر یہ کہے کہ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا، دراصل مجھے دھوکا لگ گیا تھا، تو کیا کوئی بھی عقلمند اس کے اس عذر کو تسلیم کرے گا؟ اگر مصری صاحب جب میری بیعت سے الگ ہوئے تھے، ہم ان کی نسبت کہتے کہ مصری صاحب غیر احمدی ہو گئے ہیں تب بیشک وہ کہہ سکتے تھے کہ میں نے تو صرف خلیفۂ وقت کی بیعت چھوڑی ہے اور آپ لوگ مجھے احمدیت سے ہی خارج سمجھنے لگ گئے ہیں۔یا اگر میں نے اپنی کسی تحریر یا تقریر میں ایک جگہ بھی یہ الفاظ استعمال کئے ہوں کہ مصری صاحب غیر احمدی ہو گئے ہیں تب تو بے شک وہ یہ مثال پیش کر سکتے اور کہہ سکتے تھے کہ جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ ہوئے تھے تو کیا وہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے؟ اگر نہیں تو پھر مجھے کیوں غیر احمدی کہا جاتا ہے۔لیکن ہم نے ایسا نہیں کہا۔ اگر کوئی شخص میری کسی تحریر یا تقریر سے اشارۃً یا وضاحتاً ظاہراً یا باطناً یہ ثابت کر دے کہ میں نے کہا ہو مصری صاحب احمدیت سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور اب وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تب بیشک یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بیعت سے علیحدگی اختیار کی ہے، احمدیت سے علیحدگی تو اختیار نہیں کی اور تب بیشک وہ خود بھی سوال کر سکتے تھے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت کو فسخ کر لیا تھا مگر کیا کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے۔لیکن جب میں نے ایک دفعہ بھی یہ الفاظ استعمال نہیں کئے اور نہ ہماری جماعت نے انہیں غیر احمدی کہا تو ان کا اپنے دعویٰ کے ثبوت

میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو پیش کرنا اور یہ دریافت کرنا کہ کیا وہ بیعت سے علیحدہ ہو کر اسلام سے نکل گئے تھے صریح دھوکا اور فریب نہیں تو اور کیا ہے۔ میں نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ جماعت سے الگ ہو چکے ہیں نہ یہ کہ وہ احمدیت یا اسلام سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔

اب دوسری صورت یہ ہوسکتی تھی کہ اگر ہماری جماعت کا یہ محاورہ ہوتا کہ جو شخص بھی ہماری جماعت میں نہیں وہ احمدی نہیں۔ تب بھی وہ کہہ سکتے تھے کہ گو تم نے یہ الفاظ نہ کہے ہوں کہ میں احمدیت سے خارج ہوں مگر چونکہ جماعت میں عام محاورہ یہی ہے کہ جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے اسے احمدی نہیں سمجھا جاتا، اس لئے میں نے دھوکا کھایا اور سمجھا کہ آپ مجھے احمدی نہیں سمجھتے۔ گو ہم پھر بھی مصری صاحب کو غلطی پر سمجھتے۔ کیونکہ جب ہم نے انہیں غیر احمدی نہ کہا ہوتا تو انکا کوئی حق نہ تھا کہ وہ خود بخود یہ قیاس کر لیتے کہ مجھے احمدی نہیں سمجھا جاتا۔لیکن بہرحال اس صورت میں کسی حد تک ہم سمجھ سکتے تھے کہ انہوں نے دھوکا کھایا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہماری جماعت میں نہ صرف یہ کہ یہ محاورہ نہیں بلکہ اس کے بالکل اُلٹ محاورہ رائج ہے۔آپ لوگوں میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ ۲۳ سال حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو وفات پائے گزر چکے ہیں۔اس ۲۳ سال کے عرصہ میں احمدیوں میں سے جن لوگوں نے میری بیعت نہیں کی وہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں اور گو ہم ان کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں مگر ہم یہ کبھی نہیں کہتے کہ وہ احمدی نہیں۔ ہم یہ تو کہا کرتے ہیں کہ مولوی محمد علی صاحب ہماری جماعت میں نہیں یا یہ تو ہم کہا کرتے ہیں کہ خواجہ کمال الدین صاحب ہماری جماعت میں نہیں مگر ہم یہ نہیں کہتے کہ مولوی محمد علی صاحب احمدی نہیں یا خواجہ کمال الدین صاحب احمدی نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ہماری جماعت کے کسی آدمی سے کہے کہ مولوی محمد علی صاحب کے پاس میری سفارش کر دیں تو وہ یہی کہے گا کہ مولوی محمد علی صاحب سے ہمارا کیا تعلق، وہ ہماری جماعت میں نہیں۔لیکن کیا آج تک ہم میں سے کسی شخص نے یہ کہا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب غیر احمدی ہیں؟ یقیناً ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جاسکتی کہ ہم میں سے کسی عالمِ دین نے اُن کو غیر احمدی کہا ہو۔پس ۲۳ سال کے عرصہ میں

سینکڑوں ہیں جو ہماری جماعت میں سے نکلے مگر کیا ہم ان کو بیعت نہ کرنے کی وجہ سے یا بعض کو بیعت توڑ دینے کی وجہ سے غیر احمدی کہتے ہیں؟ ہم انہیں احمدی ہی کہتے ہیں۔ گو ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ متفرق گروہ ہے۔ مگر بہرحال کہتے ہم انہیں احمدی ہی ہیں اور آج تک کسی ایک شخص نے بھی میرے منہ سے یہ نہیں سنا ہوگا کہ میں نے کہا ہو مولوی محمد علی صاحب غیر احمدی ہیں، خواجہ کمال الدین صاحب غیر احمدی تھے یا شیخ رحمت اللہ صاحب غیر احمدی تھے۔ پس ہم ۲۳ سال سے برابر یہ اقرار کرتے چلے آئے ہیں کہ گو بعض لوگ ہماری جماعت میں نہیں مگر ہیں وہ احمدی ہی۔ پس یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں تھا جو آج پیدا ہوا۔ اگر مصری صاحب پہلے احمدی ہوتے جس نے خلیفۂ وقت کی بیعت کو توڑا ہوتا تب تو کہا جا سکتا تھا کہ انہیں دھوکا لگ گیا مگر وہ بیعت توڑنے والوں میں سے پہلے نہیں بیسیوں احمدی ان سے پہلے بیعت توڑ چکے ہیں مگر ان کو اگر وہ اپنے آپ کو احمدی کہتے ہوں ہم نے کبھی نہیں کہا کہ وہ غیر احمدی ہو گئے تو آج مصری صاحب کو یہ شبہ کس طرح پڑ گیا کہ انہیں غیر احمدی کہا جاتا ہے۔ جب وہ ہم میں شامل تھے وہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ مولوی محمد علی صاحب ہماری جماعت میں نہیں، خواجہ کمال الدین صاحب ہماری جماعت میں نہیں مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ گو وہ ہماری جماعت میں نہیں مگر ہیں وہ احمدی ہی۔ اسی طرح شیخ رحمت اللہ صاحب اور سید محمد احسن صاحب امروہی کے متعلق بھی باوجود یہ کہنے کے کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں وہ یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ غیر احمدی ہیں۔ جو شخص ۲۳ سال خود یہ محاورہ استعمال کرتا رہا ہو اُس کا بیعت سے الگ ہوتے ہی یہ کہنا شروع کر دینا کہ مجھے جماعت سے الگ قرار دے کر غیر احمدی سمجھا جاتا ہے، سراسر دنیاداری اور چالاکی ہے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا سمجھنا کسی کیلئے مشکل ہو۔ تم کسی احمدی بچے کے پاس چلے جاؤ۔ ایک سکول کے احمدی طالب علم سے ہی دریافت کرلو کہ کیا مولوی محمد علی صاحب ہماری جماعت میں ہیں؟ وہ کہے گا نہیں پھر اس سے پوچھو کیا مولوی محمد علی صاحب احمدی ہیں؟ وہ کہے گا ہاں۔ بلکہ وہی طالب علم جنہیں وہ پڑھایا کرتے تھے ان سے سوال کر کے دیکھ لو کہ کیا مولوی محمد علی صاحب ہماری جماعت میں ہیں وہ کہیں گے نہیں پھر ان سے سوال کرو کہ کیا وہ احمدی ہیں وہ کہیں گے ہاں۔

اب دوسری موٹی مثال اس کی میں یہ دیتا ہوں کہ اسی منبر پر کھڑے ہوکر میں نے مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کی وفات پر اُن کا جنازہ پڑھنے کا علان کیا اور ساری جماعت کے ساتھ ان کا جنازہ پڑھا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہم نے کسی غیر احمدی کا بھی کبھی جنازہ پڑھا۔ ہم غیر احمدیوں کا جنازہ کبھی نہیں پڑھتے صرف احمدیوں کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ پس میرا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کا جنازہ پڑھنا بتاتا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو جو خلیفۂ وقت کی بیعت سے الگ ہو جائیں یا احمدی کہلا کر بیعت نہ کریں احمدی ہی سمجھتا ہوں۔ اور مصری صاحب تو میرے متعلق یہ اعلان کر رہے ہیں کہ میں انہیں معزول کراؤں گا۔ لیکن مولوی سید محمد احسن صاحب وہ تھے جنہوں نے میرے متعلق یہ اعلان کیا تھا کہ میں نے انہیں خلافت سے معزول کر دیا۔ پس وہ ہماری جماعت سے الگ ہو چکے تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ ہماری جماعت سے الگ تھے اور باوجود اس کے کہ انہوں نے میرے متعلق یہ اعلان کیا تھا کہ میں انہیں خلافت سے معزول کرتا ہوں، اُن کی وفات پر میں نے اُن کا جنازہ پڑھا اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر ہم انہیں غیر احمدی سمجھتے تو کبھی ان کا جنازہ نہ پڑھتے۔ لیکن جب میں نے مولوی سید محمد احسن صاحب کا جنازہ پڑھا تو اِس کے معنی یہی تھے کہ میں ان کو احمدی سمجھتا ہوں۔ پھر شیخ رحمت اللہ صاحب فوت ہوئے تو میں نے اُن کا جنازہ پڑھا، وہ بھی مبائع نہیں تھے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ ہماری جماعت میں شامل نہ تھے میں نے ان کا جنازہ پڑھا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ کسی شخص کے جماعت میں نہ ہونے کا ہم یہ مفہوم نہیں لیتے کہ وہ احمدی نہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ مبائع احمدی نہیں۔ یعنی خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت کرنے والی جماعت کا وہ حصہ نہیں وہ بیشک پہلے ہمارے ساتھ تھا مگر اب وہ کٹ گیا اور ہماری جماعت سے الگ ہو گیا ہے۔ تو یہ کتنا بڑا دھوکا ہے کہ ایک شخص ۲۳ سال ہمارے اندر رہتا ہے، جماعت کی اصطلاحات اور محاورات سے واقف ہے خود بھی یہ محاورہ استعمال کرتا رہتا ہے مگر جونہی وہ جماعت سے علیحدہ ہوتا ہے لوگوں کو دھوکا دینے کیلئے کہتا ہے مجھ پر اتہام لگایا جاتا ہے کہ میں احمدی نہیں رہا۔ سوال یہ ہے کہ کس نے تمہیں کہا کہ تم احمدی نہیں رہے۔ جب کسی نے بھی ایسا نہیں کہا تو تمہارا جماعت پر یہ الزام

لگانا بتاتا ہے کہ خود تمہارے دل میں کوئی شکوک پیدا ہوئے ہیں جن کو تم دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہو۔ ہمارا تو یہ طریق ہی نہیں کہ جب کوئی شخص ہماری جماعت میں سے الگ ہو تو اُس کے متعلق ہم یہ کہنا شروع کر دیں کہ وہ احمدی نہیں رہا۔ خواجہ کمال الدین صاحب کے متعلق بھی ہم یہی کہتے تھے کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی کے متعلق بھی یہی کہتے تھے کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ مولوی محمد علی صاحب کے متعلق بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ اسی طرح باقی تمام غیر مبائعین کے متعلق ہم یہی کہتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ ہاں ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سب احمدی ہیں اور ہم انہیں احمدی ہی سمجھتے ہیں گو احمدیہ جماعت میں نہیں سمجھتے۔ چنانچہ جب کبھی پیغامیوں اور ہماری جماعت میں مباحثہ ہو تو ہم انہیں یہی کہتے ہیں کہ جماعت تو ہماری ہی ہے جو ایک خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکی ہے تم لوگ پراگندہ اور متفرق ہو۔ تمہارا حق نہیں کہ تم اپنے آپ کو جماعت کہو۔

پھر میرے متعدد فتوے موجود ہیں جن میں دوستوں نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا غیر مبائعین کے پیچھے نماز جائز ہے؟ اور میں نے ہمیشہ انہیں یہی جواب دیا کہ جائز تو ہے مگر مکروہ ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم امام اُس شخص کو بناؤ جو تم میں سے اَتقٰی اور معزز ہو۔ وہ لوگ چونکہ خلیفۂ وقت کا انکار کر کے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [1] کے ماتحت آچکے ہیں اس لئے ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا پسندیدہ فعل نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہاں اگر کسی موقع پر مجبور ہو جاؤ تو نماز کے ادب کے لحاظ سے یہ جائز ہے کہ تم کسی غیر مبائع کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ لیکن کیا یہی فتویٰ ہم نے کبھی غیر احمدیوں کے متعلق بھی دیا ہے کہ اگر مجبور ہو جاؤ تو ان کے پیچھے نماز پڑھ لو۔ جب نہیں تو صاف معلوم ہوا کہ ہمارے نزدیک بیعت سے الگ ہونا اور چیز ہے اور احمدیت سے الگ ہونا اور چیز۔ اب باوجودیکہ پیغامیوں کو ہم اپنی جماعت میں نہیں سمجھتے، پھر بھی ہم انہیں احمدی ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ جماعت اور چیز ہے اور احمدیت اور چیز۔ جماعت متفرق ہو جاتی ہے مگر مذہب دنیا میں باقی رہتا ہے۔

خلافت راشدہ جب دنیا سے مٹی تو جماعت بھی ساتھ ہی مٹ گئی مگر اس کے ساتھ مذہب نہیں مٹا۔ بلکہ مسلمانوں کی کئی جماعتیں بن کر کوئی افغانستان میں قائم ہوگئی، کوئی ایران میں، کوئی عرب میں قائم ہوگئی اور کوئی سپین میں۔ پس باوجود اس کے کہ مسلمان دنیا میں متفرق ہوگئے مذہب ان کے پاس رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت موجود نہ ہو تو بیعت میں نہ شامل ہونے والے کا اور حال ہوتا ہے اور جب موجود ہو تو اَور ہوتا ہے۔ جس طرح پانی کی موجودگی میں تیمّم کرنے والے اور عدم موجودگی میں تیمّم کرنے والے میں فرق ہے۔ لیکن پھر بھی ہم یہ نہیں کہتے کہ جس نے بیعت توڑ دی وہ مسلمان نہیں رہا۔ ہاں اُس شخص کو گنہگار اور روحانیت سے دور ہو جانے والا ضرور قرار دیتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اگر اس کے نفس میں شرارت ہے تو وہ ایمان سے کسی دن محروم ہو جائے گا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء ہمارے ساتھ عقائد میں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے قائل نہیں۔ وہ آپ کے منکروں کے متعلق یقین رکھتے ہیں کہ ان میں بھی بزرگ اور نیک ہو سکتے ہیں۔ لیکن اِس وقت تک شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے کوئی ایسا اعلان نہیں کیا جس سے ظاہر ہو کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے قائل نہیں۔ پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ہم مولوی محمد علی صاحب کے متعلق تو یہ کہیں کہ وہ احمدی ہیں اور مصری صاحب کے متعلق یہ کہیں کہ وہ احمدی نہیں۔ جنہوں نے عقائد میں ہم سے بہت زیادہ اختلاف کیا جب ہم انہیں بھی آج تک احمدی کہتے رہے اور کہتے ہیں تو مصری صاحب کے متعلق یہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ چونکہ انہوں نے بیعت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اس لئے وہ احمدی نہیں رہے۔ پس یہ کیسی چالبازی ہے کہ کہا جاتا ہے ''حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لینے کے بعد بیعت کو فسخ کر لیا۔ مگر کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے''۔ یہ سوال تو تب ہوتا جب ہم کہتے کہ چونکہ مصری صاحب نے بیعت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اس لئے وہ غیر احمدی ہوگئے ہیں۔ لیکن جب ہم نے یہ کہا ہی نہیں تو ایک جھوٹی بنیاد پر لوگوں کو اشتعال دلانا صریح دھوکا دہی ہے جو انہوں

نے اختیار کی۔ غرض یہ بات جو کہی گئی ہے اس میں دیدہ دانستہ اور جانتے بُوجھتے ہوئے انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اگر غیر مبائعین کو ہم غیر احمدی کہا کرتے تب تو انہیں شبہ ہوسکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ مجھے بھی ان کی طرح غیر احمدی کہا جاتا ہے۔ مگر غیر مبائعین جو نہ صرف خلافت بلکہ نبوت میں بھی ہم سے اختلاف رکھتے ہیں، جب ہم نے انہیں بھی آج تک غیر احمدی نہیں کہا تو ان کو کس طرح احمدیت سے خارج قرار دے سکتے تھے اور جب ہم نے انہیں احمدیت سے خارج قرار نہیں دیا تو ان کا یہ کہنا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ ہوگئے تھے تو کیا وہ اسلام سے نکل گئے تھے، صریح غلط بیانی ہے جو انہوں نے لوگوں کو جوش دلانے کیلئے کی ہے۔

پس نہ کبھی ہم نے ان کو غیر احمدی کہا اور نہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے متعلق ہم نے کہا کہ وہ اسلام سے نکل گئے تھے بلکہ مصری صاحب سے زیادہ اختلاف رکھنے والوں یعنی غیر مبائعین کے متعلق بھی ہم نے کبھی نہیں کہا کہ وہ غیر احمدی ہوگئے ہیں۔ باوجودیکہ وہ ہم سے خلافت میں اختلاف رکھتے ہیں، امامت میں اختلاف رکھتے ہیں، نبوت میں اختلاف رکھتے ہیں، غیر احمدیوں کے جنازے پڑھنے اور ان سے رشتہ داری تعلقات قائم کرنے میں اختلاف رکھتے ہیں، کفر و اسلام میں اختلاف رکھتے ہیں پھر بھی ہم نے انہیں کبھی نہیں کہا کہ وہ غیر احمدی ہوگئے بلکہ ان کے پیچھے اشد ضرورت کے موقع پر نماز پڑھ لینے کے جواز کے متعلق میرے فتوے شائع شدہ موجود ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے جنازے پڑھنا میرے عمل اور طریق سے ثابت ہے۔ تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ مصری صاحب کی موجودہ حالت میں ہم انہیں غیر احمدی کہتے۔

اب میں ان روایات کو لیتا ہوں جو انہوں نے بیان کی ہیں۔ پہلی روایت انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکرؓ کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی[۲] یہ روایت صحیح ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں اس قسم کا ذکر آتا ہے مگر ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ مختلف فیہ روایت ہے یعنی یہ بھی روایت آتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت فوراً کر لی تھی[۳] اور یہ بھی روایت آتی ہے کہ انہوں نے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی۔ پس ایک روایت کو قائم کرنے اور اسے درست قرار دینے کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔ پھر جن روایات میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی اُنہی میں سے بعض میں (میں نے حضرت خلیفۂ اوّل سے سنا ہے) یہ بھی آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دستی بیعت میں نے ابتدائی چھ ماہ میں اس لئے نہ کی کہ حضرت فاطمہؓ اتنی شدید بیمار تھیں کہ میں انہیں چھوڑ کر نہیں آ سکتا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا یہی مذہب تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت فوراً ہی کر لی تھی۔

پس یہ دلیل کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی، اوّل تو یہ مکمل دلیل نہیں کیونکہ اس کے خلاف بھی روایات پائی جاتی ہیں۔ اور اگر بفرضِ محال دوسری روایت درست ہو تو پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ صرف حضرت فاطمہؓ کی شدید بیماری کی وجہ سے تیمارداری میں مشغول رہنے کے باعث وہ فوراً دستی بیعت نہیں کر سکے۔ اور یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص باہر ہو اور وہ کسی اشد مجبوری کی وجہ سے نہ آ سکے۔ ایسی حالت میں اگر وہ اپنے دل میں خلیفۂ وقت کی بیعت کا اقرار کر چکا ہے تو وہ بیعت میں ہی شامل سمجھا جائے گا۔

دوسری دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ مگر حضرت عائشہؓ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی، اوّل تو تاریخی طور پر ثابت نہیں اور میں نے یہ کہیں نہیں پڑھا کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ لیکن اگر بفرضِ محال اس امر کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ اُس زمانہ میں ہر فردِ واحد خلیفۂ وقت کی اصالتاً دوبارہ بیعت کیا کرتا تھا۔ ہمیں تو تاریخی کتب کے مطالعہ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں بڑے بڑے آدمی خلیفۂ وقت کی بیعت کر لیا کرتے تھے اور اُن کے بیعت کر لینے کی وجہ سے سارے علاقوں کی بیعت سمجھی جاتی تھی۔ صرف وہ لوگ خارج از بیعت سمجھے جاتے تھے جو خود بیعت کا انکار کریں ورنہ خاموشی اقرارِ بیعت قرار دی جاتی تھی۔ خصوصاً عورتوں کا

خلفاء کی بیعت کرنا یہ تفصیلاً ثابت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چونکہ مذہب کے بدلنے کا سوال ہوتا تھا اس لئے ہر فردِ واحد آپ کی بیعت کرتا تھا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاں تک تو میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر مرد، ہر عورت اور ہر بچہ نے خلفاء کی دوبارہ بیعت کی ہو بلکہ جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ شہر کے معزز مرد بیعت کرلیا کرتے تھے اور انہی کی بیعت میں عورتوں اور بچوں کی بیعت بھی شامل سمجھی جاتی تھی۔ یا ممکن ہے بعض عورتیں شوقیہ طور پر یا بعض مصالح کے ماتحت بیعت میں شامل ہو جاتی ہوں لیکن ملک کے تمام مردوں، تمام عورتوں اور تمام بچوں کے بیعت کرنے کا ثبوت کم از کم میری نگاہ سے کوئی نہیں گزرا۔ پس حضرت عائشہؓ کا بیعت نہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ عورتوں سے بلکہ دُور دراز کے مردوں سے بھی بیعت کا خاص تعہّد نہ ہوتا تھا۔ جب عام بیعت ہو جاتی تو باقی توابع اور عورتوں کی بیعت بیچ میں ہی شامل سمجھی جاتی تھی۔ ان حالات میں جب تک کوئی یہ ثابت نہ کردے کہ اُس زمانہ میں تمام عورتیں خلفاء کی بیعت کیا کرتی تھیں اور حضرت عائشہؓ نے بیعت نہ کی تھی اُس وقت تک حضرت عائشہؓ عنہا کے بیعت کا ثبوت تاریخ میں نہ ملنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ پھر صریح طور پر تاریخوں میں آتا ہے کہ گو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ابتدا میں مقابلہ کرنا چاہا تھا مگر جس وقت حضرت علیؓ کے لشکر اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے لشکر میں لڑائی ہوئی ہے، اُس وقت وہ لڑائی کیلئے نہیں بلکہ صلح کیلئے نکلی تھیں۔ چنانچہ جتنے معتبر راوی ہیں وہ تواتر اور تسلسل سے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ اِسی لئے نکلی تھیں کہ وہ دونوں لشکروں میں صلح کرائیں۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی اِس شرط پر بیعت کی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے جلد سے جلد بدلہ لیں گے۔ یہ شرط ان کے خیال میں چونکہ حضرت علیؓ نے پوری نہ کی اِس لئے شرعاً وہ اپنے آپ کو بیعت سے آزاد خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اِس سے قبل حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے جہاد کا اعلان کر چکی تھیں اور صحابہ کو اُنہوں نے اپنی مدد کیلئے طلب کیا تھا۔ اِس پر لوگوں کا ایک

حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہو گیا اور انہوں نے جنگ کیلئے ایک لشکر تیار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اِس بات کا علم ہوا تو آپ نے بھی ایک لشکر تیار کیا۔ لیکن جب دونوں لشکر اکٹھے ہوئے تو دوسرے صحابہ نے دونوں فریق کو سمجھانا شروع کیا اور آخر صلح کا فیصلہ ہو گیا۔ جب یہ خبر اس فتنہ کے بانیوں کو پہنچی تو اُنہیں سخت گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے مشورہ کیا کہ جس طرح بھی ہو صلح نہ ہونے دو کیونکہ اگر صلح ہوگئی تو ہمارے بھانڈے پھوٹ جائیں گے۔ چنانچہ جب رات ہوئی تو انہوں نے صلح کو روکنے کیلئے یہ تدبیر کی کہ ان میں سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے لشکر پر اور جو اُن کے لشکر میں تھے انہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر پر شبخون ماردیا اور ہر فریق نے یہ خیال کیا کہ دوسرے فریق نے اس سے دھوکا کیا ہے۔ اس پر جنگ شروع ہوگئی اور دونوں فریق کے سرداروں کو میدان میں نکلنا پڑا۔ یہ دیکھ کر بعض صحابہ اور رؤسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ اے عائشہؓ! آپ کے سوا آج اسلامی لشکر میں کوئی صلح نہیں کرا سکتا۔ آپ تشریف لائیں اور صلح کرائیں۔ چنانچہ وہ صلح کیلئے باہر نکلیں۔ یہ دیکھ کر اُن شریروں اور فتنہ پردازوں نے جو یہ چاہتے تھے کہ صلح نہ ہو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ اور ہودج پر تیر مارنے شروع کردیئے۔ اس پر وہ لوگ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار تھے، آپے سے باہر ہو گئے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے اِردگرد حلقہ باندھ لیا اور ان لوگوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر تیر چلا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک شخص ان لوگوں میں سے ایک شخص کے پاس گیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے اِردگرد حلقہ باندھے ہوئے تھا اور کہا کہ کیا تُو مسلمانوں کے اوپر تیر چلائے گا؟ وہ کہنے لگا خدا گواہ ہے میں مسلمانوں کے اوپر تیر نہیں چلانا چاہتا مگر میں اپنے آقا کی بیوی کو بھی یونہی نہیں چھوڑ سکتا۔ پس شرارتیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر تیر چلائے اور بعض صحابہ نے دفاع کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ ورنہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی

کیلئے نہیں نکلی تھیں بلکہ آپس میں صلح کرانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے والے لشکر کو سمجھانے کیلئے نکلی تھیں اور ان کا وہی فعل بیعت تھا۔

باقی رہا یہ کہنا کہ ''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے کے بعد بیعت کو فسخ کر لیا۔ مگر کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے''۔ میں اس کے متعلق بتا چکا ہوں کہ ہم نہ انہیں غیر مسلم کہتے ہیں اور نہ مصری صاحب کو غیر احمدی کہتے ہیں۔ ہاں اس سے یہ معلوم ضرور ہوتا ہے کہ انہیں غیر احمدی کہلانے کا شوق ہے اور شاید یہ پیش خیمہ ہے ان کے غیر احمدی بننے کا۔ چنانچہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ تھوڑے دنوں کے بعد ہی یہ کہنے لگ جائیں کہ چلو جب جماعت مجھے غیر احمدی سمجھتی ہے تو میں غیر احمدی ہی ہو جاتا ہوں۔ ورنہ ہم نے تو آج تک ایک دفعہ بھی انہیں غیر احمدی نہیں کہا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے متعلق جو یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو توڑا، یہ ایک غلط مثال اور تاریخ سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ تاریخیں اِس بات پر متفقہ طور پر شاہد ہیں کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو بیعت کی تھی وہ بیعت طَوعی نہیں تھی بلکہ جبراً اُن سے بیعت لی گئی تھی۔ چنانچہ محمدؒ اور طلحہؒ دو راویوں سے طبری میں یہ روایت آتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہو گئے تو لوگوں نے آپس میں مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ جلد کسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے تا امن قائم ہو اور فساد مٹے۔ آخر لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اُن سے عرض کیا کہ آپ ہماری بیعت لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم نے میری بیعت کرنی ہے تو تمہیں ہمیشہ میری فرمانبرداری کرنی پڑے گی اگر یہ بات تمہیں منظور ہے تو میں تمہاری بیعت لینے کیلئے تیار ہوں ورنہ کسی اور کو اپنا خلیفہ مقرر کر لو، میں اُس کا ہمیشہ فرمانبردار رہوں گا اور تم سے زیادہ اُس کی اطاعت کروں گا۔ انہوں نے کہا ہمیں آپ کی اطاعت منظور ہے۔ آپ نے فرمایا پھر سوچ لو اور آپس میں مشورہ کر لو۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ سے یہ طے کیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت

کرلیں تو سب لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلیں گے ورنہ جب تک وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کریں گے اُس وقت تک پورے طور پر امن قائم نہیں ہوگا۔ اِس پر حکیم بن جبلہ کو چند آدمیوں کے ساتھ حضرت زبیرؓ کی طرف اور مالک اشتر کو چند آدمیوں کے ساتھ حضرت طلحہؓ کی طرف روانہ کیا گیا۔ جنہوں نے تلواروں کا نشانہ کرکے اُنہیں بیعت پر آمادہ کیا یعنی وہ تلواریں سونت کر ان کے سامنے کھڑے ہوگئے اور انہوں نے کہا کہ حضرت علی کی بیعت کرنی ہے تو کرو ورنہ ابھی ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ چنانچہ انہوں نے مجبور ہوکر رضامندی کا اظہار کردیا اور یہ واپس آگئے[۴] دوسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور فرمایا اے لوگو! تم نے کل مجھے ایک پیغام دیا تھا اور میں نے کہا تھا کہ تم اس پر غور کرلو۔ کیا تم نے غور کرلیا ہے اور کیا تم میری کل والی بات پر قائم ہو؟ اگر قائم ہو تو یاد رکھو تمہیں میری کامل فرمانبرداری کرنی پڑے گی۔ اِس پر وہ پھر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور اُن کو زبردستی کھینچ کر لائے۔ روایت میں صاف لکھا ہے کہ جب وہ حضرت طلحہ کے پاس پہنچے اور ان سے بیعت کیلئے کہا تو انہوں نے جواب دیا **اِنِّیْ اِنَّمَا اُبَایِعُ کَرْھًا**[۵] دیکھو میں زبردستی بیعت کررہا ہوں خوشی سے بیعت نہیں کررہا۔ اسی طرح حضرت زبیر کے پاس جب وہ لوگ گئے اور بیعت کیلئے کہا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ **اِنِّیْ اِنَّمَا اُبَایِعُ کَرْھًا** تم مجھ کو مجبور کرکے بیعت کروا رہے ہو دل سے میں یہ بیعت نہیں کررہا۔

اسی طرح عبدالرحمٰن بن جندب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد اشتر، طلحہ کے پاس گئے اور بیعت کے لئے کہا۔ انہوں نے کہا مجھے مُہلت دو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ لوگ کیا فیصلہ کرتے ہیں مگر انہوں نے نہ چھوڑا اور **جَاءَ بِہٖ یَتُلُّہٗ تَلًّا عَنِیْفًا**[۶] ان کو زمین پر نہایت سختی سے گھسیٹتے ہوئے لے آئے جیسے بکرے کو گھسیٹا جاتا ہے۔

پھر حارث الوالی کی روایت ہے کہ حضرت زبیر کو جبراً حکیم بن جبلہ بیعت کیلئے لایا تھا اور حضرت زبیر یہ کہا کرتے تھے کہ **جَاءَ نِیْ لِصٌّ مِنْ لُصُوْصِ عَبْدِالْقَیْسِ فَبَایَعْتُ وَاللُّجُّ عَلٰی عُنُقِیْ**[۷] یعنی عبدالقیس قبیلہ کے چوروں میں سے ایک چور میرے پاس آیا اور اس کے مجبور کرنے پر اِس حالت میں مَیں نے بیعت کی کہ تلوار میری گردن پر تھی اور مجھے کہا جاتا

تھا کہ بیعت کرو ورنہ تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی۔ اِس بیعت کو کون شخص ہے جو بیعت کہہ سکے۔

پھر تاریخوں سے صاف ثابت ہے کہ جب وہ حضرت علیؓ کی بیعت کرنے لگے تو انہوں نے کہا ہماری شرط یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے آپ بدلہ لیں۔ پس چونکہ اُنہوں نے شرط کر کے بیعت کی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی شرط پوری نہ کر سکے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ خیال تھا کہ پہلے تمام صوبوں کا انتظام ہو جائے اور پھر قاتلوں کو سزا دینے کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے یہ سمجھا کہ حضرت علیؓ اپنے عہد سے پھرتے ہیں اور پھر چونکہ جبراً ان سے بیعت لی گئی تھی اس لئے وہ چوتھے دن ہی چلے گئے اور بیعت سے الگ ہو گئے۔

پس یہ کہنا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کر کے چھوڑ دی ایک مغالطہ ہے وہ بیعت نہیں تھی بلکہ جبری بیعت تھی۔ اور اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی شخص کا ہاتھ زبردستی نیل کے مٹکے میں ڈال دیا جائے اور پھر کہنا شروع کر دیا جائے کہ اس نے اپنے ہاتھ نیلے کر لئے ہیں۔ انہوں نے بھی جبراً بیعت کی تھی۔ وہ خود کہتے ہیں ہم نے ایسی حالت میں بیعت کی وَاللُّجُّ عَلٰی اَعْنَاقِنَا جبکہ تلواریں ہماری گردنوں پر رکھی تھیں۔ پھر انہوں نے بیعت پر زیادہ دیر بھی نہیں لگائی۔ تیسرے یا چوتھے دن وہ مکے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں چونکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ نہیں لیا جاتا اور اِسی شرط پر ہم نے بیعت کی تھی اِس لئے ہم اپنی بیعت پر قائم نہیں رہتے۔ اب بتاؤ اس میں اور مصری صاحب کی بیعت میں آیا کوئی بھی مناسبت ہے؟ اور کیا مصری صاحب سے جب بیعت لی گئی تھی تو تلوار اُن کی گردن پر رکھی گئی تھی؟ یا کیا انہوں نے کسی شرط پر میری بیعت کی تھی؟ اور کیا وہ ۲۳ سال تک میری اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار نہیں کرتے رہے؟ پھر ان کی اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی نسبت ہی کیا ہے کہ وہ ان کی مثال اپنے لئے پیش کرتے ہیں۔

چنانچہ اس بات کا ایک اور ثبوت کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے زبردستی بیعت لی گئی یہ ہے کہ جب جنگ جمل ہوئی انہوں نے حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا۔ تو لکھا ہے حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ سے کہا اَمَا بَایَعْتَنِیْ؟ تم نے میری بیعت نہیں کی تھی؟ حضرت طلحہؓ نے کہا بَایَعْتُکَ وَ عَلٰی عُنُقِی اللُّجُّ [۸] میں نے بیعت تو کی تھی مگر ایسی حالت میں جب تلوار میری گردن پر تھی۔ مگر باوجود اس جبر کے انہوں نے بیعت کے وقت اقامتِ حد کی شرط کر لی۔ گویا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جو بیعت کی وہ انہوں نے اپنی خوشی سے نہیں کی بلکہ زبردستی ان سے بیعت کرائی گئی۔ اور اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے جبراً کسی شخص سے کلمہ پڑھایا جائے اور پھر کہہ دیا جائے کہ وہ مسلمان ہوگیا ہے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھی وہ تلواروں سے ڈرا دھمکا کر بلکہ سختی سے گھسیٹ کر لائے اور انہوں نے کہہ بھی دیا کہ گو ہم بیعت کرتے ہیں مگر جبراً کرتے ہیں اور پھر اس شرط پر کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے۔ دراصل زبردستی بیعت لوگوں نے انہیں اس لئے کرائی کہ وہ سمجھتے تھے یہ دونوں صحابہ اثر و رسوخ رکھنے والے ہیں اور اگر ان دونوں نے بیعت کر لی تو باقی مسلمان بھی بیعت کرلیں گے اور عالَمِ اِسلامی میں امن قائم ہو جائے گا۔ مگر کیا مصری صاحب اور ان کے رفقاء نے بھی ایسی حالت میں بیعت کی تھی کہ ان کی گردنوں پر تلواریں تھیں؟ اور کیا انہوں نے بھی بیعت کے وقت کوئی شرط کی تھی؟

پھر حدیثوں میں محمد وطلحہ کی روایت سے یہاں تک آتا ہے کہ بیعت کرنے کے معاً بعد حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور بعض دوسرے صحابہ حضرت علیؓ کے گھر گئے اور انہوں نے کہا کہ ہماری بیعت میں شرط تھی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر حد قائم کی جائے گی پس آپ ان کو سزا دیں اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عُذر کیا اور کہا اِس وقت فساد کا خطرہ ہے اور سب سے مقدم اسلام کی حفاظت ہے قاتلوں کے معاملہ میں دیر ہو جانے سے کوئی حرج نہیں۔ گویا انہوں نے ایک گھنٹہ بھی انتظار نہیں کیا بلکہ اِدھر بیعت کی اور اُدھر اُن کے گھر چلے گئے کہ ہماری شرط پوری کی جائے ورنہ ہم آپ کی بیعت سے آزاد ہیں۔ اور یہ وہ ہیں کہ ۲۳ سال تک اِن کا منہ میری تعریفیں کرکر کے سُوکھتا رہا مگر آج یہ کہہ رہے ہیں کہ میرا اور طلحہؓ و زبیرؓ کا معاملہ ایک ہی ہے۔

میں ضمناً اِس جگہ یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اُس زمانہ میں بیعت کا مفہوم کیا سمجھا جایا

کرتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں سے بیعت لی تو اُس کے الفاظ یہ تھے **علیک عھداللّٰہ و میثاقہ بالوفاء لتکونن لسلمنا سلما و لحربنا حربا و لتکفن عنا لسانک ویدک** کہ تم خدا کی قسم کھا کر مجھ سے یہ عہد کرتے ہو کہ تم ہمیشہ میرے مطیع وفرمانبردار رہو گے۔ جس سے میں صلح کروں اُس سے تم بھی صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں گا اُس سے تم بھی جنگ کرو گے اور تم نہ اپنی زبان سے مجھ پر کوئی اعتراض کرو گے اور نہ اپنے اعمال سے میرے لئے کسی تکلیف کا باعث بنو گے۔ گویا بیعت کی یہ اہم شرط تھی کہ **و لتکفن عنا لسانک ویدک** ۔ اپنی زبانوں اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھنا ہے اور مجھ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کرنا۔ یہ عہد تھا جو صحابہ بیعت کا سمجھتے تھے مگر مصری صاحب کہتے ہیں کہ میں برابر دو سال تک آپ کے خلاف مصالحہ جمع کرتا رہا اور ابھی ان کے نزدیک وہ میری بیعت میں ہی شامل تھے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کیا قصور کیا، ہم نے صرف اعتراض ہی کیا تھا اور اعتراض کرنے میں آزادی ہونی چاہئے۔ انہیں غور کرنا چاہئے کہ اگر خلفاء پر اعتراضات کرنے میں اسلام آزادی سکھاتا ہے تو **وَ لَتَکُفَنَّ عَنَا لَسَانَکَ وَیَدَکَ** کا کیا مفہوم ہے۔ اس میں تو صاف طور پر حضرت علیؓ نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ تم اپنی زبانوں کو روکے رکھنا اور کبھی مجھ پر اعتراض نہ کرنا۔ اسی طرح اپنے ہاتھوں کو ہمیشہ بند رکھنا اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جو میرے لئے دُکھ اور اذیت کا موجب ہو۔

پھر روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کم سے کم حضرت طلحہؓ کی نسبت کہ انہوں نے وفات سے پہلے دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور حضرت زبیرؓ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی سن کر حضرت علیؓ کا مقابلہ کرنے سے اِعراض کرلیا تھا۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت زبیرؓ جب جنگ کیلئے حضرت علیؓ کے سامنے نکلے تو اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر سے کہا زبیر! تم کو وہ دن بھی یاد ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دن میں اور تم اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے مجھے اور تمہیں اکٹھے بیٹھے دیکھ کر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اے علیؓ! وہ بھی کیا دن ہوگا جب یہ تیرے چچا کا بیٹا

زبیر تجھ سے ایسی حالت میں لڑائی کرے گا جبکہ یہ ظالم ہوگا اور تو مظلوم ہوگا۔ یہ سن کر حضرت زبیر اپنے لشکر کی طرف واپس لَوٹے اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ حضرت علیؓ سے ہرگز جنگ نہیں کریں گے اور اقرار کرلیا کہ انہوں نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی[9] لیکن لطیفہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ظالم قرار دیتے ہیں اور مصری صاحب کہتے ہیں اگر میں نے بیعت توڑ دی ہے تو کیا حرج ہوا زبیرؓ نے بھی تو بیعت توڑی تھی اور حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا تھا۔ گویا وہ اپنے منہ سے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ظالم ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو حضرت زبیرؓ سے نسبت دیتے ہیں اور حضرت زبیرؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم قرار دیا تھا۔ اب کیا ظالم ہونا ان کے خیال میں کوئی گناہ نہیں صرف غیر احمدی ہونا ہی گناہ ہے۔ یہ مانا کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت عملاً توڑ دی تھی مگر ساتھ ہی یہ بھی تو حدیث ہے کہ اے زبیر! تو علیؓ سے ایسی حالت میں مقابلہ کرے گا جبکہ تو ظالم ہوگا۔ پس جب وہ حضرت زبیرؓ سے اپنی نسبت دیتے ہیں تو کیا وہ اس حدیث کے ماتحت ظالم قرار نہیں پاتے؟ اور کیا ظالم ہونا ان کے نزدیک کم گناہ ہے کہ وہ اسے معمولی بات سمجھتے ہیں۔ پس حضرت زبیر تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی سن کر جنگ سے الگ ہوگئے اور اچانک حملہ کے وقت چونکہ وہ زخمی ہوگئے تھے بعد میں فوت ہوگئے۔ باقی رہے حضرت طلحہؓ ان کی نسبت روایات میں آتا ہے کہ حضرت طلحہؓ بھی میدانِ جنگ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کے پیچھے ایک شخص گیا اور ان پر غفلت میں حملہ کر کے انہیں زخمی کر دیا۔ اس کے بعد ان کے پاس سے ایک شخص گزرا اور آپ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ تیرا ہاتھ علیؓ کا ہاتھ ہے اور میں تیرے ہاتھ پر علیؓ کی دوبارہ بیعت کرتا ہوں۔

اب کجا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی حالت اور کجا مصری صاحب کی حالت۔ کیا ان دونوں میں کوئی بھی نسبت ہے؟ اور کیا ان کا حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی مثال پیش کرنا کسی لحاظ سے بھی درست ہوسکتا ہے؟ مصری صاحب دریافت کرتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جب بیعت کو فسخ کرلیا تھا تو کوئی ہے جو جرأت کر کے انہیں اسلام سے خارج قرار دے۔ اور میں انہیں کہتا ہوں کہ ہم اگر انہیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیتے

تو آپ کو بھی بیعت سے الگ ہو جانے کی وجہ سے احمدیت سے کب خارج قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ ایک بھی میری ایسی تحریر دکھا دیں جس میں مَیں نے آپ کو غیر احمدی قرار دیا ہو تب تو سمجھ لیا جائے گا کہ آپ سچ بولتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی تحریر نہ دکھا سکیں تو کیا اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ نے دیدہ دانستہ غلط بیانی کی ہے۔ میری جس قدر تحریریں ہیں وہ چھپ چکی ہیں، میری تقاریر بھی محفوظ ہیں اور شائع ہو چکی ہیں پس اگر ان میں شرافت کا ایک ذرّہ بھی باقی ہے اور اگر ایمان کی کوئی حس اِن میں موجود ہے تو وہ میرا کوئی ایک ہی ایسا حوالہ پیش کریں جس میں مَیں نے یہ کہا ہو کہ وہ میری بیعت سے الگ ہو کر غیر احمدی ہو گئے ہیں۔ اِس وقت ہزاروں وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے خطبات کو سُنا اور ہزاروں وہ لوگ ہیں جنہوں نے ''الفضل'' کے ذریعہ میرے خطبات کو پڑھا پھر کیا ان ہزاروں لوگوں میں سے کوئی ایک بھی بتا سکتا ہے کہ میں نے شیخ صاحب کو غیر احمدی کہا۔ جب ایک بھی ایسی گواہی نہیں مل سکتی تو یقیناً انہوں نے غلط بیانی کی۔ یقیناً انہوں نے ایک جُرمِ عظیم کیا، یقیناً انہوں نے لوگوں کو دھوکا وفریب دیا۔ اور پھر دیدہ دانستہ ان امور کا ارتکاب کیا کیونکہ ہم پہلے بھی کئی لوگوں کو اپنی جماعت سے خارج کر چکے ہیں اور ہم نے ان میں سے آج تک کسی کو محض جماعت سے الگ ہونے کی وجہ سے غیر احمدی نہیں کہا۔

اب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فیصلہ دیکھتے ہیں کہ وہ کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے ''سرالخلافہ'' میں تحریر فرماتے ہیں **والحق ان الحق کان مع المرتضٰی ومن قاتله فی وقتهٖ فبغٰی و طغٰی** [10] یعنی سچی بات یہ ہے کہ سچ اور حق جو تھا وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔ **ومن قاتله فی وقتهٖ فبغٰی و طغٰی** اور حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں جن لوگوں نے آپ کا مقابلہ کیا وہ باغی اور سرکش تھے۔ اب چاہے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ہی کیوں نہ ہوں جس کسی نے حضرت علیؓ کا مقابلہ ان کی خلافت میں کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس وقت تک وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں کھڑا رہا اُس وقت تک وہ باغی اور طاغی تھا (مگر میں جیسا کہ بتا چکا ہوں کہ صحابہ مقابلہ سے پہلے ہی پیچھے ہٹ گئے تھے اور فی الحقیقت مقابلہ کرنے والوں میں

سے نہ تھے)۔ اب اگر مصری صاحب اس لئے خوش ہیں کہ میں گو غیر احمدی نہیں مگر باغی اور طاغی ہوں تو وہ بے شک خوش ہولیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو شخص مومن ہو وہ خدا تعالیٰ کی ادنیٰ سے ادنیٰ ناراضگی سے بھی ڈرتا اور چھوٹے سے چھوٹے گناہ کے ارتکاب سے بھی خوف کھاتا ہے۔ ان کو اگر اس بات کی پرواہ نہیں اور انہیں اس بات پر فخر ہے کہ میں باغی اور طاغی ہوں غیر احمدی نہیں تو بیشک اس پر فخر کرلیں ہم بھی انہیں غیر احمدی نہیں کہتے بلکہ باغی اور طاغی ہی کہتے ہیں۔

پس یاد رکھو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے گو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی مگر وہ جبری بیعت تھی، طَوعی بیعت نہیں تھی۔ اور پھر بیعت کے وقت انہوں نے شرط بھی کرلی تھی کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے گا۔ مگر جب ان کی نگاہ میں یہ شرط پوری نہ ہوئی تو انہوں نے بیعت توڑ دی۔ لیکن تاریخی طور پر ثابت ہے کہ ان کے بیعت توڑنے کے فعل کو اُن کے ساتھیوں نے بھی ناپسند کیا۔ چنانچہ ایک شخص سے جب کسی دوسرے شخص نے کہا کہ تم تو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے مخالف تھے پھر آج حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں کیوں شامل ہو گئے؟ تو اُس نے کہا میں اس لئے ان کے ساتھ شامل ہوا ہوں کہ اِنَّهُمْ نَكَثُوا الْبَيْعَةَ۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے بیعت کی اور پھر توڑ دی گویا باوجودیکہ ان کی بیعت جبری بیعت تھی، پھر بھی ان کے ساتھیوں نے ان کے فعل کو ناپسند کیا اور کہا کہ جب بیعت کرلی تھی تو خواہ جبری بیعت تھی پھر بھی اس بیعت کو توڑنا نہیں چاہئے تھا۔

غرض ان لوگوں کی مثالوں سے استنباط بالکل غلط ہے۔ انہوں نے بیعت یا تو عارضی طور نہ کی اور پھر کرلی یا پھر جنہوں نے بیعت کی کَرْهاً کی اور پھر فوراً الگ ہو گئے، استقرارِ بیعت کبھی نہیں ہوا۔ یا پھر انہوں نے بیعت نہ کی مگر خلافت کا مقابلہ بھی نہیں کیا بلکہ صرف یہ کہا کہ اگر فلاں امر ہو جائے مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لے لیا جائے تو ہم بیعت کرلیں گے۔ جیسے حضرت معاویہؓ ہیں کہ انہوں نے گو حضرت علیؓ کی اِسی وجہ سے بیعت نہیں کی مگر انہوں نے آپ کا مقابلہ بھی نہیں کیا۔ غرض تمکینِ خلافت کے بعد کسی کی مخالفت یا بیعتِ طَوعی کا توڑنا ہرگز ثابت نہیں اور اگر ہو تو اس کے متعلق حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ یہی ہے کہ فَبَغٰی وَ طَغٰی۔

بعض نادان اس موقع پر کہا کرتے ہیں کہ جب بیعت سے الگ ہونے کی وجہ سے کوئی شخص غیر احمدی نہیں ہو جاتا تو پھر بیعت نہ کرنا یا بیعت کا توڑ دینا کوئی بڑا گناہ تو نہ ہوا۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ ایمان کے معاملہ میں جب انسان جان بوجھ کر کہتا ہے کہ فلاں فعل کا ارتکاب اگرچہ گناہ ہے مگر میں نے اگر کرلیا تو کیا حرج ہوا تو وہ ضرور اپنے ایمان کو تباہ کر لیتا ہے۔ اگر کوئی شخص مجبوراً یا عادتاً یا جہالتاً نادانی سے کوئی گناہ کرتا ہے تو یہ اَور بات ہے۔ لیکن اگر ایک شخص سمجھتا ہے کہ فلاں امر گناہ ہے اور پھر وہ اسے معمولی بات خیال کر کے اس گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس شخص کو خدا دولتِ ایمان سے محروم کر کے ہی چھوڑتا ہے کیونکہ وہ باغی ہے اور خدا تعالیٰ کی ہتک کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی تباہی میں بھی بہت بڑا دخل اس امر کا بھی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چھوٹا گناہ ہے اور وہ بڑا۔ حالانکہ مومن کامل وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ ناراضگی سے بھی ڈرے اور اس کے ارتکاب سے بچے۔ یہ نہ کہے کہ میرا احمدی نہ ہونا تو بہت بڑا گناہ ہے لیکن احمدی ہو کر نماز نہ پڑھنا یا روزے نہ رکھنا معمولی باتیں ہیں۔ جو شخص اس طرح اپنی رضامندی اور خوشی سے جانتے بوجھتے ہوئے کوئی گناہ کرتا ہے اور اسے چھوڑتا نہیں وہ خدا تعالیٰ کو چیلنج کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے تیری رضا کی پرواہ نہیں۔ پس مومن تو خدا تعالیٰ کی ادنیٰ ناراضگی سے بھی ڈرتا ہے کُجا یہ کہ اس قدر اہم ناراضگی سے نہ ڈرے جو گو کفر نہیں مگر کفر کے دروازہ تک انسان کو پہنچا دیتی ہے۔ اور وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ کا اسے مورد بنا دیتی ہے۔

دراصل جو شخص نیکیوں کو یہ سمجھ کر چھوڑتا چلا جاتا ہے کہ وہ معمولی ہیں اور گناہوں کا اس لئے ارتکاب کر لیتا ہے کہ اس کے نزدیک ان گناہوں کا ارتکاب کوئی بڑی بات نہیں، اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہتے ہیں کسی شخص کو بہادری کا دعویٰ تھا وہ ایک دن کسی گودنے والے کے پاس گیا اور کہا کہ میرے بازو پر شیر گود دو۔ اس نے شیر گودنے کیلئے جب سُوئی ماری تو اُسے درد ہوا اور کہنے لگا بتاؤ کیا کرنے لگے ہو؟ اس نے کہا میں شیر کا کان گودنے لگا ہوں۔ کہنے لگا کون سا کان دایاں یا بایاں؟ اس نے کہا دایاں۔ وہ کہنے لگا اچھا

اگر شیر کا دایاں کان نہ ہو تو آیا شیر رہتا ہے یا نہیں؟ وہ کہنے لگا رہتا کیوں نہیں۔ اس نے کہا اچھا تو دایاں کان چھوڑ دو اور آگے چلو۔ جب اس نے دوسرا کان بنانے کیلئے سوئی ماری تو پھر اسے درد ہوا اور وہ کہنے لگا اب کیا کرنے لگے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اب بایاں کان گودنے لگا ہوں۔ وہ کہنے لگا اگر بایاں کان نہ ہو تو شیر رہتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا رہتا کیوں نہیں۔ وہ کہنے لگا اسے بھی چھوڑ دو اور آگے چلو۔ پھر جب اس نے ٹانگ گودنا شروع کی تو وہ پھر کہنے لگا اگر ٹانگ نہ ہو تو شیر رہتا ہے یا نہیں؟ وہ کہنے لگا ٹانگ کے بغیر بھی شیر ہوسکتا ہے۔ کہنے لگا اسے بھی چھوڑ واور آگے چلو۔ اس کے بعد اس نے دوسری ٹانگ گودنی چاہی تو پھر اس نے روک دیا۔ یہ دیکھ کر اُس گودنے والے نے سُوئی ہاتھ سے رکھ دی اور کہنے لگا ایک کان کے بغیر بھی شیر رہ سکتا ہے اور دوسرے کان کے بغیر بھی مگر یہ سب چیزیں چھوڑ دی جائیں تو پھر شیر کا کچھ نہیں رہتا۔ تو جب انسان دلیری سے یہ کہتا ہے کہ اگر فلاں نیکی چھوڑ دوں تب بھی ایمان باقی رہتا ہے اور فلاں گناہ کرلوں تب بھی میرے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوسکتا۔ وہ آہستہ آہستہ تمام نیکیوں کو چھوڑتا ہی چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اُس کے ایمان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

پھر یہ بھی یاد رکھو کہ زمانوں کے بدلنے سے سزائیں بھی بدل جاتی ہیں۔ اور گو واقعہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے مگر حالات کے اختلاف کی وجہ سے سزا کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھ لو تم کسی شہر میں رہتے ہو اور تمہارے پاس کوئی بھوکا شخص آتا ہے اور کہتا ہے مجھے کچھ کھانے کیلئے دو تمہارے پاس کھانا موجود ہے مگر تم اسے نہیں دیتے اور وہ چلا جاتا ہے۔ اب تم ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہو کیونکہ وہ بھوکا تھا مگر تم نے اسے کھانا نہیں دیا۔ لیکن اگر تم ایک ایسے جنگل میں ہو جہاں بیس بیس تیس تیس میل تک آبادی کا نام و نشان نہیں اور کہیں سے کھانا ملنے کی امید نہیں ہوسکتی، لیکن تمہارے پاس وافر کھانا موجود ہے مثلاً ایک گھوڑا روٹیوں اور کھانے پینے کے سامان سے لدا ہوا تمہارے پاس کھڑا ہے ایسی حالت میں اگر ایک بھوکا تمہارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے میرا بہت بُرا حال ہے مجھے ایک روٹی دے دو تا اسے کھا کر میرے بدن میں کچھ طاقت آجائے اور میں آبادی کے قریب پہنچ جاؤں تو ایسی

حالت میں اگر تم اسے روٹی نہیں دیتے اور وہ بھوکا چلا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی تم ایک گناہ کے مرتکب ہو گے کیونکہ کھانا تمہارے پاس موجود تھا مگر تم نے اسے نہیں دیا۔ لیکن ان دونوں جگہ ایک بین فرق بھی موجود ہے جو تمہارے جرم کو ایک جگہ معمولی اور دوسری جگہ سنگین بنا دیتا ہے۔ جب تم نے آبادی میں ایک بھوکے اور غریب شخص کو روٹی نہ دی تو اُس وقت امکان تھا کہ اسے کوئی اور شخص روٹی دے دیتا مگر جنگل میں جب تم نے ایک بھوکے کو روٹی نہ دی اور ایسی حالت میں نہ دی جبکہ بیس بیس تیس تیس میل تک اسے کھانا ملنے کی امید نہ ہو سکتی تھی تو تم نے اسے بھوکا ہی نہیں رکھا بلکہ اگر وہ مر جائے گا تو تم اس کے قاتل بھی ٹھہرو گے۔ تو صرف عمل کو دیکھا نہیں جاتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اِرد گرد کے حالات اس عمل کو کیا شکل دے رہے ہیں۔ بالکل ممکن ہے ایک عمل ظاہری نگاہ میں بالکل چھوٹا ہو مگر حالات کی وجہ سے وہ بہت بڑی اہمیت رکھنے لگے۔ مثلاً دنیا میں ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو حافظ قرآن ہیں اگر کوئی شخص کسی حافظ قرآن کو قتل کرتا ہے تو ہم اسے قاتل کہیں گے۔ لیکن فرض کرو اگر کسی وقت دنیا میں صرف ایک ہی حافظِ قرآن ہو تو اگر کوئی شخص اُس کو مارے گا تو نہیں کہا جا سکے گا کہ دونوں کا فعل ایک جیسا ہے کیونکہ گو دونوں جگہ حافظِ قرآن ہی قتل ہوئے ہوں گے مگر ان دونوں قتلوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلا قاتل صرف ایک عام آدمی کا قاتل ہے مگر دوسرا قاتل صرف ایک آدمی کا قاتل نہیں بلکہ قرآن کا بھی قاتل ہے۔ کیونکہ اس کے قتل کے بعد دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جس کے سینہ میں قرآن محفوظ ہو۔ تو صرف کسی عمل کی ظاہری شکل نہیں دیکھی جاتی بلکہ اس کے باطنی حالات بھی دیکھے جاتے ہیں۔

اب دیکھ لو رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ اُس وقت حکومت ساتھ تھی، اسلام مضبوط ہو چکا تھا، مُلکوں کے ملک اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور اسلامی شریعت پر رات اور دن عمل کروایا جا رہا تھا۔ پس اُس وقت تفرقہ صرف سیاسی کمزوری پیدا کرتا تھا مگر یہ زمانہ اَور ہے، ترقی آہستہ ہے، حکومت غیر ہے، اسلامی تمدن قائم نہیں ہوا۔ پس آج کا تفرقہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کو بالکل رائیگاں کر سکتا ہے۔ اسی لئے آج کا فساد اور اُس وقت کا فساد بالکل مختلف ہے۔ اُس وقت رسول کریم ﷺ کے

زمانہ میں ہی اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور اس وجہ سے وہ تمام مسائل جن کا تعلق حکومت کے ساتھ ہے قائم کر دیئے گئے تھے۔ مثلاً زکوٰۃ اور عشر کی تقسیم، لین دین کے مسائل، اقتصادیات کے متعلق احکام، بادشاہوں کا رعایا سے تعلق اور رعایا کا بادشاہ سے تعلق۔ یہ تمام امور ایسے تھے کہ ان کے متعلق شریعتِ اسلامی جن تفاصیل کی حامل ہے، وہ مسلمانوں میں قائم کر دی گئی تھی۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو تفرقہ ہوا گو اس سے مسلمانوں کو سیاسی لحاظ سے کمزوری ہوئی مگر بہرحال اس تفرقہ کے نتیجہ میں جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ اسلامی حکومتیں ہی تھیں۔ کیونکہ اسلام عملی صورت میں دنیا میں قائم ہو چکا تھا۔ مگر اِس زمانہ میں اسلام کی ترقی آہستہ آہستہ مقدر ہے اور ابھی احمدی حکومتیں دنیا میں قائم نہیں ہوئیں۔ زکوٰۃ اور خراج کے مسائل، لین دین کے معاملات، حکومت اور رعایا یا امیر اور غریب کے متعلق احکام، آقا اور ملازمین کے تعلقات، رعایا کے فرائض، اسلامی حکومت کے حقوق اور فرائض، حکومتوں کے آپس کے تعلقات اور ورثہ اور سُود وغیرہ سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق اسلامی تعلیم دنیا میں قائم نہیں ہوئی۔ پس یہ ساری عملی اسلامی زندگی ابھی پوشیدہ ہے اور اُس وقت کا انتظار کر رہی ہے جب کہ اسلامی بادشاہتیں دنیا میں پھر قائم ہوں اور ان امور کے متعلق اسلامی تعلیم کا احیاء ہو۔

پس چونکہ ابھی تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم دنیا میں صحیح طور پر قائم نہیں ہوئی اور نہ تمدن کے متعلق اسلام کی وہ تعلیم دنیا میں رائج ہوئی ہے جس کو کامل طور پر رائج کرنا خدا تعالیٰ کا منشاء ہے اس لئے آج اگر کوئی شخص تفرقہ کرتا اور جماعت کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ صرف معمولی مجرم نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاتل ہے۔ کیونکہ ابھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم دنیا میں قائم نہیں ہوئی اور اس کے قائم ہونے میں ایک لمبا عرصہ درکار ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت کی نسبت فرماتا ہے كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ [۱۱] یعنی وہ

جماعت اس سبزے کی طرح ہوگی جو زمین میں سے نکلتا ہے اور نہایت ہی کمزور اور ناطاقت ہوتا ہے۔ جدھر سے بھی ہوا چلتی ہے وہ اس کے دباؤ سے جھک جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ آندھیاں اور ہوائیں اُسے جڑ سے نہیں اُکھاڑ سکیں گی بلکہ وہ پودا بڑھے گا اور بڑھتا چلا جائے گا یہاں تک کہ مضبوط ہو جائے گا اور دنیا کے حوادث اور مخالفت کی آندھیاں اسے اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکیں گی۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی خلافت قائم ہوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی خلافت قائم ہوئی مگر اِن دونوں خلافتوں میں ایک فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ اُس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی اسلام کے تمام احکام عملی طور پر قائم ہو گئے تھے مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان احکام کے عملی صورت میں قائم ہونے کیلئے ایک لمبا عرصہ مقدر ہے۔ پس گو پہلے خلفاء کے زمانہ میں بھی اگر کوئی تفرقہ کرتا تو وہ شدید گناہ کا مرتکب ہوتا مگر عملی صورت میں یقیناً اسلامی احکام کو نقصان نہ پہنچ سکتا کیونکہ اسلامی تعلیم قائم ہو چکی تھی اسے جو بھی نقصان اور ضُعف پہنچتا وہ سیاسی ہوتا۔ لیکن آج اگر کوئی شخص تفرقہ پیدا کرتا اور جماعت کے اتحاد کو تباہ کرنے کے درپے ہوتا ہے تو وہ صرف تفرقہ پیدا نہیں کرتا بلکہ اسلام کو ضُعف پہنچاتا اور اس کی ترقی میں زبردست روک بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی سزاؤں میں بھی دونوں جگہ فرق ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ فعل بتا رہا ہے کہ اُس زمانہ کے خلفاء اور اِس زمانہ کے خلفاء کے انکار کی سزاؤں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اُس وقت جو خلافت کے مخالفین تھے وہ مذہب سے دور نہیں ہوئے مگر آج جو شخص خلافت کی مخالفت کرتا ہے وہ آہستہ آہستہ مذہب کو بھی یا تو بالکل چھوڑ دیتا ہے یا اس کے مذہب میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سعد نے بیعت نہ کی۔ آپ نے حکم دیا کہ ان سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ چنانچہ کوئی شخص اُن سے نہ بولتا اور نہ لین دین کے تعلقات رکھتا لیکن وہ مسجد میں آتے، نماز پڑھتے اور چلے جاتے۔ پھر سعد جب فوت ہوئے تو تمام مسلمانوں نے اُن کا جنازہ پڑھا اور اس طرح اُنہوں نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ وہ انہیں مومن ہی سمجھتے تھے (سعد نے بھی کبھی کوئی اعتراض حضرت ابوبکرؓ پر یا نظامِ سلسلہ

پرنہیں کیا نہ کبھی عملاً اِس کی مخالفت کی)۔

حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی مگر ان کے ایمانوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ یہ ممکن ہے دنیا میں انہیں جسمانی طور پر بعض سزائیں ملی ہوں مگران کے ایمان ضائع نہیں ہوئے۔ پھر بعض نے ان میں سے توبہ کرلی اور بعض کے متعلق ہمیں پورے حالات معلوم نہیں۔ بہرحال ان میں سے کسی کے ایمان ضائع ہونے کی خبر ہمیں نہیں ملتی مگر اِس زمانہ میں جس نے بھی خلفاء کی مخالفت کی آہستہ آہستہ اس کے مذہب میں بھی رخنہ پڑ گیا اور وہ اصل اسلام اور احمدیت سے بہت دور ہو گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی مخالفت کی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد سب سے پہلا جو جلسہ سالانہ ہوا اُس میں اپنی تقریروں کے دوران میں انہوں نے آپ پر حملے کرنے شروع کر دیئے اور جماعت کے لوگوں کو اس امر کی طرف مائل کرنا شروع کر دیا کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ جانشین اور خلیفہ صدر انجمن احمدیہ ہے حضرت خلیفہ اوّل نہیں۔ مگر اس مخالفت کا کیا نتیجہ ہوا؟ سعد کی طرح ان کا حال نہیں ہوا، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرح محض حدود کے قیام تک ان کی مخالفت محدود نہیں رہی بلکہ خلافت کا انکار کرنے کے بعد انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کر دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درجہ اور مقام کا بھی انکار کر دیا۔ بعض اُن امور کا بھی انکار کر دیا جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے عقائد میں شامل فرمایا ہے اور اس طرح ان کے مذہب میں بہت بڑا رخنہ واقع ہو گیا۔

پھر مستریوں نے جب میری مخالفت کی تو انہوں نے سب سے پہلے جو اعلان کیا وہ مصری صاحب کی طرح ''ایک دردمندانہ اپیل'' ہی تھی اور اس میں لکھا کہ ہم احمدیت سے الگ نہیں ہوئے۔ ہمارا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر کامل ایمان ہے ہمارا اختلاف صرف موجودہ خلیفہ سے ہے ورنہ یہ کب ہوسکتا ہے کہ ہم احمدیت چھوڑ دیں۔ مگر پھر وہی عبدالکریم وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر احمدیوں سے مناظرے کرتا رہا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وہ بالکل الگ ہو گئے۔ آخر یہ فرق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے خلفاء کے منکروں اور

موجودہ خلفاء کے منکروں کی سزا میں ہے، کیوں ہے؟ خدا نے اُس وقت کے خلفاء کے منکرین کے ایمان کیوں ضائع نہ کئے اور آج جو خلفاء کا انکار کرتا ہے اس کا ایمان کیوں ضائع ہو جاتا ہے؟ اسی لئے کہ آج جو شخص خلفاء کا انکار کرتا ہے اور جماعت میں تفرقہ و اِنشقاق پیدا کرتا ہے وہ نہ صرف خلفاء کا انکار کرتا ہے بلکہ اسلام کی اُس عملی زندگی پر بھی تبر چلاتا ہے جس کو قائم کرنا خدا تعالیٰ کا منشاء ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کی عملی زندگی قائم ہو چکی تھی اور خلفاء کا انکار سیاسی نقصان پہنچاتا تھا۔ پس چونکہ آج جو شخص خلفاء کی مخالفت کرتا ہے وہ اسلام کی عملی زندگی اور دنیا کے ایمان پر تبر چلاتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ اس جُرم کی سزا میں اس کا ایمان بھی ضائع کر دیتا ہے۔ لیکن پہلے زمانہ میں مخالفت، اسلام کو صرف سیاسی نقصان پہنچاتی تھی اس لئے مخالفت کرنے والوں کو دنیا میں بعض جسمانی سزائیں مل جاتیں روحانی سزا اِس حد تک انہیں نہیں ملتی تھی۔

مصری صاحب بے شک کہہ رہے ہیں کہ گو مجھے خلیفۂ وقت سے اختلاف ہے مگر میں احمدیت پر قائم رہوں گا۔ پہلوں سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ انہوں نے اس اختلاف کو وسیع کر کے احمدیت کے خصائص بھی ترک کر دیئے۔ اب میں بتاؤں گا کہ مخالفت اور اختلاف کے باوجود کس طرح احمدیت پر انسان قائم رہتا ہے۔ مگر جس قسم کے گندے اعتراض وہ کر رہے ہیں اور جس قسم کے ناپاک حملوں کے کرنے کی ان کی طرف سے اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے اطلاعیں آ رہی ہیں، اگر وہ ان پر مُصِر رہے اور اگر انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے توبہ نہ کی تو میں کہتا ہوں احمدیت کیا اگر ان کے خاندانوں میں حیا بھی باقی رہی تو وہ مجھے کہیں۔ بلکہ میں اس سے بھی واضح الفاظ میں یہ کہتا ہوں کہ جس قسم کے خلافِ اخلاق اور خلافِ حیا حملے وہ کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں اگر ان کے خاندان فحش کا مرکز بن جائیں تو اسے بعید از عقل نہ سمجھو۔

پس میں پھر جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ انہوں نے اپنے اشتہار میں جس قدر مثالیں پیش کی ہیں وہ بالکل غلط ہیں اور ان میں سے ایک بھی ان کے طریقِ عمل پر چسپاں نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں خدا تعالیٰ کے فعل نے پہلے زمانہ اور اِس زمانہ میں نمایاں امتیاز قائم

کر کے دکھلا دیا ہے۔ پس اب جو شخص خلافت کی مخالفت کرتا ہے وہ پہلوں سے بہت زیادہ سزا کا مستحق ہے اور یقیناً اگر کوئی شخص خلافت کے مقابلہ پر اصرار کرے گا اور اپنے اس فعل سے توبہ نہیں کرے گا تو اُس کا ایمان بالکل ضائع ہو جائے گا اور آج نہیں تو کل وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی حملہ کرنے لگے گا۔ اور پھر بالکل ممکن ہے وہ اس سزا کے نتیجہ میں اخلاقِ فاضلہ کو بھی اپنے ہاتھ سے چھوڑ دے اور حیا اور شرم سے اسے دور کی بھی نسبت نہ رہے۔ پس زمانہ کے حالات سزاؤں کو بدل دیتے ہیں۔ اُس زمانہ کے حالات بالکل اور تھے اور اب حالات اور ہیں۔ اب جو لوگ خلافت کا مقابلہ کریں گے اُنہیں یقیناً ایسی سزائیں ملیں گی جو نہایت ہی عبرتناک ہوں گی اور یقیناً اپنی اپنی مخالفت اور عِناد کے مطابق ان کے ایمان بھی ضائع ہوتے چلے جائیں گے۔

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۲۸۹ تا ۳۱۴)

---

۱ النور: ۵۶

۲ تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۳۳۱ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۳ تاریخ طبری جلد۴ صفحہ ۲۶۔۲۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۴ تاریخ طبری جلد۵ صفحہ ۴۵۰ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۵ تا ۷ تاریخ طبری جلد۵ صفحہ ۴۵۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۸ تاریخ طبری جلد۵ صفحہ ۵۴۳ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۹ تاریخ ابن اثیر جلد۳ صفحہ ۲۴۰ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء

۱۰ سر الخلافة صفحہ ۳۸ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۵۲ شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ

۱۱ الفتح: ۳۰

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی طرف سے انکسار کا جھوٹا دعویٰ

خطبہ جمعہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''ان لوگوں کی طرف سے ایک دستی اشتہار آج ہی مجھے دفتر نے بھیجا ہے جس میں مصری صاحب کی امارت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ہمیں اس سے خوشی ہے کیونکہ جو شخص جماعت میں تفرقہ پیدا کرے اسے خدا تعالیٰ خود سزا دیتا ہے۔ اور یہ اعلان کر کے انہوں نے اپنے آپ کو اس مقام پر کھڑا کر دیا ہے کہ الٰہی سزا کے مستحق ہو گئے ہیں۔ اس اعلانِ امارت کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی سزا کو کھینچا ہے دور نہیں کیا۔

اسی اشتہار میں ان کی پارٹی کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ دیکھو! ہمیں مرتد، منافق، فاسق وغیرہ الفاظ سے پکارا جاتا ہے، ایسا نہ کیا جائے۔ سو اِس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے تو انہیں ان ناموں سے نہیں پکارا بلکہ ہمارے آدمیوں نے تو صرف اُن کی اپنی باتیں دُہرائی ہیں۔ پکارنے والا تو ابتدا کرنے والا ہوتا ہے۔ انہوں نے مجھے مرتد قرار دیا، معزول کرنے کے لائق کہا حالانکہ میں تو خلیفہ ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جب تک تم اپنے دُنیوی بادشاہ میں کفر بواح نہ دیکھو اُس کی اطاعت کرو[1] اللہ تعالیٰ خود اسے سزا دے گا اور اس لحاظ سے مصری صاحب نے گویا یہ کہا ہے کہ مجھ میں کفر بواح یعنی کھلا کھلا پایا جاتا ہے۔ باقی رہا فتنہ پرداز کہنا، سو جیسا کہ میں نے بتایا ہے اپنے پہلے خط میں ہی انہوں نے مجھے فتنہ پرداز کہا ہے اور پھر فَتَبَیَّـنُـوْا والی آیت مجھ پر چسپاں کر کے مجھے فاسق

قرار دیا ہے۔ پھر مجھے منافق بھی کہا ہے یہ کہہ کر کہ میں جماعت کو دہریت کی طرف لے جارہا ہوں حالانکہ بظاہر اسلام سے تعلق ظاہر کرتا ہوں۔ پس یہ ثابت ہے کہ پہل اُنہوں نے کی اور اُنہوں نے جو کچھ ہمارے متعلق کہا جماعت نے اُسے دُہرا دیا ہے۔ وہ اپنے الفاظ واپس لے لیں تو میں جماعت کو بھی آئندہ ایسے الفاظ استعمال کرنے سے روک دوں گا مگر پہلے وہ توبہ کریں پھران کا حق ہوگا کہ ہم سے ایسا مطالبہ کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے بیعت توڑی ہے اور ہر جماعت کی اصطلاح میں ایسے شخص کو مرتد کہتے ہیں۔ بیعت میں یہ اقرار ہوتا ہے کہ مبائع کامل فرمانبرداری اور کُلّی طور پر تعاون کرے گا اور جو شخص اس اقرار کو توڑ دے اُسے اگر مرتد نہیں تو اَور کیا کہا جائے گا۔ مرتد کے معنی ہیں واپس جانے والا۔ پس جو بیعت کو توڑ دے اُسے مرتد ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے غیر احمدی کہتے ہیں کہ ہمیں کافر کیوں کہا جاتا ہے۔ حالانکہ کافر کے معنی ہیں نہ ماننے والا۔ اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہیں مانتا اسے ہم مومن کس طرح کہہ دیں۔ اگر ہم ان سے پوچھیں کہ کیا آپ لوگ مرزا صاحب کے دعویٰ مأموریت کو مانتے ہیں؟ تو وہ یہی کہیں گے کہ نہیں۔ پس چونکہ نہ ماننے والے کو عربی میں کافر کہتے ہیں کسی مدعی ماموریت کو جب کوئی نہ مانے تو اُسے کافر کے سِوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر بیعت کرنے کے بعد کوئی واپس لُوٹے تو اُسے مرتد کے سِوا اور کیا کہا جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب میں اکثر لوگ نمازیں بھی پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے صرف زکوٰۃ کے متعلق انہیں شبہ تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ہی کیلئے حکم تھا مگر پھر بھی اُن کو مرتد ہی کہا جاتا تھا۔ پھر یہ لوگ اندر ہی اندر سازش کر رہے تھے۔ میاں عبدالعزیز کا فوراً الگ ہو جانا بتاتا ہے کہ وہ پہلے ہی ان کے ہم خیال ہو چکے تھے۔ اور فخر الدین صاحب کے اخراج پر مصری صاحب کا نوٹس دینا بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ پہلے ہی جتھے بنا رہے تھے اور اندر ہی اندر فتنہ پیدا کر رہے تھے۔ پھر ایسے لوگوں کو اگر فتنہ پرداز نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

پھر آیت استخلاف میں خلافت کی بیعت کے بعد انکار کرنے والوں کو فاسق کہا گیا ہے

اور سب سے بڑھ کر لطیفہ یہ ہے کہ کہتے ہیں ہمیں منافق نہ کہا جائے ۔لیکن اسی اشتہار میں جس میں امارت کا اعلان بھی کیا گیا ہے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت میں رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ ملنا چاہے، اُس کا نام پوشیدہ رکھا جائے گا۔ گویا وہ صرف منافق ہی نہیں بلکہ منافق گر ہیں۔ وہ لوگوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ تم بظاہر خلیفہ کی بیعت میں رہو اور خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر عہد کرلو کہ ہم ہر ایک نیک بات میں آپ کی فرمانبرداری کریں گے۔ **سَمْعًا وَّ طَاعَةً** کے نعرے بھی لگاؤ، مگر در پردہ ہم سے ملے رہو اور پھر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ ہمیں منافق نہ کہو۔ یہ تو صحیح ہے کہ جس جماعت کا کوئی نظام نہ ہو اُس کے افراد خفیہ بیعت کر سکتے ہیں جیسے کہ سید محمد علی شاہ صاحب مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خفیہ بیعت کی اجازت دی تھی ۔مگر شاہ صاحب کسی اور پیر کے مرید تو نہ تھے وہ ایک آزاد آدمی تھے ان کی خفیہ بیعت کسی عہد کو باطل نہ کرتی تھی ۔ ایسے شخص کو اگر کوئی مجبوری ہو تو اختیار ہے کہ چاہے اپنے عقیدہ کو ظاہر کرے اور چاہے چُھپائے ۔مگر ظاہر میں کسی اور کے ساتھ بیعت کا رشتہ قائم کر کے در پردہ کسی اور سے تعلق رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ۔اگر ایک شخص کا مکان کسی کے پاس رہن نہیں تو اسے اختیار ہے کہ چاہے اپنا مکان خفیہ طور پر اسے رہن کر دے اور چاہے ظاہراً کر دے لیکن جس کا مکان پہلے سے رہن ہے وہ اگر خفیہ طور پر کسی دوسرے کے پاس رہن کر دیتا ہے تو ہر شخص کہے گا کہ یہ پکا بدمعاش ہے۔ پس ایک طرف بیعت کرنے والا دوسری طرف ملے تو یقیناً وہ منافق ہے۔ ہاں جو کسی سلسلہ میں شامل نہیں وہ اگر خفیہ طور پر کسی سے ملتا ہے تو یہ اور بات ہے۔ صحابہ اس امر کا اِس قدر لحاظ رکھتے تھے کہ ایک دفعہ قیصر روم کا ایلچی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور چاہا کہ اسلام قبول کرے۔ انہوں نے اس سے صاف انکار کیا اور فرمایا اِس وقت تم قیصر کے ایلچی ہو۔ اِس وقت تمہارا اسلام میں داخل ہونا بددیانتی ہوگا۔ واپس جا کر استعفیٰ دے کر آؤ تو پھر تم کو اسلام میں داخل کروں گا۔

پھر مصری صاحب کہتے ہیں کہ جماعت ایک آزاد کمیشن مقرر کرے مگر یہ معلوم نہیں اس سے ان کا مطلب کیا ہے۔ میں اِس وقت تک ان کے اس مطالبہ کو لغو سمجھتا ہوں مگر ممکن ہے ان کے ذہن میں کوئی ایسی صورت ہو جو ہمارے ذہن میں نہ ہو اور وہ ہمارے نزدیک بھی معقول

ہواس لئے میں ان سے ان کے ان الفاظ کے معنے پوچھنا چاہتا ہوں اور اس ضمن میں پہلی بات میں ان سے یہ پوچھتا ہوں کہ:۔

پہلے خلفاء کے خلاف بھی بعض لوگوں نے شکایات کی ہیں اور بعض دفعہ ایسے مقدمات عدالتوں میں بھی سنے گئے ہیں، مصری صاحب بتائیں کہ ان کے فیصلوں کیلئے کس قسم کے کمیشن مقرر ہوئے تھے؟ یا ان خلفاء کے اپنے مقرر کردہ قاضی ہی ان مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ آزاد کمیشن مانگنا مصری صاحب کا ہی حق ہے یا اور کسی کا بھی؟ کیا جب کوئی آکر کہے کہ خلیفہ کے متعلق آزاد کمیشن بٹھایا جائے یہ مطالبہ منظور ہو جانا چاہئے یا صرف اُس وقت جب مصری صاحب اِس کا مطالبہ کریں؟ جس طرح پنجابی میں مثل مشہور ہے کہ ''جتھے میاں نور جمال اوتھے مُردہ کھوتا وی حلال''۔ غرض وہ بتائیں کہ ہر معترض آزاد کمشن طلب کرسکتا ہے یا صرف وہی ایسا کرسکتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ بتائیں کہ آزاد کمیشن سے ان کی مراد کیا ہے؟ کیا مادر پدر آزاد؟ یعنی دہریوں کا کمیشن وہ مانگتے ہیں یا ان کے نزدیک آزاد کمیشن وہ ہے جسے وہ مقرر کریں خلیفہ نہ مقرر کرے؟ اگر یہ دونوں مراد نہیں تو وہ بتائیں کہ ان کا مطلب کیا ہے۔ آیا وہ چاہتے ہیں کہ ساری جماعت کو دعوت دی جائے اور پھر ووٹ لئے جائیں کہ کون کون جج مقرر ہو؟ اور ہمیشہ کیلئے یہی طریق ہو کہ جب کوئی الزام لگائے جماعت کو یہاں بُلا لیا جائے؟ اور ضمناً اس بات کا بھی وہ جواب دیں کہ ایسا کرنے پر پچاس ساٹھ ہزار بلکہ لاکھ روپیہ کا خرچ ہوگا وہ مصری صاحب دیں گے یا کون دے گا؟ پھر یہ ممکن ہے کہ کل کوئی اور اُٹھے اور کہے کہ مصری صاحب نے جو الزام لگائے تھے وہ غلط تھے اب میں یہ الزام لگاتا ہوں ان کی تحقیقات کی جائے اور اِدھر لوگ مصری صاحب کے کمیشن سے فارغ ہوکر گھر پہنچیں اور اُدھر پھر تاریں چلی جائیں کہ خلیفہ پر ایک اور مقدمہ ہوگیا ہے فوراً چلے آؤ۔ اور پھر اس سے فارغ ہوکر جائیں تو کوئی اور کہہ دے کہ میں خلیفہ پر یہ الزام لگاتا ہوں اور لوگ ابھی بعض رستوں میں ہی ہوں اور بعض ابھی پہنچے ہی ہوں کہ پھر تاریں چلی جائیں کہ فوراً آجاؤ پھر آزاد کمیشن بیٹھنے لگا ہے۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ آیا ہر الزام پر آزاد کمیشن چاہئے یا

آزاد کمیشن والے الزامات کی کوئی خاص نوعیت والے الزام ہی آزاد کمیشن کے حقدار ہوں گے تو اس نوعیت کا فیصلہ قرآن وحدیث کی کس سند کے ذریعہ کیا جائے گا؟ وہ یہ بھی بتائیں کہ آزاد کمیشن کا مطالبہ کرنے کا حق ان کو اگر حاصل ہے تو صرف اس دفعہ ہی یا جب وہ چاہیں جماعت سے اس کا مطالبہ کرلیں۔ اور اگر دوسروں کو بھی اس کا حق حاصل ہے تو انہیں بھی ایک ایک دفعہ عمر بھر میں یا جب اور جس وقت کوئی شخص آزاد کمیشن کا مطالبہ کرے فوراً آزاد کمیشن بیٹھ جانی چاہئے۔ اور یہ آزاد کمیشن جماعت کے اندر رہنے والے لوگ مانگ سکتے ہیں یا جماعت سے باہر کے لوگ بھی اس کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ مثلاً پیغامی اور غیراحمدی اس بارہ میں مطالبہ کریں تو آیا ان کا یہ مطالبہ جائز سمجھا جائے گا یا ناجائز؟ اگر جماعت سے باہر کے لوگوں کا یہ مطالبہ درست تسلیم نہ کیا جائے تو پھر مصری صاحب جو جماعت سے نکل چکے ہیں ان کو ایسا مطالبہ کرنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا ہے اور اگر یہ قانون ہے کہ جو جماعت سے قریب زمانہ میں نکلا ہو، وہ آزاد کمیشن کا مطالبہ کرسکتا ہے دوسرا نہیں۔ تو پھر وہ یہ بھی بتائیں کہ کتنی دیر تک کا مرتد اِس قسم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ پھر وہ یہ بھی بتائیں کہ آزاد کمیشن سے مراد غیراحمدیوں کا کمیشن ہے یا احمدیوں کا یا مشترک؟ اگر مشترک مراد ہے تو کس کس نسبت سے احمدی اور غیراحمدی ممبر مقرر کئے جائیں گے اور انہیں کون مقرر کرے گا۔ اگر خلیفہ مقرر کرے گا تو پھر وہ بقول مصری صاحب آزاد نہ رہے گا اور اگر احمدی مقرر کریں گے تو پھر بھی آزاد کمیشن نہ رہے گا کیونکہ وہ تو پہلے ہی خلیفہ کو حق پر سمجھ رہے ہیں ورنہ مصری صاحب کے ساتھ ہی بیعت توڑ کر الگ ہوجاتے اور اگر وہ کہیں کہ نہیں احمدی بہ حیثیت جج مقرر کرنے والے کے دیانتدار ہیں تو پھر غیراحمدی کمیشن کی کیا ضرورت رہی۔ پھر احمدی جج ہی کمیشن بن سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ یہ سوال بھی حل کریں کہ ان ممبرانِ کمیشن کو اگر جماعت احمدیہ نے مقرر کرنا ہے تو کیا ساری جماعت کو اکٹھا ہوکر منتخب کرنا چاہئے یا الگ الگ جماعتیں ایسا انتخاب کریں۔ اور اگر غیراحمدیوں نے بھی کوئی حصہ منتخب کرنا ہے تو ان کے انتخاب کا کیا ذریعہ ہوگا۔ اور اگر آزاد کمیشن سے مراد یہ ہے کہ آدھے جج معترض تجویز کیا کریں اور آدھے خلیفۂ وقت کیا کرے تو پھر سوال یہ ہے کہ اگر غیراحمدی ججوں پر خلیفہ کو اعتبار نہ ہو تو کیا

وہ حصہ بھی معترض ہی مقرر کر دیا کرے گا یا خلیفہ کو مجبور کیا جائے گا کہ ضرور کچھ غیر احمدیوں پر یا غیر مُسلموں پر اعتبار کر کے ان میں سے جج مقرر کرو۔ اور جب احمدیت خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی کر جائے گی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق دوسری اقوام اس کے ماتحت آجائیں گی تو اُس وقت غیر احمدی یا غیر مسلم بھی جانبدار نہ رہیں گے۔ اُس وقت آزاد کمیشن کیلئے ممبر کہاں سے لائے جائیں گے۔ آیا یہ کوشش کی جائے گی کہ کچھ حصہ دنیا کا بالکل آزاد رہے اور اسلامی حکومت میں داخل نہ ہو تا مصری صاحب کے ہم خیالوں کیلئے آزاد کمیشن کے ممبر ملتے رہیں اور پھر یہ بھی سوال ہے کہ اگر آزاد کمیشن یہ کہے کہ مصری صاحب جھوٹے ہیں تو ان کو کیا سزا دی جائے گی خلیفہ کیلئے تو یہ سزا ہوئی کہ وہ غیر احمدیوں کے کہنے پر خلافت سے معزول ہو جائے گا مگر اس کے مقابل پر مصری صاحب کیلئے کیا سزا ہوگی۔ آیا ان کیلئے صرف یہ کافی ہوگا کہ ہنس کر کہیں کہ چلو توبہ کرتے ہیں یا کوئی اَور سزا بھی ہوگی۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ اگر ان کے خلاف کمیشن فیصلہ کرے تو کیا وہ اس کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو جھوٹا کہیں گے؟ یا یہ کہیں گے کہ خلیفہ ہے تو بدکار ہی مگر کمیشن کی خاطر میں اسے مان لیتا ہوں۔ اگر اپنے آپ کو جھوٹا کہیں گے تو اُس وقت وہ براہین کہاں جائیں گے جن کی وجہ سے خلافت سے روگردانی ان کیلئے جائز ہوگئی ہے۔ اگر پھر بھی وہ اپنے آپ کو حق پر ہی سمجھتے رہیں گے اور باوجود اس کے خلیفہ کی بیعت کرلیں گے، تو آج آپ کو بیعت توڑنے کی کیا مجبوری پیش آئی تھی۔ یا آپ کا ارادہ یہ ہے کہ اگر فیصلہ آپ کے حق میں ہوا تو قابلِ قبول ہوگا ورنہ نہیں۔ یہ بہت سے سوال ہیں جن کا جواب دینا آزاد کمیشن کے مطالبہ سے پہلے ضروری ہے۔ اور امید ہے کہ مصری صاحب جلد اِن کا جواب دے کر اپنے نقطۂ نگاہ کو واضح کر دیں گے۔ بہرحال ہمیں یہ علم ہونا چاہئے کہ وہ آزاد کمیشن کسے کہتے ہیں۔ اس کے فیصلہ کی پابندی ان کیلئے ضروری ہوگی یا نہیں۔ اسے کون مقرر کرے، کس طرح کرے اور کس کس کو ایسا کمیشن مقرر کرانے کا حق ہے۔

ایک سوال اَور بھی ہے کہ اگر خلافت کے عزل کا سوال آزاد کمیشن سے طے کرایا جا سکتا ہے تو خلیفہ مقرر بھی کیوں غیر احمدیوں کی ایک کمیٹی سے نہ کروایا جائے۔ آخر میں میں

ایک اَور شبہ کا ازالہ کردینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِس فتنہ کو اہمیت کیوں دی جاتی ہے؟ مصری صاحب یا ان کے ساتھیوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی واقفیت کیلئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسے اہمیت مصری صاحب کی حیثیت کی وجہ سے نہیں دی جاتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ احراریوں، مستریوں اور پیغامیوں کے نمائندہ ہیں۔ بلکہ شبہ ہے کہ بعض حکام سے بھی ان کے تعلقات ہیں۔ یا کم سے کم ان کے بعض ساتھی ایسا کہتے ہیں اور چونکہ بعض حکام نیز احرار اور پیغامیوں کی امداد ان کی پشت پر ہے اور وہ مل کر حملہ کر رہے ہیں، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ جماعتی طور پر اِس فتنہ کا مقابلہ کریں اور اسے کُچل دیں۔ احرار کے فتنہ نے ہمارے ایمانوں کو بیشک خراب نہیں کیا مگر دُنیوی طور پر تو انہوں نے ضرور دِق کیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے متعلق خیال ہے کہ یہ سلسلہ کیلئے مشکلات نہ پیدا کریں۔ پھر اس کے علاوہ ہمارا فرض صرف یہی نہیں کہ احمدیوں کی حفاظت کریں بلکہ جن لوگوں کو ہم نے احمدی بنایا ہے ان کی حفاظت کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ یہ لوگ باہر ہمارے خلاف بہت پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور غیر احمدیوں میں اپنا زہر پھیلا رہے ہیں۔ کئی جگہ سے ہمارے دوستوں نے لکھا ہے کہ ہم نے ان کے اشتہار تقسیم کرنیوالوں سے مانگے تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں ہدایت ہے کہ آپ لوگوں کو نہ دیئے جائیں۔''

(خطبات محمود جلد ۱۸ صفحہ ۳۳۰ تا ۳۳۵)

---

۱ بخاری کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ سَتَرَوْنَ بَعْدِی اُمُوراً تُنْکِرُوْنَهَا

خلیفۂ وقت کی اطاعت میں یقینی فتح اور کامیابی ہے

(فرمودہ ۲۷؍اگست ۱۹۳۷ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

سب سے پہلے تو میں ایک رپورٹ کے متعلق بعض باتیں کہنا چاہتا ہوں جو ایک دوست نے ایک باہر کے گاؤں سے لکھ کر بھیجی ہے۔ وہ دوست بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی بیماری کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے اور بعض انتظامات کی خاطر قادیان آیا تھا۔ ایک مجلس میں مجھے باہر کے ایک مہمان کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوا جس کا نام تو میں نہیں جانتا مگر غالباً وہ ایم۔اے تھے۔ وہ دوست لکھتے ہیں کہ موجودہ فتنہ کے متعلق ہماری باہمی گفتگو شروع ہوگئی۔ اور میں نے برسبیلِ تذکرہ یہ بات بیان کی کہ ہمارے گاؤں میں بعض نوجوان اُن اِتہامات اور الزامات کی وجہ سے جو آجکل بعض جماعت سے خارجین کی طرف سے لگائے جاتے ہیں، بہت اشتعال میں تھے لیکن میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خطبات اور نصائح کی طرف ان کو توجہ دلائی اور بتلایا کہ ہمارے جوش اسی راہ پر چلنے چاہئیں جس پر چلنے کی خلیفۂ وقت کی طرف سے ہدایت ہو اور ہماری قربانیاں اسی رنگ میں ہونی چاہئیں جس رنگ میں امام کی طرف سے قربانی کے لئے ہمیں بُلایا جائے۔ اِس پر وہ دوست جو بیرونی مہمان تھے اور جن کا رپورٹ کرنے والے دوست کو نام معلوم نہیں کہنے لگے کہ آپ کو کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ خوامخواہ ان کے جوشوں کو ٹھنڈا کرتے۔ چونکہ جس شخص سے ان کی بات ہوئی ہے اس کا نام وہ نہیں جانتے اور جس کا نام معلوم نہیں اسے پرائیویٹ طور پر نصیحت کرنا ناممکن ہے۔ اور پھر چونکہ ناممکن ہے کہ ایسے اور لوگ بھی ہوں میں نے مناسب سمجھا کہ اس رپورٹ کے متعلق

خطبہ میں بعض باتیں بیان کروں۔

میں نے متواتر جماعت کو بتلایا ہے کہ خلافت کی بنیاد محض اور محض اس بات پر ہے کہ اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ[1] یعنی امام ایک ڈھال ہوتا ہے اور مومن اس ڈھال کے پیچھے سے لڑائی کرتا ہے۔ مومن کی ساری جنگیں امام کے پیچھے کھڑے ہو کر ہوتی ہیں۔ اگر ہم اس مسئلہ کو ذرا بھی بُھلا دیں، اِس کی قیود کو ڈھیلا کر دیں اور اس کی ذمہ واریوں کو نظر انداز کر دیں تو جس غرض کیلئے خلافت قائم ہے وہ مفقود ہو جائے گی۔ میں جانتا ہوں انسانی فطرت کی کمزوریاں کبھی کبھی اسے اپنے جوش اور غصہ میں اپنے فرائض سے غافل کر دیتی ہیں۔ پھر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کبھی انسان ایسے اشتعال میں آ جاتا ہے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ میں منہ سے کیا کہہ رہا ہوں مگر بہر حال یہ حالت اس کی کمزوری کی ہوتی ہے نیکی کی نہیں۔ اور مومن کا کام یہ ہے کہ کمزوری کی حالت کو مستقل نہ ہونے دے اور جہاں تک ہو سکے اسے عارضی بنائے بلکہ بالکل دُور کر دے۔ اگر ایک امام اور خلیفہ کی موجودگی میں انسان یہ سمجھے کہ ہمارے لئے کسی آزاد تدبیر اور مظاہرہ کی ضرورت ہے تو پھر خلیفہ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ امام اور خلیفہ کی ضرورت یہی ہے کہ ہر قدم جو مومن اُٹھاتا ہے اُس کے پیچھے اُٹھاتا ہے اپنی مرضی اور خواہشات کو اس کی مرضی اور خواہشات کے تابع کرتا ہے، اپنی تدبیروں کو اس کی تدبیروں کے تابع کرتا ہے، اپنے ارادوں کو اس کے ارادوں کے تابع کرتا ہے، اپنی آرزوؤں کو اس کی آرزوؤں کے تابع کرتا ہے اور اپنے سامانوں کو اس کے سامانوں کے تابع کرتا ہے۔ اگر اس مقام پر مومن کھڑے ہو جائیں تو ان کیلئے کامیابی اور فتح یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اِسی نکتہ کو واضح کرنے کے لیے فرماتا ہے کہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا[2] یعنی جو خلفاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں ہمارا وعدہ یہ ہے کہ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ یعنی ان کے طریق کو جو ہم ان کیلئے خود چنیں گے دنیا میں قائم کریں گے۔ دین کے معنی صرف مذہب کے ہی نہیں۔ گو مذہب بھی اس میں شامل ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مذہب تو انبیاء کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے۔ خلفاء کے ذریعہ سنن اور طریقے قائم کئے جاتے ہیں

ورنہ احکام تو انبیاء پر نازل ہو چکے ہوتے ہیں۔ خلفاء، دین کی تشریح اور وضاحت کرتے ہیں اور مُغلَق امور کو کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور ایسی راہیں بتاتے ہیں جن پر چل کر اسلام کی ترقی ہوتی ہے۔

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ جو مسلمانوں کا دین ہوگا ہم اسے مضبوط کریں گے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جو خلیفہ کا دین ہوگا اسے مضبوط کریں گے۔ جس پالیسی کو خلفاء پیش کریں گے ہم اسے ہی کامیاب بنائیں گے اور جو پالیسی ان کے خلاف ہوگی اُسے ناکام کریں گے۔ پس اگر کوئی مبائع اور مومن کوئی اور طریق اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اسے ناکام کریں گے۔ اب اس پر غور کرو ایک شخص یا دس بیس یا ہزار دو ہزار یا دس بیس ہزار لوگ خلیفہ سے کوئی الگ پالیسی رکھتے ہیں یا اپنی اپنی الگ پالیسیاں رکھتے ہیں تو خدا تعالیٰ نے تو جیسا کہ وہ فرما چکا ہے صرف خلیفہ کی پالیسی کو ہی کامیاب کرنا ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر جماعت ایک لاکھ کی ہے تو اس میں سے اتنے ہزار کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ اگر ایک ہزار کی کوششیں اللہ تعالیٰ ردّ کر رہا ہے تو گویا ۹۹ ہزار یا اگر دس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو نوے ہزار، اگر بیس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو اسی ہزار، اگر پچاس ہزار کی ردّ ہو رہی ہیں تو صرف پچاس ہزار لوگوں کی کوششیں کامیابی کے راستہ پر ہو رہی ہوں گی اور اس طرح جس نسبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے فتوحات آنی ہیں وہ اسی نسبت سے کم ہوتی جائیں گی۔ ایک لاکھ سپاہیوں کو جو کامیابی ہونی تھی اتنی نہیں ہوگی اور جتنی کوششیں ردّ ہو رہی ہوں گی اتنی کامیاب کوششوں میں کمی ہو جائے گی۔ اور اس طرح ایسے لوگ دین کی مدد کرنے والے نہیں ہوں گے بلکہ اس میں رخنہ ڈالنے والے اور اسے ضعیف اور کمزور کرنے والے ہوں گے۔

یہ تمام نقائص پیدا ہی تب ہوتے ہیں جب خدا تعالیٰ کے کلام پر یقین نہ ہو اور یہ خیال ہو کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہیں آئے گی بلکہ ہم نے خود کام کرنا ہے۔ یا خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریق پر چلنے سے کامیابی نہیں ہوگی بلکہ کامیابی اس طریق پر چلنے سے ہوگی جو ہم نے سوچا ہے۔ جس شخص نے جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنا ہو اُس کیلئے ضروری

ہے کہ سستیوں کو دور کر کے لوگوں کے اندر اخلاص، تقویٰ اور اُمنگ پیدا کرے۔ لیکن اگر کچھ آدمی ایسے ہوں کہ جتنی اُمنگیں اور امیدیں اور جوش خلیفہ پیدا کرے اس کا ایک حصہ وہ ضائع کر دیں، تو ایسے لوگ بجائے اسلام کی ترقی کا موجب ہونے کے اس کے تنزّل کا موجب ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھ لو صلح حدیبیہ کی مثال بالکل واضح ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ چونکہ وہ حج کا وقت نہیں تھا، آپ نے عمرہ کی نیت کی اور صحابہؓ کو بھی اطلاع دی۔ چلتے چلتے آپ کی اونٹنی حدیبیہ کے مقام پر بیٹھ گئی اور زور لگانے کے باوجود نہ اُٹھی۔ آپ نے فرمایا کہ اسے خدا تعالیٰ نے بٹھا دیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مشیت یہی ہے کہ ہم آگے نہ جائیں[۳]۔ مسلمانوں کی آمد دیکھ کر کفار نے بھی اپنا لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ کیونکہ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان طواف کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے آدمیوں کی انتظار میں تھے کہ آئیں تو شائد کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ ان کی طرف سے مختلف نمائندے آئے اور آخر کار صلح کا فیصلہ ہوا۔ شرائط صلح میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اِس وقت واپس چلے جائیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اب انہوں نے طواف کر لیا تو ہمارے پرسٹیج (PRESTIGE) میں فرق آئے گا اس لئے انہوں نے یہی شرط پیش کی کہ اب کے واپس چلے جائیں اور اگلے سال آ کر طواف کر لیں۔ دوسری شرط یہ ہوئی کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ جائے تو آپ اسے واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ والوں کے پاس جانا چاہے تو اسے اس کی اجازت ہوگی۔ بظاہر یہ شرطیں بڑی کمزور شرطیں تھیں اور پھر جس وقت آپ نے اس شرط کو منظور کر لیا، اُسی وقت ایک مسلمان جس کے ہاتھوں اور پاؤں میں کڑیاں اور بیڑیاں پڑی تھیں، جس کا تمام جسم لہولہان تھا نہایت تکلیف سے لڑھکتا اور گرتا پڑتا وہاں پہنچا اور عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! میرا حال دیکھئے میں مسلمان ہوں اور میرے رشتہ داروں نے اس طرح مجھے بیڑیاں پہنائی ہوئی ہیں اور مجھے شدید تکالیف پہنچا رہے ہیں۔ آج کفار لڑائی کیلئے تیار ہوئے تو میرا پہرہ ذرا کمزور ہوا اور میں موقع پا کر نکل بھاگا

اوراس حالت میں یہاں پہنچا ہوں۔صحابہؓ کو اُس کی حالت دیکھ کرا تنا جوش تھا کہ وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔لیکن اہل مکہ کی طرف سے جو شخص سفیر ہو کر آیا ہوا تھا اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر کہا کہ ہمیں آپ سے غداری کی امید نہیں۔آپ نے وعدہ کیا ہے کہ ہم میں سے اگر کوئی شخص آپ کے پاس آئے تو اسے واپس کر دیں گے اس لئے یہ شخص واپس کیا جائے۔اُس وقت اُن ہزاروں آدمیوں کے سامنے جو اپنے گھروں سے جانیں دینے کیلئے نکلے تھے،ان کا ایک بھائی تھا جو مہینوں سے قید تھا،جس کے ہاتھوں اور پاؤں سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے اور جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لایا تھا۔اسے دیکھ کر صحابہؓ کی تلواریں میانوں سے باہر نکل رہی تھیں اور وہ دلوں میں کہہ رہے تھے کہ ہم سب یہیں ڈھیر ہو جائیں گے مگر اسے واپس نہیں جانے دیں گے۔مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ خدا کے رسول دھوکا نہیں کیا کرتے۔ہم نے وعدہ کیا ہے اور اب خواہ ہمارے دلوں کو کتنی تکلیف ہو، اسے پورا کریں گے اور آپ نے کفار کے نمائندہ سے فرمایا کہ اسے لے جاؤ۔جب اس شخص نے دیکھا کہ مجھے واپس کیا جارہا ہے تو اس نے پھر نہایت مترحمانہ نگاہوں کے ساتھ صحابہؓ کی طرف دیکھا اور کہا تم جانتے ہو مجھے کس طرف دھکیلتے ہو؟ تم مجھے ظالم لوگوں کے قبضہ میں دے رہے ہو؟ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کو تاب نہ تھی کہ آنکھ اُٹھا سکے اس لئے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔[۲۲] لیکن صحابہ کو اس کا رنج اتنا تھا،اتنا تھا کہ جب صلح نامہ پر دستخط ہو چکے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ اس سال ہمیں عمرہ کا موقع نصیب نہ ہو۔جاؤ اور اپنی قربانیوں کو ذبح کر دو۔آپ نے یہ فرمایا اور وہ صحابہؓ جو آپ کے ایک اشارے پر اُٹھ کھڑے ہوتے اور نہایت بے تابی کے ساتھ فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی کوشش کرتے تھے،ان میں سے ایک بھی نہ اُٹھا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔آپ کے ساتھ اُمّہات المؤمنین میں سے ایک بی بی تھیں۔آپ نے ان سے کہا کہ آج میں نے وہ نظارہ دیکھا ہے جو نبوت کے ایام میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔میں نے باہر جا کر صحابہؓ سے کہا کہ اپنی قربانیاں ذبح کر دو مگر

ان میں سے ایک بھی نہیں اُٹھا۔ انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ کسی سے بات ہی نہ کریں۔ آپ سیدھے جاکر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر دیں۔ یہ زجر زبان کی زجر سے بہت سخت تھی اور یہ مشورہ نہایت ہی اچھا تھا۔ چنانچہ آپ باہر آئے، نیزہ لیا اور بغیر کسی مدد کے اپنے جانور ذبح کرنے شروع کر دیئے۔ جونہی صحابہؓ نے یہ دیکھا معاً انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ دَوڑے، بعض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کیلئے اور بعض اپنی قربانیوں کی طرف۔ اوران کی بے تابی اِس قدر بڑھ گئی کہ وہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کیلئے تلواروں کی نوکوں سے ایک دوسرے کو ہٹاتے تھے۔ [۵] لیکن گوانہوں نے یہ فرمانبرداری دکھائی اوران کا جوش بھی ٹھنڈا ہوا مگر پوری طرح نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ جیسا مخلص انسان بھی اپنے جوش کو نہ دبا سکا۔ آپ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں جاکر بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا آپ خدا کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم خدا کی سچی جماعت نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ کو ایک رؤیا ہوئی تھی کہ ہم مکہ میں داخل ہوکر عمرہ کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یہ ناکامی پھر کس بات کا نتیجہ ہے؟ ہم ایمان پر ہوتے ہوئے دب گئے اور کفار کا پہلو بھاری رہا اور ہم نے ایسی ایسی شرطیں منظور کر لیں کہ اپنے ایک بھائی کو سخت مصیبت کی حالت میں دیکھا مگر کچھ نہ کر سکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک مجھے رؤیا ہوئی تھی مگر کیا میں نے کہا تھا کہ اس سال ہم عمرہ کریں گے؟ میں نے صرف قیاس کیا تھا اور اسی قیاس کی بناء پر آیا اور تم کو معلوم ہے کہ یہ بات شرائط میں ہے کہ ہم اگلے سال عمرہ کریں گے اور خواب پورا ہوگا۔ پھر اس میں ذلّت کی کوئی بات نہیں کہ جو مسلمان ہو اُسے واپس کیا جائے اور جو کافر ہو اسے اپنے ہم مذہبوں کے پاس جانے دیا جائے۔ جس مسلمان کو کفار پکڑ کر رکھیں گے وہ تبلیغ ہی کرے گا اور جو مسلمان مرتد ہو جائے تم بتاؤ ہم نے اُسے رکھ کر کرنا ہی کیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ ان کا جوش کم ہوا مگر پوری طرح فرو نہیں ہوا۔ اور پھر وہ اس شخص کے پاس پہنچے جسے اللہ تعالیٰ نے صدیق کہا ہے اور جس کی نبض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبض کے تابع چلتی تھی اور کہا ابوبکرؓ! کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خدا کے رسول ہیں؟ کیا ہمارا دین سچا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب نہیں دیکھا تھا کہ ہم عمرہ کر رہے ہیں؟ پھر ہوا کیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا عمرؓ! کیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم ضرور اِسی سال عمرہ کریں گے؟ خواب صرف یہی ہے کہ ہم عمرہ کریں گے سوضرور کریں گے۔ تب حضرت عمرؓ کا دل صاف ہوا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ صداقت جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلی اُسی طرح ابوبکرؓ کی زبان سے بھی نکلی۔[۶] تو صلح حدیبیہ بڑا بھاری امتحان تھا، بڑی آزمائش تھی مگر صحابہؓ نے انتہائی اطاعت کا نمونہ دکھایا۔

مؤمن کو بعض دفعہ ایسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں ہم انتہائی طور پر ذلیل کئے جا رہے ہیں۔ پہلوں سے بھی ایسا ہوا اور ضروری ہے کہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ غرضیکہ سب انبیاء کی جماعتوں سے ایسا ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ کی صلیب کا واقعہ کچھ کم نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ یہ وعظ کیا کرتے تھے کہ اپنے کپڑے بیچ کر بھی تلواریں خریدو۔ مگر جب حکومت نے آپ کو پکڑا تو پطرس جوش میں آیا اور اُس نے لڑنا چاہا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پطرس جوش میں مت آ اور خاموش رہ۔ چنانچہ انجیل میں آتا ہے ''پطرس نے تلوار جو اس کے پاس تھی کھینچی اور سردار کاہن کے نوکر پر چلا کر اُس کا داہنا کان اُڑا دیا۔ یسوع نے پطرس سے کہا تلوار کو میان میں رکھ۔ جو پیالہ باپ نے مجھ کو دیا کیا میں اسے نہ پیئوں''[۷]۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بھی کئی واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ ان کی قوم جوش میں لڑنا چاہتی مگر وہ حکم دیتے کہ ٹھہر جاؤ۔

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کی جماعتوں کیلئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو کُلّی طور پر خدا کی تدبیر کے ماتحت کر دیں۔ مگر وہ مردہ نہیں ہوتے ان کے اندر جوش اور اخلاص ہوتا ہے۔ وہ قربانی کیلئے تیار رہتے ہیں مگر قربانی کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کی طرف دیکھتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے اِذن ہو اور جس رنگ میں ہو وہ اُسی وقت اور اُسی رنگ میں قربانی کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی فوقیت اور عظمت کی بڑی علامت فرمانبرداری اور اطاعت کا ایسا نمونہ ہی ہوتا ہے جو دوسری قوموں میں نظر نہیں آتا۔ جو چیز دوسروں کی نگاہ

میں ذِلّت ہو وہ ان کی نگاہ میں عزت ہوتی ہے۔ جو دوسروں کو عزت نظر آئے وہ اسے ذِلّت سمجھتے ہیں۔ لوگ عزت اس میں سمجھتے ہیں کہ اپنے نفس کا غصہ نکال لیں اور مومن اس میں کہ خدا تعالیٰ کا حکم پورا ہو، نفس کا غصہ بے شک نہ نکلے۔ جب کوئی شخص ایسا ہو جائے تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے نازل کرتا ہے جو اُس کی مدد کرتے ہیں اور یہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ تم سوچو تو سہی کیا ہماری اتنی طاقت ہے کہ ساری دنیا کو فتح کر سکیں۔ ہمیں تو جو کامیابی ہوگی فرشتوں کے ذریعہ سے ہوگی اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب مومن اپنے نفسوں پر قابو رکھیں اور دل میں اس کیلئے بالکل تیار رہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے گی اپنے نفسوں کو قربان کر دیں گے مگر اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھیں گے اور کوئی بات ایسی نہ کریں گے جو خلافِ شریعت اور خلافِ آداب ہو۔ شریعت وہ ہے جو قرآن کریم میں بیان ہے اور آداب وہ ہیں جو خلفاء کی زبان سے نکلیں۔ پس ضروری ہے کہ آپ لوگ ایک طرف تو شریعت کا احترام قائم کریں اور دوسری طرف خلفاء کا ادب واحترام قائم کریں اور یہی چیز ہے جو مومنوں کو کامیاب کرتی ہے۔

تمہارے دل پتھر کے ہوں گے اگر وہ ان معجزات سے متأثر نہیں ہوتے جو خدا تعالیٰ نے گزشتہ پچاس سال میں جماعت کیلئے ظاہر کئے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر وہ نشانات، جمادات پر ظاہر ہوں تو درختوں پر اور پتھروں پر اور لوہے پر اور لکڑی پر بھی ان کا اثر ضرور ہو اور تم تو انسان ہو۔ غور تو کرو تم نے کتنے نشان دیکھے ہیں اور کتنی وحیوں، کشوف اور الہامات کو پورا ہوتے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، آپ کے خلفاء اور پھر اپنے نفسوں کے ذریعہ تم میں سے بہت ہی کم ہوں گے جنہیں خدا تعالیٰ نے کبھی کوئی سچا خواب نہ دکھایا ہو اور پھر وہ پورا نہ ہوا ہو۔ تم تو زمین پر اللہ تعالیٰ کا چلتا پھرتا نشان ہو۔ دنیا کو تم انسان نظر آتے ہو مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں تم خدا کا ہاتھ ہو جو دنیا کی طرف بڑھایا گیا۔ تم خدا تعالیٰ کا دنیا کی طرف ایک چیلنج ہو جس طرح پُرانے بادشاہ بکرے چھوڑ دیتے تھے اور وہ علامت ہوتے تھے اِس بات کی کہ جو اُن پر ہاتھ اُٹھائے گا وہ گویا بادشاہ کو چیلنج دے گا اور پھر اس بکرے کیلئے ہزاروں لاکھوں انسان تہہِ تیغ ہو جاتے تھے۔ اسی طرح تم خدا کے بکرے

ہو۔ خدا تعالیٰ نے دنیا میں تم کو چھوڑا اور کہا ہے کہ یہ میری نشانیاں ہیں۔ جو اِن پر ہاتھ اُٹھائے گا وہ مجھ پر ہاتھ اُٹھانے والا سمجھا جائے گا۔ پس تم کو خدا تعالیٰ نے اپنی طاقت کی آزمائش کیلئے بھیجا ہے نہ کہ تمہاری طاقت کے اظہار کیلئے۔ ذرا سوچو کہ بکرے کی کیا طاقت ہوتی ہے۔ اگر وہ خود سینگ مارنے لگے تو لوگ اُس پر ہنسی کریں گے۔ لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اُس بکرے کے پیچھے بادشاہ کی طاقت ہے اور جس طرح بادشاہ کا بکرا اپنے سینگ مار کر اپنی ہلاکت خریدتا ہے اسی طرح تمہارا حال ہے۔ کیا تم کو خدا تعالیٰ پر یقین نہیں کہ تم اپنی تدبیروں سے کامیابی کی کوشش کرو۔ جو لوگ کامیابی اپنی تدبیروں سے سمجھتے ہیں وہ سوچیں تو سہی کہ ہماری طاقت کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے ذریعہ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پس تم اُسی کی طاقت پر بھروسہ رکھو اور اپنی تدبیروں کو دماغ سے نکال دو۔ مومن وہ ہے جو ہر ابتلاء سے بچتا ہے اور جسے دنیا کی کوئی طاقت اپنی طرف نہیں پھیر سکتی۔

موجودہ فتنہ جو ہے اس گند کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان اور تقویٰ ہے اُن پر تو اس کا کچھ اثر ہو نہیں سکتا اور ایسے لوگوں کو کیا صدمہ ہو سکتا ہے اور جن پر اثر ہوتا ہے وہ ازلی راندے ہوئے لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ سلسلہ سے الگ کر دے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو کون بچا سکتا ہے۔ انہیں تو نہ میں بچا سکتا ہوں اور نہ تم نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچا سکتے تھے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس کے دل پر موت وارد کرنے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر لے اسے کون بچا سکتا ہے۔ ہدایت دینا اور پھر ابتلاؤں سے بچانا اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اپنے ایمانوں کو مضبوط بنالیں اور ایسے مقام پر کھڑے ہوں کہ اس کے فضل سے ہمارے ایمان پر کوئی چھاپہ نہ مار سکے۔ جب کوئی شخص اپنے ایمان کو حملہ سے بچا لیتا ہے تو پھر فرشتے خود بخود اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔

میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ میں پندرہ سولہ سال کا تھا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام کیا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ یعنی میں تیرے متبعین کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔ یہ الہام اُس وقت کا ہے جب مجھے نہ خلافت کا

پتہ تھا اور نہ اس کا کوئی وہم وگمان ہوسکتا تھا۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کا الہام ہے جسے حضور نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی کاپی میں درج فرمایا۔ پندرہ سولہ سال کے بچہ کو ان باتوں کا علم ہی کیا ہوسکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت میری عمر اُنیس سال کی تھی اور یہ دو تین سال پہلے کا الہام ہے جبکہ میری عمر زیادہ سے زیادہ سترہ سال کی ہوگی۔ اُس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ کبھی میرے متبع ہوں گے اور پھر میرے منکر بھی ہوں گے۔ پھر اگر متبع ہوں تو منکروں کا ہونا تو ضروری نہیں ہوتا۔ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت سب نے کر لی تھی صرف دو تین آدمی رہ گئے تھے مگر وہ بھی کبھی ظاہر نہیں ہوئے۔ حضور کی وفات کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم نے بیعت نہیں کی تھی مگر لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ بیعت میں شامل ہیں اور ایسا ہی پھر بھی ہوسکتا تھا یعنی اگر میرے متبع ہوتے تو منکر نہ ہوتے۔ پھر میری خلافت کے خلاف تو حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں ہی ایجی ٹیشن شروع ہوگئی تھی۔ اُس وقت جو لوگ صاحبِ کار اور صاحبِ تدبیر تھے وہ ہمیشہ میرے خلاف جماعت کو اُکساتے رہتے تھے اور پھر دوسری طرف حضرت خلیفہ اوّل کو مجھ سے بدظن کرنے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ وہ جماعت کو تو کہتے تھے کہ یہ غلو کرتا ہے، کفر و اسلام کا مسئلہ چھیڑ کر جماعت کو تباہ کرنا چاہتا ہے اور حضرت خلیفۂ اوّل کو عجیب تدبیروں سے مجھ سے ناراض کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ یہ دو ہی ذریعے میری خلافت کے ممکن تھے یعنی یا تو جماعت منتخب کرتی اور یا پھر حضرت خلیفہ اول نامزد کرتے۔ اور یہ لوگ دونوں رستے بند کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل جب پہلی بار بیمار ہوئے تو آپ نے اپنی وصیت میں تحریر فرما دیا تھا کہ میرے بعد محمود خلیفہ ہو مگر بعد میں مخالفتوں کو دیکھ کر آپ نے وہ وصیت پھاڑ دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ اگر میں نے یہ لکھ دیا تو مخالفت کرنیوالے اسے میرا بنایا ہوا خلیفہ کہیں گے اور خلافت کا امر مشتبہ ہوجائے گا، اللہ تعالیٰ جسے چاہے بنادے۔

حضرت خلیفہ اوّل کو مجھ سے جس رنگ میں بدظن کرنے کی کوشش کی جاتی تھی میں اس کی ایک مثال سناتا ہوں۔ حضرت خلیفہ اوّل اُس کمرہ میں رہا کرتے تھے جہاں اب

شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ آ کر ٹھہرتے ہیں یعنی مسجد مبارک کے ساتھ جو کمرہ ہے۔ ایک روز قریشی امیر احمد صاحب مجھے گھر پر بُلانے آئے اور کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح بلاتے ہیں۔ میں گیا تو اُس وقت وہاں شیخ رحمت اللہ صاحب، مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور غالباً مولوی صدر الدین صاحب بیٹھے تھے۔ جب میں دروازہ میں پہنچا تو دیکھا ان کے چہروں کے رنگ اُڑے ہوئے ہیں۔ میں گھبرایا کہ خدا خیر کرے۔ میں نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا اور مجھے یاد نہیں حضرت خلیفہ اول نے جواب دیا یا نہیں اور فرمایا میاں! تم بھی اب ہمارے خلاف منصوبوں میں شامل ہوتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں میں تو کسی ایسے منصوبہ میں شامل نہیں ہوا؟ آپ نے فرمایا یہ لوگ بیٹھے ہیں میں نے ایک مکان کے متعلق کہا تھا کہ وہ فلاں شخص کو دے دیا جائے اور ان لوگوں نے میرے خلاف فیصلہ کیا ہے اور میرے پوچھنے پر کہتے ہیں کہ میاں صاحب نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔ میں نے کہا یہ بالکل خلافِ واقعہ امر ہے۔ اِن لوگوں نے یہ معاملہ پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ شخص کم قیمت دیتا ہے۔ میں نے کہا حضرت خلیفہ اوّل کا منشاء ہے کہ اِسی کو دیا جائے۔ اِس پر ڈاکٹر محمد حسین صاحب نے کہا کہ ہم لوگوں کو تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔ ہم لوگ ٹرسٹی ہیں اور جماعت کے اموال کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعتمادی بنایا ہے دین کیلئے ہمیں جہاں سے زیادہ رقم ملے لے لینی چاہئے۔ میں نے کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح سے زیادہ تقویٰ کا خیال کون رکھ سکتا ہے۔ اگر ان کے نزدیک کم قیمت پر اس شخص کو دے دینا ضروری ہے تو میرے نزدیک یہی تقویٰ ہے۔ مگر یہ کہنے لگے کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اجازت دے دی ہے۔ میں نے کہا کہ ان کی تحریر دکھائیں۔ اِس پر انہوں نے آپ کی ایک تحریر دکھائی جس میں لکھا تھا کہ میں نے وہ مشورہ دیا تھا جو میرے نزدیک صحیح تھا لیکن اب میں وہ مشورہ واپس لیتا ہوں جس طرح چاہو کرو۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا یہ اجازت تو نہیں ناراضگی کی تحریر ہے اس لئے اگر آپ لوگوں کا پہلے ارادہ بھی کسی اور کو دینے کا تھا تو اب رُک جانا چاہئے۔ لیکن اس کے جواب میں انہوں نے پھر کہا کہ تقویٰ سے کام لینا چاہئے اور میں یہ کہہ کر کہ میرے نزدیک تقویٰ وہی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح پسند کرتے ہیں، خاموش ہو گیا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے ان سے

پوچھا کہ یہ بات ٹھیک ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک تو ہے مگر انہوں نے منع بھی نہیں کیا۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّل جوش میں آ گئے اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے اس پر ناراض کرنے کی کوشش کرتے ہو!۔ یہ بڑی عمر کا تھا یا تم! اس نے کہہ دیا کہ اطاعت کرو اور کیا کرتا تم لوگوں کے ہاتھ پکڑ لیتا!! غرض حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو مجھ سے بدظن کرنے کی جو تدابیر بھی ممکن تھیں یہ لوگ انہیں اختیار کرتے رہتے تھے مگر خدا کی مشیت نے پورا ہو کر رہنا تھا۔ انسانوں نے سارا زور لگایا اور خلافت کے جتنے دروازے ان کے نزدیک تھے وہ مجھ پر بند کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ حالانکہ میرے تو ذہن میں بھی کبھی خلافت کا خیال نہ آیا تھا بلکہ اگر کوئی کبھی مجھ سے اس کے متعلق کوئی ذکر بھی کرتا تو میں اسے روک دیتا اور کہتا کہ یہ جائز نہیں۔

ابھی حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی نے ایک حلفی بیان شائع کرایا ہے جس میں لکھا ہے کہ ''حضرت خلیفہ اوّل بیمار تھے اور مجھے گوجرانوالہ ایک مباحثہ پر جانے کا حکم ہوا۔ مولوی محمد علی صاحب مجھے ملے تو کہنے لگے حافظ صاحب! آپ سفر پر جاتے ہیں اور مولوی صاحب بیمار ہیں۔ خلیفہ بنانے میں جلدی نہ کرنا۔ میں نے یہ بات حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے سامنے پیش کی کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے فرمایا حافظ صاحب! اگر مولوی محمد علی صاحب کو اللہ تعالیٰ خلیفہ بنا دے تو میں اپنے تمام متعلقین کے ساتھ ان کی بیعت کرلوں گا''۔

تو میں نے آگے آنا نہیں چاہا تھا، میں پیچھے ہٹتا تھا مگر خدا کے ہاتھ نے مجھے پکڑا اور کہا کہ جب ہم کام لینا چاہتے ہیں تو تُو پیچھے رہنے والا کون ہے اور خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کر دیا۔ اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم خوش نہیں ہیں مگر میں کہتا ہوں تمہاری خوشی کا سوال ہی کیا ہے۔ اگر تم خوش نہیں ہو تو جاؤ اُس سے لڑو جس نے مجھے خلیفہ بنایا ہے۔ اگر تم میں کچھ طاقت اور زور ہے تو اُس کے پاس جاؤ اور اس سے اُس تائید اور نصرت کو بند کرا دو جو مجھے مل رہی ہے۔ مگر میں ہر ایسے شخص کو بتا دیتا ہوں کہ اسے سوائے ناکامی و نامرادی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ سلسلہ خدا کا سلسلہ ہے اور خدا کے سلسلوں پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ آج بے شک تم اتنے لوگ میرے ساتھ ہو مگر اُس وقت کون تھا جب خدا تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنایا۔

بے شک قادیان کے اکثر لوگوں نے بیعت کر لی تھی لیکن باہر کی بہت سی جماعتیں متردّد تھیں۔ بڑے بڑے کارکن سب مخالف تھے، خزانہ خالی تھا اور مخالفت کا دریا تھا جو اُمڈا ہوا چلا آرہا تھا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اُس وقت میں اس کی نصرت سے کامیاب ہوا۔ اُس وقت خدا ہی تھا جو میری تائید کیلئے آیا اور اسی نے دوسرے دن مجھ سے وہ ٹریکٹ نکلوایا کہ ''کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے'' اور جہاں جہاں یہ ٹریکٹ پہنچا جس طرح حنین کی لڑائی کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ آواز بلند کرائی گئی کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے اور صحابہ بیتاب ہو کر اُس آواز کی طرف بھاگے بلکہ جن کے گھوڑے نہیں مڑتے تھے انہوں نے اُن کی گردنیں کاٹ دیں اور پیدل دَوڑے۔[8] اسی طرح جب میری آواز باہر پہنچی متردّد جماعتوں کے دل صاف ہوگئے اور تاروں اور خطوں کے ذریعہ بیعت کرنے لگیں۔ وہی خدا جو اُس وقت فوجوں کے ساتھ تائید کرنے آیا آج میری مدد پر ہے اور اگر آج تم خلافت کی اطاعت کے نکتہ کو سمجھ لو تو تمہاری مدد کو بھی آئے گا۔ نصرت ہمیشہ اطاعت سے ملتی ہے۔ جب تک خلافت قائم رہے نظامی اطاعت پر اور جب خلافت مٹ جائے انفرادی اطاعت پر ایمان کی بنیاد ہوتی ہے۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ خواہ تم کتنے عقلمند اور مدبر ہو، اپنی تدابیر اور عقلوں پر چل کر دین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک تمہاری عقلیں اور تدبیریں خلافت کے ماتحت نہ ہوں اور تم امام کے پیچھے پیچھے نہ چلو ہرگز اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تم حاصل نہیں کر سکتے۔ پس اگر تم خدا تعالیٰ کی نصرت چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ اس کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ تمہارا اٹھنا بیٹھنا، کھڑا ہونا اور چلنا، تمہارا بولنا اور خاموش ہونا میرے ماتحت ہو۔ بیشک میں نبی نہیں ہوں لیکن میں نبوت کے قدموں پر اور اس جگہ پر کھڑا ہوں۔ ہر وہ شخص جو میری اطاعت سے باہر ہوتا ہے وہ یقیناً نبی کی اطاعت سے باہر جاتا ہے۔ جو میرا جوأ اپنی گردن سے اُتارتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جوأ اُتارتا ہے۔ اور جو اِن کا جوأ اُتارتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوأ اُتارتا ہے۔ اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوأ اُتارتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا جوأ اُتارتا ہے۔ میں بے شک انسان ہوں خدا نہیں

ہوں مگر میں یہ کہنے سے نہیں رہ سکتا کہ میری اطاعت اور فرمانبرداری میں خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ مجھے جو بات کہنے کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے میں اسے چھپا نہیں سکتا۔ مجھے اپنی بڑائی بیان کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اور میں اِس وقت تک اِس شرم کی وجہ سے رُکا رہا ہوں لیکن آخر خدا تعالیٰ کے حکم کو بیان کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں انسانوں سے کام لینے کا عادی نہیں ہوں۔تم بائیس سال سے مجھے دیکھ رہے ہو اور تم میں سے ہر ایک اِس امر کی گواہی دے گا کہ ذاتی طور پر کسی سے کام لینے کا مَیں عادی نہیں ہوں۔ حالانکہ اگر میں ذاتی طور پر بھی کام لیتا تو میرا حق تھا مگر میں ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہوں کہ خود دوسروں کو فائدہ پہنچاؤں مگر خود کسی کا ممنونِ احسان نہ ہوں۔خلفاء کا تعلق ماں باپ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے اس کے ماں باپ نے خدمات نہ لی ہوں گی۔مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کسی سے ذاتی فائدہ اٹھانے یا خدمات لینے کی میں نے کوشش کی ہو۔ میرے پاس بعض لوگ آتے ہیں کہ ہم تحفہ پیش کرنا چاہتے ہیں، آپ اپنی پسند کی چیز بتا دیں مگر میں خاموش ہو جاتا ہوں۔آج تک ہزاروں نے مجھ سے یہ سوال کیا ہوگا مگر ایک بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس کا جواب دیا ہو۔ میرا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا ہے کہ وہ خود میری دستگیری کرتا ہے اور میرے تمام کام خود کرتا ہے۔

بندے کا کام خدا تعالیٰ کا امتحان لینا نہیں مگر میں نے کئی دفعہ ابراہیم کی طرح جوشِ محبت میں خدا تعالیٰ سے اُس کی قدرتوں کے دیکھنے کی خواہش کی ہے اور اس نے میری خواہش پوری کی ہے۔ایک دفعہ میں ایک سفر پر تھا اور ایسے علاقہ سے گزر رہا تھا جہاں کوئی احمدی نہ تھا۔ غالبًا نشانات کا ذکر تھا میں نے اُس وقت اللہ تعالیٰ سے کہا کہ مجھے اپنے نشان کے طور پر ایک روپیہ دلوا دیں۔ اب یہ بات تو بالکل عقل کے خلاف تھی کہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی مجھے ایک روپیہ دے دیتا۔ اور اُس وقت یہ ذکر ہو رہا تھا کہ اس علاقہ میں کوئی احمدی نہیں اور لوگ شدید مخالف ہیں۔مگر اِدھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور اُدھر سامنے ایک گاؤں کے لوگ کھڑے نظر آئے اور ہمارے کسی ساتھی نے کہا کہ اس گاؤں میں سے نہیں گزرنا چاہئے یہ لوگ سخت مخالف ہیں اور نمبردار کئی دفعہ کہہ چکا ہے کہ یہاں اگر کوئی

احمدی آیا تو اُسے جُوتے مرواؤں گا اس لئے اس گاؤں سے ہٹ کر چلنا چاہیئے۔مگر ہم اِس قدر قریب پہنچ چکے تھے کہ اور کوئی رستہ ہی نہ تھا، اس لئے چلتے گئے۔ہمیں دیکھ کر وہ نمبردار آگے بڑھا۔میرے ساتھی میرے اِردگرد ہو گئے کہ ایسا نہ ہو حملہ کر دے۔مگر اُس نے بڑھ کر سلام کیا اور ایک روپیہ اپنی ہتھیلی پر رکھ کر بطور نذرانہ پیش کیا۔ میں مُسکرا پڑا اور وہ دوست گاؤں سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کرنے لگے۔ایک نے کہا اس کا روپیہ لینا نہیں چاہیئے تھا۔ میں نے کہا اِسی کا تو لینا چاہیئے تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ وہ روپیہ خدا تعالیٰ کا اپنے بندہ کے ناز کو پورا کرنے کی علامت تھا۔تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ مجھ سے ایسا ہے کہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔بیسیوں مرتبہ میں نے اپنی آمد اور اخراجات کا حساب کیا ہے تو اخراجات آمد سے ہمیشہ دوگنا ہوئے ہیں اور پھر پتہ نہیں وہ کس طرح پورے ہوتے ہیں۔ پھر حساب کے معاملہ میں مَیں اس قدر محتاط ہوں کہ میں چیلنج کرتا رہتا ہوں کہ جو چاہے میرے حساب کو دیکھ لے۔

پچھلے دنوں ایک شخص کے اعتراضات کے جواب میں مَیں نے جو خطبہ پڑھا تو ایک غیر مبائع کا خط آیا کہ میں نے آپ کا خطبہ پڑھا ہے میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کے حسابات ہمارے حسابات سے زیادہ صاف ہیں۔ہم پر اعتراض ہو سکتے ہیں مگر آپ پر نہیں۔مگر آخر میں یہ بھی لکھ دیا کہ تین سال سے جو فلاں شخص پیدا ہوا ہے، شاید اس سے ڈر کر یہ حساب رکھے گئے ہیں۔ میں نے اسے لکھا کہ تین سال سے نہیں بلکہ ۲۲ سال سے ہی ایسے ہیں جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کو اپنے ساتھ دیکھ کر میں کسی انسان پر کوئی امید نہیں رکھ سکتا۔

کئی لوگ کہتے ہیں کہ موٹر رکھا ہوا ہے۔نادان نہیں جانتے کہ موٹر تو جلدی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا ذریعہ ہے۔موٹر کی قیمت عرب کے گھوڑے کے برابر ہی ہوتی ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی گھوڑے رکھتے تھے۔ پھر گاڑی بھی تو سواری کا ذریعہ ہے۔اگر موٹر سادگی کے خلاف ہے تو پھر گاڑی میں بھی سفر نہیں کرنا چاہیئے۔کامل سادگی اسی میں ہے کہ پیدل چلا جائے۔میرا موٹر تو بہت سارا دینی کاموں کے کام آتا ہے۔سلسلہ کے

جومہمان یہاں آتے ہیں ان کے سواری کے کام یہی آتا ہے۔ پھر سلسلہ کے کاموں کیلئے لاہور وغیرہ جانا پڑے تو اِسی پر چلے جاتے ہیں۔اگر سلسلہ موٹر خریدتا اور میں اسے استعمال کرتا تب بھی کوئی اعتراض کی بات نہ تھی۔اگر وائسرائے گاڑی میں سفر کرے یا ہوائی جہاز پر کرے تو کیا حکومت اس کا انتظام کرتی ہے یا نہیں؟ اس کیلئے سواری کا انتظام حکومت کے ہی ذمہ ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ پھرے گا نہیں تو کام کیسے کرے گا۔اس لئے اگر سلسلہ کی طرف سے خریدکردہ موٹر کو مَیں استعمال کرتا تو بھی کوئی اعتراض کی بات نہ تھی۔لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ یہ میرے روپے سے خریدا گیا اور سلسلہ کے کام آتا ہے یہ ایک قابلِ تعریف بات تھی لیکن نادان اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔

میں نے کئی دفعہ سنایا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ سید عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ ایک ایک ہزار دینار کا لباس پہنا کرتے تھے۔کسی نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ نادان نہیں جانتا کہ میں اُس وقت تک کوئی کپڑا پہنتا ہی نہیں ہوں جب تک خدا تعالیٰ مجھے نہیں کہتا کہ اے عبدالقادر! تجھے میری ہی قسم کہ یہ کپڑا پہن۔اور میں نہیں کھاتا جب تک خدا تعالیٰ مجھے نہیں کہتا کہ عبدالقادر! تجھے میری ہی قسم کھا۔اور تم کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۳ء کی عیدالفطر کے خطبہ کے موقع پر میں نے اپنا ایک رؤیا سنایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑا ہجوم ہے میں اس میں بیٹھا ہوں اور ایک دو غیر احمدی بھی میرے پاس بیٹھے ہیں۔کچھ لوگ مجھے دبا رہے ہیں۔ان میں سے ایک شخص جو سامنے کی طرف بیٹھا تھا، اُس نے آہستہ آہستہ میرا اِزار بند پکڑ کر گرہ کھولنی چاہی۔ میں نے سمجھا اِس کا ہاتھ اتفاقاً لگا ہے اور میں نے اِزار بند پکڑ کر اُس کی جگہ پر اٹکا دیا۔ پھر دوبارہ اُس نے ایسی ہی حرکت کی اور میں نے پھر یہی سمجھا کہ اتفاقیہ اُس سے ایسا ہوا ہے۔تیسری دفعہ پھر اُس نے ایسا ہی کیا تب مجھے اُس کی بدنیتی کے متعلق شبہ ہوا اور میں نے اسے روکا نہیں جب تک کہ میں نے دیکھ نہ لیا کہ وہ بِالارادہ ایسا کر رہا ہے تا جب میں کھڑا ہوں تو ننگا ہو جاؤں اور لوگوں میں میری سُبکی ہو۔تب میں نے اُسے ڈانٹا اور کہا تو جانتا نہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے عبدالقادر بنایا ہے (یہ خواب جیسا کہ ظاہر ہے موجودہ فتنہ پر بوضاحت دلالت کرتا ہے)۔

پس میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بالکل سید عبدالقادر جیلانی والا ہے۔وہ میرے لئے اپنی قدرتیں دکھاتا ہے مگر نادان نہیں سمجھتا۔ یہ زمانہ چونکہ بہت شُبہات کا ہے اِس لئے میں تو اِس قدر احتیاط کرتا ہوں کہ دوسروں سے زیادہ ہی قربانی کروں۔ پس یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کو دیکھتے ہوئے میں انسانوں پر انحصار نہیں کرسکتا اور تم بھی یہ نصرت اس طرح حاصل کر سکتے ہو کہ اطاعت کا اعلیٰ نمونہ دکھاؤ۔اور ایسا کرنے میں صرف خلیفہ کی اطاعت کا ثواب نہیں بلکہ موعود خلیفہ کی اطاعت کا ثواب تمہیں ملے گا۔اور اگر تم کامل طور پر اطاعت کروتو مشکلات کے بادل اُڑ جائیں گے،تمہارے دشمن زیر ہو جائیں گے اور فرشتے آسمان سے تمہارے لئے ترقی والی نئی زمین اور تمہاری عظمت وسطوت والا نیا آسمان پیدا کریں گے۔لیکن شرط یہی ہے کہ کامل فرمانبرداری کرو۔ جب تم سے مشورہ مانگا جائے مشورہ دو ورنہ چُپ رہو، ادب کا مقام یہی ہے۔لیکن اگر تم مشورہ دینے کے لئے بیتاب ہو بغیر پوچھے بھی دے دو مگر عمل وہی کرو جس کی تمہیں ہدایت دی جائے۔ ہاں صحیح اطلاعات دینا ہر مومن کا فرض ہے اور اس کیلئے پوچھنے کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ باقی رہا عمل اِس کے بارہ میں تمہارا فرض صرف یہی ہے کہ خلیفہ کے ہاتھ اور اُس کے ہتھیار بن جاؤ، تب ہی برکت حاصل کرسکو گے اور تب ہی کامیابی نصیب ہوگی۔اللہ تعالیٰ تم کو اِس کی توفیق بخشے۔

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۶ تا ۳۸۰)

---

۱ بخاری کتاب الجهاد باب يقاتل مِن وَّراء الامام (الخ)

۲ النور: ۵۶

۳ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد (الخ)

۴ سیرت ابن ہشام جلد۳ صفحہ ۳۳۲۔۳۳۳ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۵،۶ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد (الخ)

۷ یوحنا باب ۱۸ آیت ۱۰، ۱۱ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور ۱۸۷۰ء

۸ سیرت ابن ہشام جلد۴ صفحہ ۸۷ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

دُنیاانبیاءاورخلفاء کےذریعہ ہی خداتعالیٰ کے نور کا مشاہدہ کرتی ہے

(فرمودہ ۱۷ رستمبر ۱۹۳۷ء)

تشہد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

گزشتہ اتوار کی رات میں نے ایک عجیب رؤیا دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بڑا جلسہ گاہ ہے مگر اس رنگ کا نہیں جیسا کہ ہمارا جلسہ گاہ ہوا کرتا ہے بلکہ جیسا کہ تاریخوں میں ہم پڑھتے ہیں کہ روم میں بڑے بڑے قومی اجتماعوں کیلئے ایمفی تھیٹر (AMPHI THEATRE) بنائے جایا کرتے تھے اسی رنگ کا وہ جلسہ گاہ ہے۔ یعنی جو خطیب ہے اُس کے سامنے مربع یا مستطیل شکل میں جلسہ گاہ نہیں بلکہ ہلالی شکل میں ہے۔ جس طرح گھوڑے کا نعل بیچ میں سے خالی ہوتا اور قریباً نصف دائرہ یا اس سے کچھ زیادہ بنا تا ہے اسی طرح ایک وسیع میدان میں جو نصف میل یا میل کے قریب ہے اس طرح بینچ لگے ہوئے ہیں۔ جس طرح پہلے دن کا چاند ہوتا ہے ایک گول دائرہ ہے جو دور فاصلہ سے شروع ہو کر دونوں کناروں سے آگے بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ اور جس طرح چاند کی ایک طرف خالی نظر آتی ہے اسی طرح ایک طرف اس دائرہ کی خالی ہے اور وہاں لیکچرار یا خطیب کی جگہ ہے۔ اس وسیع میدان میں کہ لوگوں کی شکلیں بھی اچھی طرح پہچانی نہیں جاسکتیں بہت سے لوگ لیکچر سننے کیلئے بیٹھے ہیں اور جو درمیانی جگہ خطیب کی ہے جہاں چاند کے دونوں کونے ایک دوسرے کے قریب ہو جاتے ہیں وہاں میں کھڑا ہوں اور اس وسیع مجمع کے سامنے ایک تقریر کر رہا ہوں۔ وہ تقریر

الوہیت، نبوت اور خلافت کے متعلق اور ان کے باہمی تعلقات کی نسبت ہے۔ گو یوں بھی میری آواز خدا تعالیٰ کے فضل سے جب صحت ہو تو بہت بلند ہوتی ہے اور دور دور سنائی دیتی ہے۔ لیکن وہ دائرہ اتنا وسیع ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھ سے دُگنی آواز والا شخص بھی اپنی آواز اُن لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا۔ مگر رؤیا میں میری آواز اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وسیع دائرہ کے تمام سروں تک میری آواز پہنچ رہی ہے۔ اسی ضمن میں مَیں مختلف آیاتِ قرآنیہ سے اپنے مضمون کو واضح کرتا ہوں اور بعض دفعہ تقریر کرتے کرتے میری آواز اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے سِروں تک پہنچ رہی ہے۔ جب میں اپنی تقریر کے آخری حصہ تک پہنچتا ہوں تو اُس وقت میری حالت اِس قسم کی ہو جاتی ہے جس طرح کوئی شخص جذب کی حالت میں آجاتا ہے۔ میں نے اُس وقت الوہیت، نبوت اور خلافت کے متعلق ایک مثال بیان کر کے اپنے لیکچر کو ختم کیا اور اُس وقت میری آواز میں ایسا جلال پیدا ہو گیا کہ اسی کے اثر سے میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے صرف وہ مثال ہی یاد رہ گئی ہے باقی مضمون بھول گیا ہے۔ وہ مثال میں نے رؤیا میں یہ دی تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء اور اس کے خلفاء کے تعلق کی مثال چوکھٹے میں لگے ہوئے آئینہ کی ہوتی ہے۔ آئینہ کا کام تو درحقیقت درمیانی شیشہ دیتا ہے مگر اس شیشہ کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ جیسے آئینہ کے پیچھے قلعی ہوتی ہے اور اس کے اِردگرد چوکٹھا ہوتا ہے۔ لیکن دراصل جو چیز ہماری شکل ہمیں دکھاتی ہے اور جو چیز ہمارے عیب اور صواب کے متعلق ہماری راہ نمائی کرتی ہے، وہ آئینہ ہی ہے۔ نہ وہ قلعی جو اس کے پیچھے لگی ہوئی ہوتی ہے وہ اپنی ذات میں شکل دکھا سکتی ہے اور نہ وہ چوکٹھا جو اس کے اِردگرد لگا ہوتا ہے وہ ہمارے عیب اور صواب کے متعلق ہمیں کوئی ہدایت دے سکتا ہے۔ لیکن آئینہ بھی عیب اور صواب ہمیں تبھی بتاتا ہے جب اُس کے پیچھے قلعی کھڑی ہو۔ اور وہ محفوظ بھی اُسی وقت تک رہتا ہے جب تک وہ چوکٹھے میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ چوکٹھوں میں لگے ہوئے آئینے لوگ اپنے میزوں پر رکھ لیتے ہیں اور اس طرح وہ ٹوٹنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ مگر جب ہم اس کے چوکٹھے کو اُتار دیں اور اُس کی قلعی کو کھرچ دیں تو آئینہ بلحاظ روشنی کے تو آئینہ ہی رہتا ہے مگر پھر وہ ہماری شکل ہمیں نہیں

دکھاتا۔ اور اگر دکھاتا ہے تو نہایت دُھندلی سی۔ جیسے مثلاً (یہ مثال میں نے رؤیا میں نہیں دی۔ صرف سمجھانے کیلئے بیان کر رہا ہوں) دروازوں میں وہی شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں، کھڑکیوں میں بھی وہی شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں جو آئینوں میں ہوتے ہیں مگر ان میں سے شکل نظر نہیں آسکتی کیونکہ ان کے پیچھے قلعی نہیں لگی ہوتی۔ اسی طرح جن شیشوں کے چوکٹھے اُتر جاتے ہیں رؤیا میں ہی مَیں کہتا ہوں کہ ان شیشوں کا محفوظ رکھنا مشکل ہوتا ہے اور وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ تو آئینہ اپنے اندرونی جوہر ظاہر کرنے کیلئے ایک ایسی چیز کے آگے کھڑا ہوتا ہے جو اپنی ذات میں تو چہرہ دکھانے والی نہیں مگر جب وہ آئینہ سے مل جاتی ہے تو آئینہ میں شکل نظر آنے لگ جاتی ہے اور وہ قلعی ہے۔ اسی طرح اس کا چوکٹھا اسے محفوظ رکھتا ہے۔

تو میں رؤیا میں یہ مثال دے کر کہتا ہوں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کی مثال ایک آئینہ کی سی ہے اور انسان کی پیدائش کا اصل مقصد اسی کو حاصل کرنا ہے۔ وہی ہے جو ہمیں علم دیتا ہے، وہی ہے جو ہمیں عرفان دیتا ہے، وہی ہے جو ہمیں عیب سے آگاہی بخشتا ہے، وہی ہے جو ہمیں ثواب کی باتوں کا علم دیتا ہے لیکن وہ اپنی قدیم سنت کے مطابق اُس وقت تک دنیا کو عیب اور صواب سے آگاہی نہیں بخشتا جب تک اُس کے پیچھے قلعی نہیں کھڑی ہو جاتی جو نبوت کی قلعی ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ اپنے وجود کو نبیوں کے ہاتھ سے پیش کرواتا ہے۔ جب نبی اپنے ہاتھ میں لے کر خدا تعالیٰ کے وجود کو پیش کرتا ہے تبھی دنیا اُس کو دیکھ سکتی ہے ورنہ نبوت کے بغیر خدا تعالیٰ کی ہستی اتنی مخفی اور اتنی وراء الوراء ہوتی ہے کہ انسان صحیح اور یقینی طور پر اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ زمینوں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ دریاؤں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ پہاڑوں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ سمندروں میں بھی ہے، اللہ تعالیٰ خشکیوں میں بھی ہے۔ غرض ہر ایک ذرّہ ذرّہ سے اس کا جلال ظاہر ہو رہا ہے مگر باوجود اس کے کہ دنیا کے ذرّہ ذرّہ میں اس کا جلال پایا جاتا ہے بغیر انبیاء کے دنیا نے کب اِس کو دیکھا۔ انبیاء ہی ہیں جو خدا تعالیٰ کا وجود دنیا پر ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن انبیاء خدا تعالیٰ کو بناتے تو نہیں، وہ تو ازل سے موجود ہے پھر وجہ کیا ہے کہ انبیاء کے آنے پر دنیا خدا تعالیٰ کو دیکھنے لگ جاتی ہے اور پہلے نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جس طرح آئینہ کے پیچھے

قلعی کا وجود ضروری ہوتا ہے اسی طرح انبیاء کو خدا تعالیٰ نے اپنے ظہور کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ پھر چوکٹھا جو ہوتا ہے وہ آئینہ کی حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے اور وہ بھی نبوت اور خلافت کا مقام ہے یعنی انبیاء اور ان کے خلفاء اللہ تعالیٰ کے وجود کو دنیا میں قائم رکھتے ہیں۔ خود اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ حیی و قیوم ہے لیکن اُس نے اپنی سنت یہی رکھی ہے کہ وہ اپنے وجود کو بعض انسانوں کے ذریعہ قائم رکھے۔ ان وجودوں کو مٹا دو ساتھ ہی خدا تعالیٰ کا ذکر بھی دنیا سے مٹ جائے گا۔ تم ساری دنیا کی تاریخیں پڑھ جاؤ (اب یہ جو اگلا حصہ ہے یہ خواب کا نہیں بلکہ بطور تشریح میں خود بیان کر رہا ہوں) تمہیں کہیں یہ نظر نہیں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود بغیر انبیاء کے دنیا میں قائم ہوا ہو۔ حالانکہ انبیاء بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہر وقت موجود ہے اور اُس کا نور ہر چیز سے ظاہر ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ اُس کا نور دنیا کی ہر چیز سے ظاہر ہو رہا ہے، پھر بھی انبیاء ہی ہیں جو اسے ایسی طرز پر ظاہر کرتے ہیں کہ لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کیا خدا نہیں تھا؟ خدا اُس وقت بھی اسی طرح آسمان سے ظاہر ہو رہا تھا، اسی طرح زمین سے ظاہر ہو رہا تھا، اسی طرح دریاؤں سے ظاہر ہو رہا تھا، اسی طرح فضا سے ظاہر ہو رہا تھا، اسی طرح پاتال سے ظاہر ہو رہا تھا جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ پھر پہلے زمانہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرق کیا تھا؟ فرق یہی تھا کہ اُس وقت اللہ تعالیٰ کے نور کے ظہور کیلئے کوئی ذریعہ موجود نہیں تھا۔ ایک آئینہ تھا مگر اس آئینہ کے ساتھ وہ قلعی نہیں تھی جو اسے روشن کر کے لوگوں کی نظروں کے قابل بنا دیتی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شیشے کو اپنے ہاتھ میں پکڑا تو جس طرح آئینہ کے پیچھے جب قلعی کھڑی کر دی جاتی ہے تو آئینہ کو ایک خاص شکل مل جاتی ہے اور اس میں دوسروں کی بھی شکلیں نظر آنے لگ جاتی ہیں، اسی طرح ساری دنیا کو خدا نظر آنے لگ گیا اور اس کے وجود کا اسے احساس ہو گیا ورنہ شیشہ جتنا زیادہ مصفّٰی ہو اُتنا ہی لوگوں کو کم نظر آیا کرتا ہے۔ کئی دفعہ جب اعلیٰ درجہ کے شیشے

دروازوں سے لگائے جاتے ہیں تو بعض دفعہ لوگ ان دروازوں سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ رستہ کھلا ہے حالانکہ وہ آئینہ ہوتا ہے اور رستہ بند ہوتا ہے۔ رات کے وقت جب کمرہ میں روشنی ہو تو اُس وقت انسان کیلئے یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ منافذ میں شیشہ موجود ہے یا نہیں۔ بعض دفعہ شیشہ لگا ہوا ہوتا ہے اور انسان اس کے بہت زیادہ مصفّٰے ہونے کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ شیشہ میں کوئی نہیں۔ اور بعض دفعہ شیشہ نہیں ہوتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ شیشہ ہے۔ پس شیشہ جتنا زیادہ مصفّٰی ہو اُتنا ہی لوگوں کو کم نظر آتا ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا وجود جو نہایت ہی مخفی اور وراء الوراء ہے اسی طرح لوگوں کو نظر آنے لگ جاتا ہے جس طرح شیشہ کے پیچھے جب قلعی کھڑی کر دی جائے تو وہ شکلیں دکھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔

یہ مضمون ہے جو رؤیا میں میں نے بیان کیا اور اسی مثال پر میری تقریر ختم ہوگئی۔ میں نے رؤیا میں اِس مضمون کے متعلق کئی آیات بھی بیان کیں مگر جاگنے پر وہ ذہن سے اُتر گئی تھیں۔ اس پر میں نے غور کرنا شروع کیا کہ وہ آیتیں کون سی تھیں جو میں رؤیا میں اس مضمون کو ثابت کرنے کیلئے پڑھ رہا تھا اور جن سے اس مضمون کا میں نے استدلال کیا۔ مگر باوجود اس کے کہ میں نے کافی غور کیا مجھے وہ آیتیں سمجھ میں نہ آئیں کیونکہ وہ بھول چکی تھیں۔ صرف اس تقریر کا آخری حصہ یاد رہا تھا جو یہ تھا کہ انبیاء اور خلفاء کی اللہ تعالیٰ سے وابستگی ایسی ہی ہے جیسے شیشے کے ساتھ چوکھٹا ہوتا ہے اور اس کے پیچھے قلعی لگی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو دنیا میں قائم رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ خدا ظاہر ہوتا ہے اور انہی کے ذریعہ اس کا وجود عالَم میں محفوظ رہتا ہے۔ غرض میں نے جن جن امور کو رؤیا میں بیان کیا تھا اُن پر میں نے پھر غور کیا مگر مجھے وہ باتیں یاد نہ آئیں۔ گو ابھی جبکہ میں یہ خطبہ پڑھ رہا ہوں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام یاد آ گیا جس میں اِسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے اور جس کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی یہی تشریح کی ہے۔ گو الفاظ اس کے اور ہیں مگر مفہوم یہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے **یَاقَمَرُ یَا شَمْسُ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ**[1] یعنی

اے سورج اور اے چاند! تُو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ اب سورج اور چاند آپس میں ایک خاص نسبت رکھتے ہیں۔ سورج براہِ راست روشنی ڈالتا ہے لیکن چاند براہِ راست روشنی نہیں ڈالتا بلکہ سورج سے روشنی لے کر دنیا کی طرف پہنچاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں یَاقَمَرُ یَا شَمْسُ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ میں ایک دفعہ خدا نے مجھے سورج قرار دیا ہے اور ایک دفعہ مجھے چاند قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے مجھے سورج قرار دیا تو اپنے آپ کو چاند قرار دیا ہے اور جب مجھے چاند قرار دیا ہے تو اپنے آپ کو سورج قرار دیا ہے۔ اب یہ جو بات ہے کہ خدا سورج ہے اور بندہ چاند، یہ بالکل واضح ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بندہ اسی طرح خدا کے نور سے لیتا اور اسے دنیا میں پھیلاتا ہے جس طرح چاند سورج سے نور لیتا اور اسے دنیا میں پھیلاتا ہے۔ مگر یہ جو خدا نے فرمایا کہ تُو سورج ہے اور خدا کی ذات بمنزلہ چاند ہے یہ بات بظاہر حقیقت سے دور معلوم ہوتی ہے۔ بھلا بندے کی کیا حقیقت ہے کہ وہ سورج کہلائے اور خدا اس کے مقابلہ میں چاند کہلائے۔ تو چونکہ یہ بات بظاہر قابلِ اعتراض نظر آتی تھی اِس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود دنیا سے مخفی ہوتا ہے اور جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو انبیاء کے ذریعہ ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ کے نور کا ظہور انبیاء کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے دنیا والوں کی نگاہ میں نبی سورج اور خدا چاند ہوتا ہے۔ کیونکہ جب نبی آتا ہے تب ہی خدا کا چہرہ انہیں نظر آنے لگتا ہے۔ اس سے پہلے وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ پس گو حقیقتاً خدا ہی سورج ہے اور بندہ چاند ہے مگر دنیا والے جن کی نگاہیں کمزور ہوتی ہیں اور جو نبی کے ذریعہ خدا کے جلال اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کے لحاظ سے نبی سورج اور خدا چاند ہوتا ہے۔ جیسے سورج کی روشنی جب چاند پر پڑے تب وہ چمکتا ہے نہ پڑے تو چاند تاریک رہتا ہے۔ اسی طرح جب تک نبی کا وجود خدا تعالیٰ کو ظاہر نہ کرے وہ مخفی رہتا ہے۔ مگر جب نبوت کی روشنی الوہیت پر پڑتی ہے تو خدا کا وجود ہر ایک کو نظر آنے لگ جاتا ہے۔

پس دنیا کے حالات کے مطابق تمثیلی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بندہ سورج ہے اور

خدا چاند۔ یہ بھی ویسی ہی مثال ہے جیسی میں نے رؤیا میں دی اور اس سے بھی یہی امر ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی روشنی اور اس کے جلال کو ظاہر کرنے کا ذریعہ انبیاء و خلفاء اور اولیاء و صلحاء ہوتے ہیں۔ زمین و آسمان سے خدا کا وجود حق الیقین کے طور پر ثابت نہیں ہوسکتا۔ جیسے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر مفصّل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش پر غور کر کے انسان جس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس زمین و آسمان کا کوئی خالق ہونا چاہئے۔ مگر یہ کہ وہ ہے اس کا پتہ زمین و آسمان سے نہیں لگتا۔ گویا یہ نتیجہ صرف سکنے سے تعلق رکھتا ہے، ہے سے نہیں۔ یعنی یہ تو ہوسکتا ہے کہ انسان اس عالَم کی صنعتوں پر نظر کر کے صانع کی ضرورت محسوس کرے مگر ضرورت کا محسوس کرنا اور شَے ہے اور اس درجہ عین الیقین تک پہنچنا کہ جس خدا کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے وہ درحقیقت موجود بھی ہے یہ اَور بات ہے۔ اسی لئے آپ نے بتایا کہ جتنے فلسفی عقلی ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ ٹھوکر کھاتے اور بِالآخر دہریہ بن جاتے ہیں اور زمین و آسمان کی مصنوعات پر غور کرنا انہیں کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اس غور و فکر کا نتیجہ صرف اس حد تک نکلتا ہے کہ خدا کا وجود ہونا چاہئے۔ یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ خدا کا وجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں جب وہ زمین کو دیکھتے ہیں تو اسے دیکھ کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہئے۔ جب وہ آسمان کو دیکھتے ہیں تب بھی وہ یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہئے۔ مگر یہ وہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ پیدا کرنے والا یقینی طور پر موجود ہے اور اس طرح پھر بھی شبہ رہ جاتا ہے اور انسان خیال کرتا ہے کہ ممکن ہے کوئی مخفی قانون ایسا ہو جس کے ماتحت یہ کارخانۂ عالَم آپ ہی آپ چل رہا ہو۔ جس طرح آجکل کے فلسفی کہتے ہیں کہ اس دنیا کی پیدائش میں خود ہی ایک ایسا قانون مخفی ہے جس کی وجہ سے یہ تمام دنیا چل رہی ہے، کسی خاص وجود کو تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں۔ غرض آپ نے اِس بات پر بحث کی اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ فلسفہ اور عقلِ انسانی خدا تعالیٰ کے متعلق انسان کو ''ہونا چاہئے'' کی حد تک ہی رکھتے ہیں مگر الہامِ الٰہی نبوت کے ذریعہ ''ہے'' ثابت کرتا ہے۔ ہم جب زمین کو دیکھتے ہیں، ہم جب آسمان کو دیکھتے ہیں تو انہیں دیکھ کر یہ کہتے ہیں

کہ ان کو بنانے والا کوئی ہونا چاہئے اور ہماری دلیل ختم ہو جاتی ہے۔ مگر جب خدا ہمیں مخاطب کرتا اور فرماتا ہے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ یقیناً مَیں ہی خدا ہوں۔ تو یہ اب ''ہے'' بن گیا اور ''ہونا چاہئے'' کی حد سے اس نے ہمیں نکال دیا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کسی گھر میں آگ جل رہی ہو، چولہے پر ہنڈیا چڑھی ہوئی ہو، ہنڈیا کے اُبلنے کی آواز آ رہی ہو تو ہم باہر سے اس آواز کو سُن کر یہ نتیجہ نکالیں کہ اس گھر کا کوئی مالک ہونا چاہئے کیونکہ ہم غور اور فکر کرنے کے بعد فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ کوئی شخص ہوگا جو یہ ہنڈیا پکا رہا ہوگا، کوئی شخص ہوگا جس نے آگ جلائی ہوگی اور کوئی شخص ہوگا جو گوشت وغیرہ لایا ہوگا مگر اِس قدر نتائج نکالنے کے بعد بھی ہم اِسی حد تک پہنچیں گے کہ گھر کا کوئی مالک اندر ہونا چاہئے۔ اس نتیجہ پر ہم نہیں پہنچ سکتے کہ وہ شخص اندر ہے بھی۔ ممکن ہے کوئی کہے اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہوسکتی ہے۔ جب آگ جل رہی ہے، ہنڈیا چولہے پر چڑھی ہے، اس کے اُبلنے اور جوش کھانے کی آواز آ رہی ہے تو اس سے ہم یہ نتیجہ کیوں نہیں نکال سکتے کہ اندر واقعہ میں کوئی شخص موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام قرائن کے باوجود ہم یقینی طور پر یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اندر کوئی مالک موجود ہے۔ فرض کرو اندر واقعہ میں کوئی شخص ہو اور اس نے ہنڈیا چولہے پر چڑھائی ہو مگر ہنڈیا چولہے پر رکھتے ہی وہ مر گیا ہو اور ہم یہ سمجھتے ہوں کہ اندر وہ موجود ہے حالانکہ وہ مر چکا ہو۔ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی بیٹھے بیٹھے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور وہ اُسی وقت مر جاتے ہیں۔ پس ممکن ہے وہ دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے مرا پڑا ہو۔ یا ممکن ہے اسے کسی سانپ نے کاٹا ہو اور وہ مر چکا ہو۔ یا بعض دفعہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ہنڈیا رکھنے کے بعد اسے کوئی ضروری کام یاد آ گیا ہو اور وہ گھر چھوڑ کر اُس وقت باہر گیا ہوا ہو۔ مثلاً فرض کرو اُس نے ہنڈیا چڑھائی ہو اور اس کے معاً بعد ایک شخص اس کے پاس دَوڑتا ہوا آیا ہو اور اس نے کہا ہو کہ تمہارا بیٹا ڈوب گیا ہے اور وہ اسی وقت اس کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا ہو اَور ہنڈیا اس نے چولہے پر ہی رہنے دی ہو۔ تو چونکہ ایسی کئی صورتیں ممکن ہیں اس لئے باوجود ہنڈیا کی آواز سننے کے اور باوجود آگ کو جلتا دیکھنے کے ہم اگر یہ نتیجہ نکالیں کہ اندر کوئی شخص واقعہ میں موجود ہے تو ہم اس نتیجہ کے نکالنے میں غلطی پر

ہو سکتے ہیں۔مگر جب حالات یہ نہ ہوں بلکہ جونہی ہم کسی کے دروازہ پر پہنچیں گھر کا مالک اندر سے باہر نکل آئے اور ہمیں کہے کہ آپ مسافر ہیں، تھکے ماندے آئے ہیں، تھوڑی دیر میرے پاس آرام کیجئے۔تو اس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہم ''ہونا چاہئے'' کی حد سے نکل کر ''ہے'' کی حد میں داخل ہو جاتے ہیں۔تو نبوت اور الہام سے خدا کا وجود ''ہے'' کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے لیکن باقی دلیلوں سے ہم اس کے متعلق صرف ''ہونا چاہئے'' کی حد تک پہنچتے ہیں۔تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام بھی اسی مضمون کی تائید کرتا ہے مگر یہ خیال بھی مجھے اِسی وقت آیا ہے پہلے نہیں آیا۔

بہر حال رؤیا سے بیداری کے بعد مَیں غور کرتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس مضمون پر میں نے اور کیا کیا باتیں بیان کی تھیں مگر مجھے کوئی بات یاد نہ آئی۔لیکن اس رؤیا کا اثر میری طبیعت پر گہرا رہا اور کئی دفعہ مجھے یہ خیال آیا کہ وہ کون سی آیات تھیں جو رؤیا میں مَیں نے پڑھیں اور جن میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے مگر قرآن کریم کی کوئی آیت میرے ذہن میں نہ آئی۔اس کے دوسرے یا تیسرے دن یعنی پیر یا منگل کو مجھے اب یہ اچھی طرح یاد نہیں رہا کہ کونسا دن تھا بہر حال ان میں سے کسی دن نماز ظہر یا عصر (یہ بھی مجھے صحیح طور پر یاد نہیں) میں پڑھا رہا تھا اور اُس وقت مجھے خواب کا خیال بھی نہیں تھا۔گویا اُس وقت وہ میرے ذہن سے بالکل اُتری ہوئی تھی کہ جب میں نے رکوع کے بعد قیام کیا اور پھر سجدہ میں جانے کیلئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا تو جس وقت اوپر سے نیچے سجدہ کی طرف جانے لگا تو مَعًا القاء کے طور پر میرے دل پر ایک آیت نازل ہوئی اور مجھے بتایا گیا کہ یہ وہ آیت ہے جو اس مضمون کی حامل ہے جو خواب میں بتایا گیا ہے۔اور پھر بجلی کی طرح اس طرح وہ وسیع مضمون میرے سامنے آ گیا کہ اس کی وجہ سے نہ صرف وہ آیت بلکہ سورۃ ہی حل ہوگئی۔اور اس کی ترتیب جو میں پہلے سمجھتا تھا اس کے علاوہ ایک ایسی ترتیب مجھ پر کھول دی گئی کہ مجھے یوں معلوم ہونے لگا کہ اس سورۃ میں ہر آیت اس طرح پروئی ہوئی ہے جس طرح ہار کے موتی پروئے ہوئے ہوتے ہیں اور کوئی آیت اس سورۃ میں ایسی نہ رہی جس کے متعلق یہ شبہ ہو سکے کہ اس کا پہلی آیتوں یا بعد کی آیتوں سے کیا تعلق ہے۔وہ سورۃ جس کی طرف میرا ذہن منتقل کیا گیا سورۂ نور ہے اور وہ

آیت جس کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ اس میں الوہیت، نبوت اور خلافت کے تعلقات پر بحث کی گئی ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔

قرآن کریم کی تفہیم کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ میرے ساتھ کئی دفعہ ہوا ہے کہ ایک سیکنڈ میں بعض دفعہ ایک وسیع مضمون القاء کیا جاتا ہے اور الہام کے طور پر وہ میرے دل پر ایک نکتہ کی شکل میں نازل کیا جاتا ہے۔ پھر وہ نکتہ نازل ہو کر یوں پھیل جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے بیسیوں مطالب میرے دل پر حاوی ہو جاتے ہیں اسی طرح اُس دن میرے ساتھ ہوا۔ پہلے بھی اپنی بعض تقریروں میں میں ایسے نکات بیان کر چکا ہوں مثلاً اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ [۲] کی تفسیر اور اس کے مطالب ایک سیکنڈ کے اندر میرے دل پر نازل ہوئے تھے اور میں نے کسی جلسہ سالانہ کے موقع پر انہیں بیان کر دیا تھا۔ اسی طرح اور کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ اُس دن بھی نماز میں معاً مجھے القاء کیا گیا کہ وہ آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اور اس کے ساتھ ایسے عظیم الشان مطالب کھولے گئے جو پہلے میرے وہم اور گمان میں بھی نہیں تھے۔ اگرچہ اس سارے مفہوم کو سمجھنے کیلئے اس ساری سورۃ کو ہی سمجھنا ضروری ہے۔ کیونکہ ساری سورۃ کے مطالب کو آپس میں اس طرح جوڑ دیا گیا ہے کہ ایک بات کی تکمیل دوسری بات کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ مگر چونکہ خطبہ میں اتنی لمبی تشریح نہیں کی جا سکتی اس لئے میں صرف اس آیت کو لے لیتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ یہ مضمون کس عمدگی کے ساتھ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرْبِیَّۃٍ ۙ یَّکَادُ زَیْتُہَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْہَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۷﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْہِیْہِمْ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ

وَ الْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝[۳] یہ آیتیں سورۂ نور کی ہیں اور مجھے بتایا گیا ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خلافت، نبوت اور اللہ تعالیٰ کا تعلق بیان کیا ہے اور یہ بات میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے قطعی اور یقینی دلائل سے ثابت کروں گا کہ وہ شخص جو قرآن کریم کو بے ترتیب، بے ربط اور بے جوڑ کتاب نہ کہتا ہو، وہ اس بات پر مجبور ہوگا کہ اس مضمون کو مانے جو میں بیان کر رہا ہوں۔ کیونکہ اس مضمون سے ان تمام آیات بلکہ تمام سورۃ کا آپس میں ایسا ربط قائم ہو جاتا ہے کہ اس کے بغیر ان آیات کے کوئی معنے ہی نہیں بنتے۔ مگر جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ اِس مضمون کو خطبہ کی وجہ سے اختصار کے ساتھ بیان کروں گا اور چونکہ اِن دنوں خلافت کا مسئلہ خصوصیت سے زیر بحث ہے اس لئے ان آیات کی تشریح سے خلافت کا مسئلہ بھی آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ اور اس کے نور کی مثال كَمِشْكٰوةٍ ایک طاقچے کی سی ہے۔ مشکوٰہ اُس طاقچے کو کہتے ہیں جو دیوار میں بنا ہوا ہو اور جس کے دوسری طرف سوراخ نہ ہو۔ دیوار میں دو طرح کے طاق بنائے جاتے ہیں۔ ایک کھڑکی کی طرح کا ہوتا ہے یعنی اُس کے آر پار سوراخ ہوتا ہے کیونکہ کھڑکی کی غرض باہر دیکھنا ہوتی ہے۔ یا مثلاً روشندان رکھنے کیلئے طاقچہ کی طرح خلاء رکھا جاتا ہے۔ اس کے بھی آر پار سوراخ ہوتا ہے کیونکہ روشندان سے یہ غرض ہوتی ہے کہ ہوا اور روشنی کی آمد و رفت رہے۔ مگر پُرانی عمارتوں خصوصاً مساجد میں اس قسم کے طاقچے بنائے جایا کرتے تھے جن میں چراغ یا قرآن شریف رکھے جاتے تھے اور جن کے دوسری طرف سوراخ نہیں ہوتا تھا۔ اس مسجد میں بھی بعض طاقچے بنے ہوئے ہیں بعض تو بڑے بڑے ہیں جو قرآن شریف رکھنے کیلئے ہیں اور ایک دو چھوٹے طاقچے ہیں جو لیمپ رکھنے کیلئے بنائے گئے ہیں۔ میں نے شاہی عمارتوں میں بھی دیکھا ہے کہ ان میں چھوٹے چھوٹے طاقچے بنے ہوئے ہیں جو دراصل دیا رکھنے کے لئے بنائے جایا کرتے تھے۔ تو مشکوٰۃ اُس طاقچہ کو کہتے ہیں کہ جس کے دوسری طرف سوراخ نہیں ہوتا اور وہ لیمپ رکھنے کے کام آتا ہے۔ تو فرماتا

ہے اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال کیا ہے۔ كَمِشْكٰوةٍ اُس کے نور کی مثال ایک طاقچے کی سی ہے۔فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔جس میں ایک بتی رکھی ہوئی ہو۔اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ۔اور وہ بتی ایک شیشہ یا چمنی میں ہو۔اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ اور وہ چمنی یا گلوب ایسے اعلیٰ درجہ کے شیشے کا بنا ہوا ہو اور ایسا روشن ہو کہ گویا وہ ایک ستارہ ہے جو چمک رہا ہے۔اس کے بعد يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ میں اس کی تفصیل بتائی ہے۔مگر ابھی میں اس کی تفصیل کی طرف نہیں جاتا اور جو مضمون کا اصل حصہ ہے وہ میں بیان کرتا ہوں۔

(اس موقع پر حضور نے دریافت فرمایا کہ کیا کسی دوست کے پاس ٹارچ ہے؟ مگر ٹارچ نہ ملی۔اس کے بعد فرمایا)۔

ان آیات میں درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نور کو تین چیزوں میں محصور قرار دیا گیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کمالِ نور ہمیشہ تین ذرائع سے ہوتا ہے۔ایک مشکوٰۃ سے، ایک مصباح سے اور ایک زجاجہ سے۔یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے دی اور بتایا کہ ہمارا نور جو دنیا میں کامل طور پر ظاہر ہوا اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک طاقچہ میں ایک بتی ہو اور بتی پر گلوب یا چمنی ہو اور وہ گلوب اتنا روشن ہو کہ گویا وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ہمارے ملک میں چونکہ عام طور پر اس قسم کے لیمپوں کا رواج نہیں اس لئے میں نے چاہا تھا کہ ٹارچ کے ذریعہ آپ لوگوں کو یہ مضمون سمجھاؤں کیونکہ ٹارچ میں یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔اور یہ عجیب بات ہے کہ قرآن مجید باوجودیکہ ایسے زمانہ میں نازل ہوا جبکہ سائنس ابھی کمال کو نہیں پہنچی تھی اور ایسے ملک میں نازل ہوا جہاں کے لوگ بدو سمجھے جاتے تھے اور تہذیب وتمدن سے ناآشنا تھے اور ایسے انسان پر نازل ہوا جو اُمّی تھا۔پھر بھی روشنی کے کمال کو جس عجیب طرز سے ان آیات میں بیان کیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بیسویں صدی کا انجینئر روشنی کی حقیقت بیان کر رہا ہے۔مشکوٰۃ جس طرح اُس طاقچے کو کہتے ہیں جو دیوار میں بنایا جاتا ہے اور جس کے دوسری طرف سوراخ نہیں ہوتا اسی طرح مصباح اُس شعلہ کو کہتے ہیں جو بتی میں سے نکلتا ہے یا بلب کی وہ تاریں سمجھ لو جن سے بجلی کی روشنی پیدا ہوتی ہے بشرطیکہ وہ روشن ہوں۔مصباح کے معنے دراصل ''صبح کر دینے کا آلہ'' کے ہیں اور اس لحاظ

سے وہ ہر چیز جس سے روشنی ہوتی ہو اُسے مصباح کہا جاتا ہے اور وہ چونکہ بتی کا گل ہی ہوتا ہے یا بجلی کی وہ تاریں ہوتی ہیں جو بلب کے اندر ہوتی ہیں اور چمکتی ہیں، اس لئے عربی زبان میں انہیں مصباح کہتے ہیں۔ گویا وہ شعلہ جو آگ لگنے کے بعد بتی میں سے نکلتا ہے یا بجلی کی وہ تار جہاں بجلی پہنچتی ہے تو وہ یکدم روشن ہو جاتا ہے وہ مصباح ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے نور کی مثال ایک طاقچہ کی سی ہے جس میں ایک بتی جل رہی ہو اور پھر وہ بتی ایک زجاجہ میں ہو۔ اب تو قادیان میں بجلی آ گئی ہے اور لوگوں کا ایک حصہ بجلی جلاتا ہے۔ لیکن پھر بھی اکثر گھروں میں ابھی بجلی نہیں لگی اور وہ لیمپ جلاتے ہیں اور جن کے ہاں بجلی لگی ہوئی ہے ان کی بجلی کی رَو بھی جس دن فیل ہو جائے اُس دن اُنہیں لیمپ جلانے پڑتے ہیں۔ یا انہیں قادیان سے جب باہر جانا پڑے تو لیمپ دیکھنے اور جلانے کا انہیں اکثر موقع ملتا رہتا ہے۔ بہرحال یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہری کین (HURRICANE LAMP) روشن کرنے کیلئے جب کوئی شخص دیا سلائی جلاتا اور بتی کو لگاتا ہے تو اُس وقت بتی کی روشنی کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ایک زرد سا شعلہ بتی میں سے نکل رہا ہوتا ہے اور اُس کا دُھواں اُٹھ اُٹھ کر کمرہ میں پھیل رہا ہوتا ہے۔ نازک مزاج اشخاص کے دماغ میں وہ دُھواں چڑھتا ہے تو انہیں چھینکیں آنے لگ جاتی ہیں، بعض کو نزلہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جونہی بتی میں سے دُھواں نکلتا اور کمرے میں پھیلنے لگتا ہے انسان جلدی سے چمنی پر ہاتھ مارتا اور ہری کین کا ہینڈل دبا کر اُسے بتی پر چڑھا دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُسی وقت دُھواں جاتا رہتا ہے اور اس شعلہ کا رنگ ہی بدل جاتا ہے اور اس کی پہلی روشنی سے بعض دفعہ بیس گنے، بعض دفعہ تیس گنے، بعض دفعہ پچاس گنے، بعض دفعہ سَو گنے اور بعض دفعہ دو سَو گنے تیز روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور تمام کمرہ روشن ہو جاتا ہے۔ پھر زائد بات اس چمنی یا گلوب سے یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بتی بجھتی نہیں۔ تیز بارشوں کے ایام میں رات کے وقت لوگ ہری کین لے کر باہر چلے جاتے ہیں۔ آندھی آ رہی ہوتی ہے، طوفان اُٹھ رہا ہوتا ہے، چھتیں ہل رہی ہوتی ہیں، عمارتیں کانپ رہی ہوتی ہیں، پیر لڑکھڑا رہے ہوتے ہیں مگر وہ روشنی جو انسان ہاتھ میں اُٹھائے ہوتا ہے نہیں بجھتی کیونکہ اُس کی چمنی اس کے ماحول کو محفوظ کر دیتی ہے۔ تو چمنی نہ صرف اس کی روشنی کو کئی گنا

زیادہ کر دیتی ہے بلکہ اسے بجھنے سے بھی محفوظ کر دیتی ہے۔ مگر بعض لیمپ ہری کین سے بھی زیادہ طاقتور ہوتے ہیں اور جو بڑے بڑے لیمپ کمروں کو روشن کرنے کیلئے جلائے جاتے ہیں اُن کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اُن کی روشنی تیز کرنے کیلئے ان کے پیچھے ایک اس قسم کی چیز لگا دی جاتی ہے جو روشنی کو آگے کی طرف پھینکتی ہے۔ پرانے زمانوں میں لوگ اس غرض کیلئے لیمپ کو طاقچہ میں رکھ دیا کرتے تھے اور اِس زمانہ میں اس کی ایک مثال ٹارچ ہے۔ ٹارچ پیچھے سے لمبی چلی آتی ہے اور اس کے آگے اس پر ایک نسبتاً بڑا خول چڑھا دیتے ہیں جو بلب کے تین طرف دائرہ شکل میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ روشنی کو آگے کی طرف پھیلا دے۔ اگر اس خول کو اُتار لیا جائے تو ٹارچ کی روشنی دس پندرہ گز تک رہ جاتی ہے۔ لیکن اس خول کے ساتھ وہی روشنی بعض دفعہ پانچ سَو گز، بعض دفعہ ہزار گز اور بعض دفعہ دو دو ہزار گز تک پھیل جاتی ہے۔ یہ روشنی کو دور پھینکنے والا جو خول ہوتا ہے اِسے انگریزی میں رِی فلیکٹر (REFLECTOR) کہتے ہیں۔ اس رِی فلیکٹر کی وجہ سے ٹارچ کی روشنی بعض دفعہ ہزار گز اور بعض دفعہ دو ہزار گز تک چلی جاتی ہے اور بڑی طاقت کے لیمپ تو ری فلیکٹر کی وجہ سے بہت دور دور تک روشنی پہنچا دیتے ہیں۔

ہمارے منارۃ المسیح پر جب روشنی کرنے کا سوال پیدا ہوا اور اس پر بحث ہوئی کہ لیمپ کیسے لگائے جائیں تو رِی فلیکٹر لگوانے کا سوال زیر بحث آیا اور ماہرین فن نے بتایا کہ پانچ سَو طاقت کی اگر بتی لگائی جائے اور اس پر اعلیٰ درجہ کا رِی فلیکٹر لگا دیا جائے تو اس سے کئی گنے طاقت تک کی روشنی پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ رِی فلیکٹر بہت گراں آتے تھے غالباً اسی لئے پھر وہ منگوائے نہیں گئے تو پوری روشنی چمنی کے ذریعہ ہوتی ہے اور پھر اس روشنی کو دور پھینکنے کے لئے اس کے پیچھے ایک ایسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے تین جہت سے روک کر سامنے کی طرف لے جائے۔ اس طرح روشنی مکمل ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے پوری طرح فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان آیات میں یہ بیان فرماتا ہے کہ یہ تین چیزیں ہیں جن سے نور مکمل ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک تو شُعلہ ہے جو اصل آگ ہے اور جس کے بغیر کوئی نور ہو ہی نہیں سکتا۔ روحانی دنیا میں وہ شعلہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور چمنی جس سے وہ نور روشن

ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے انبیاء ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے دنیا کے ہر ذرّہ سے خدا تعالیٰ کا نور ظاہر ہے مگر وہ نور لوگوں کو نظر نہیں آتا۔ ہاں جب خدا کا نبی آتا اور اسے اپنے ہاتھ میں لے کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے، تب ہر شخص کو وہ نور نظر آنے لگ جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بتی جب جلائی جائے تو ہوا کا ذرا سا جھونکا بھی اُسے بجھا دیتا ہے۔ اس میں سے دُھواں نکل رہا ہوتا ہے مگر جونہی اس پر شیشہ رکھا جاتا ہے اندھیرا سب دور ہو جاتا ہے، تاریکی سب مٹ جاتی ہے اور وہی نور آنکھوں کے کام آنے لگ جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل چیز شیشہ ہے اصل چیز تو وہ نور ہی ہے جو بتی میں سے نکل رہا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ نور دھویں کی شکل میں ضائع ہو رہا ہوتا ہے اس لئے لوگ اس سے اُس وقت تک فائدہ نہیں اُٹھا سکتے جب تک اُس پر شیشہ نہیں چڑھایا جاتا۔ ہاں جب شیشہ چڑھ جاتا ہے تو وہی نور جو پہلے ضائع ہو رہا ہوتا ہے ضائع ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ پھر چمنی سے مل کر پہلے نور سے بیس گنے، سَو گنے، دوسَو گنے، ہزار گنے بلکہ دو ہزار گنے زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔ یہ شیشے اور گلوب دراصل انبیاء کے وجود ہوتے ہیں جو خدا کے اس نور کو جو قدرت میں ہر جگہ پایا جاتا ہے لیتے ہیں اور اپنے گلوب اور چمنی کے نیچے رکھ کر اس کا ہر حصہ انسانوں کے استعمال کے قابل بنا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس نور کو دیکھنے لگ جاتی ہے اُس کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں اور وہ اس سے فائدہ حاصل کرنے لگ جاتی ہے۔

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے ذکر میں فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے نور کو آگ کی شکل میں دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا[۲] میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرے لوگ اس آگ کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کے وجود میں ظاہر ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ظہور اس دنیا میں بطور نار کے ہوتا ہے۔ یعنی کوئی تیز نظر والا ہی اسے دیکھتا ہے۔ اس کی روشنی تیز نہیں ہوتی لیکن جب وہ نبی میں ظاہر ہوتا ہے تو پھر وہ نور ہو جاتا ہے یعنی لیمپ کی طرح اس کی روشنی تیز ہو جاتی ہے۔ نبوت میں آ کر یہ نور مکمل تو ہو جاتا ہے لیکن اس کا زمانہ پھر بھی محدود رہتا ہے۔ کیونکہ نبی بھی موت کا شکار ہوتے ہیں۔

پس اس روشنی کو دُور تک پہنچانے کیلئے اور زیادہ دیر تک قائم رکھنے کیلئے ضروری تھا کہ کوئی اور تدبیر کی جاتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے ایک رِی فلیکٹر ایجاد کیا جس کا نام خلافت رکھا۔ نبی کی روشنی اس رِی فلیکٹر کے ذریعہ سے دور تک پہنچا دی جاتی ہے۔ پُرانے زمانہ کے طریق کے مطابق اس کا نام طاق رکھا گیا۔ جو تین طرف سے روشنی کو روک کر صرف اُس جہت میں ڈالتا ہے جدھر اُس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح خلیفہ نبی کی قوتِ قدسیہ کو جو اس کی جماعت میں ظاہر ہو رہی ہوتی ہے ضائع ہونے سے بچا کر ایک خاص پروگرام کے ماتحت استعمال کرتا ہے اور جماعت کی طاقتیں پراگندہ نہیں ہوتیں اور تھوڑی سی طاقت سے بہت سے کام نکل آتے ہیں کیونکہ طاقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں ہوتا۔ اگر خلافت نہ ہوتی تو بعض کاموں پر زیادہ طاقت خرچ ہو جاتی اور بعض کام توجہ کے بغیر رہ جاتے اور تفرقہ اور شِقاق کی وجہ سے کسی نظام کے ماتحت جماعت کا روپیہ اور اس کا علم اور اس کا وقت خرچ نہ ہوتا۔

غرض خلافت کے ذریعہ سے الٰہی نور کو جو نبوت کے ذریعہ سے دنیا کے لحاظ سے مکمل ہوا تھا ممتد اور لمبا کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ محمدی نور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو گیا بلکہ ابوبکرؓ کی خلافت کے طاقچہ کے ذریعہ اس کی مدت کو تین سال اور بڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہی نور خلافت عمرؓ کے طاق کے اندر رکھ دیا گیا اور سات سال اس کی مدت کو اور بڑھا دیا گیا۔ پھر وہ نور عثمانی طاقچہ میں رکھ دیا گیا اور تیرہ سال اس کی مدت کو اور بڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد وہی نور علوی طاقچہ میں رکھ دیا گیا اور وہ چھ سال اور اس نور کو لے گیا۔ گویا پچیس تیس سال محمدی نور خلافت کے ذریعہ لمبا ہو گیا۔ جیسے ٹارچوں کے اندر رِی فلیکٹر ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ بلب کی روشنی دور دور تک پھیل جاتی ہے یا چھوٹے چھوٹے رِی فلیکٹر بعض دفعہ تھوڑا سا خم دے کر بنائے جاتے ہیں۔ جیسے دیوار گیروں کے پیچھے ایک ٹین لگا ہوا ہوتا ہے جو دیوار گیر[۵] کا رِی فلیکٹر کہلاتا ہے اور گو اس کے ذریعہ روشنی اتنی تیز نہیں ہوتی جتنی ٹارچ کے رِی فلیکٹر کے ذریعہ تیز ہوتی ہے مگر پھر بھی دیوار گیر کی روشنی اس رِی فلیکٹر کی وجہ سے پہلے سے بہت بڑھ

جاتی ہے۔ چھ چھ آنے کے جو دیوار گیر آتے ہیں ان کے ساتھ بھی یہ رِی فلیکٹر لگا ہوا ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ دیوار گیر کی روشنی زیادہ دور تک جاتی ہے۔ اسی طرح خلافت وہ رِی فلیکٹر ہے جو نبوت اور الوہیت کے نور کو لمبا کر دیتا اور اسے دور دور تک پھیلا دیتا ہے۔ پس مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلافت، نبوت اور الوہیت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمارے نور کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بتی کا شعلہ۔ وہ ایک نور ہے جو دنیا کے ہر ذرّہ سے ظاہر ہو رہا ہے مگر جب تک وہ نبوت کے شیشہ میں نہ آئے لوگ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جیسے نیچر پر غور کر کے اللہ تعالیٰ کی ہستی معلوم کرنے کا شوق رکھنے والے ہمیشہ ٹھوکر کھاتے اور نقصان اُٹھاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ[۶] بالکل درست ہے۔ اور زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی آیات پائی جاتی ہیں مگر یہی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یورپ کے فلاسفروں کو دہریہ بنا رہی ہے۔ گویا خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں اللہ تعالیٰ کا جو نور ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے بتی کا شعلہ۔ یہ شعلہ جب نکلتا ہے تو اس کے ساتھ دُھواں بھی اُٹھتا ہے جو بعض دفعہ نزلہ پیدا کر دیتا اور آنکھوں کو خراب کرتا ہے۔ وہ دُھواں تب ہی دور ہوتا ہے جب اس پر چمنی یا گلوب رکھ کر اسے روشنی کی صورت میں تبدیل کر دیا جائے۔ اگر اس کے بغیر کوئی اس شعلہ سے نور کا کام لینا چاہئے تو اسے ضرور کچھ نور ملے گا اور کچھ دُھواں، جو اس کی آنکھوں اور ناک کو تکلیف دے گا۔ چنانچہ اسی وجہ سے جو شخص نیچر پر غور کر کے خدا تعالیٰ کو پانا چاہتا ہے تو وہ کئی ٹھوکریں کھاتا ہے اور بعض دفعہ بجائے خدا تعالیٰ کو پانے کے دہریہ ہی ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص خدا تعالیٰ کے وجود کو نبوت کی چمنی کی مدد سے دیکھنا چاہتا ہے اس کی آنکھیں اور اس کا ناک دُھویں کے ضرر سے بالکل محفوظ رہتے ہیں اور وہ ایک نہایت لطیف اور خوش کن روشنی پاتا ہے جو سب کثافتوں سے پاک ہوتی ہے۔

غرض کائناتِ عالَم پر غور کر کے خدا تعالیٰ کے وجود کو پانے والوں کیلئے خدا تعالیٰ نے کچھ ابتلاء رکھے ہیں، کچھ شکوک رکھے ہیں، کچھ شُبہات رکھے ہیں تا وہ مجبور ہو کر نبوت کی چمنی

اس نور پر رکھیں۔ چنانچہ جب بھی الٰہی نور پر نبوت کی چمنی رکھی جائے اس نور کی حالت یکدم بدل جاتی ہے اور یا تو وہ بو دینے والا دُھواں نظر آ رہا تھا اور یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نور ہی نور ہے اور اس میں دُھویں کا نشان تک نہیں۔ پھر جب اس روشنی کو اُٹھا کر ہم طاقچہ میں رکھ دیتے ہیں تو پہلے سے بہت دور دور اس کی روشنی پھیل جاتی ہے۔

غرض یہ آیت ہے جو مجھے بتائی گئی اور مجھے سمجھایا گیا کہ اس میں الوہیت، نبوت اور خلافت کا جوڑ بتایا گیا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ آخر خلافت بھی تو ختم ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا ختم ہونا یا نہ ہونا تو انسانوں کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ پاک رہیں اور خلافت کی بے قدری نہ کریں تو یہ طاقچہ سینکڑوں ہزاروں سال تک قائم رہ کران کی طاقت کو بڑھانے کا موجب ہوسکتا ہے۔ اور اگر وہ خود ہی اس انعام کو ردّ کر دیں تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ والی آیت کا مضمون مختصراً بتانے کے بعد مَیں اب یہ بتاتا ہوں کہ کس طرح یہ تمام سورۃ اسی ایک مضمون کے ذکر سے بھری ہوئی ہے اور اس کی کوئی آیت ایسی نہیں جس میں اسی مضمون کے مختلف پہلوؤں کو بیان نہ کیا گیا ہو۔

اس سورہ نور کو اللہ تعالیٰ نے بدکاری اور بدکاری کے الزامات لگانے والوں کے ذکر سے شروع کیا ہے اور اس کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو الزام لگا تھا اُس کا ذکر کرتا ہے۔ پھر اور بہت سی باتیں اسی کے ساتھ تعلق رکھنے والی بیان کرتا ہے اور مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ انہیں ایسے مواقع پر کن کن باتوں پر عمل کرنا چاہئے۔ پھر وہ ذرائع بیان کرتا ہے جن پر عمل کرنے سے بدکاری دنیا سے مٹ سکتی ہے۔ یہ تمام مضامین اللہ تعالیٰ نے پہلے دوسرے اور تیسرے رکوع میں بیان کئے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو پہلا رکوع ان آیات سے شروع ہوتا ہے سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ [7] یہ مضمون چلتا چلا جاتا ہے۔ پھر آگے فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [8] زنا کا

الزام لگانے والوں کا ذکر اور ان کی سزا کا بیان کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [9] اس کے بعد وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ [10] میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو اپنی بیویوں پر بدکاری کا الزام لگاتے ہیں۔ پھر اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ [11] کہہ کرمخصوص طور پرحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پرالزام لگانے والوں کا ذکر کرتا ہے۔ پھرالزام لگانے کے نقائص بیان فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱﴾ [12] یہاں دو رکوع سورۂ نور کے ختم ہوجاتے ہیں۔ پھر اسی مضمون کو اگلے رکوع میں بھی جاری رکھتا اور فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ [13] پھر اس شبہ کا ازالہ کرتا ہے کہ شاید صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگانا کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ عام الزام ایسے خطرناک نہیں ہوتے اورفرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ [14] اس کے بعد چوتھا رکوع شروع ہوتا ہے اور پھراسی سلسلہ میں مختلف ہدایات دی گئی ہیں کہ ان الزامات کے مراکز کو کس طرح روکنا چاہئے۔ چنانچہ فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا [15]

(اِس موقع پرایک دوست محمد احمد صاحب مالک محمود الیکٹرک سٹور قادیان نے ٹارچ لاکر حضور کی خدمت میں پیش کردی۔ اس پرحضور نے ہاتھ سے بتایا کہ اس ٹارچ کے اندر جو بلب ہے اس کی باریک تاریں مصباح ہیں اور وہ گول شیشہ جس میں بلب رکھا جاتا ہے وہ زجاجہ ہے اور اس کا بیرونی دائرہ طاقچہ یارِی فلیکٹر ہے جو روشنی کولمبا کر کے آگے کی طرف پھینکتا ہے۔گویا تیرہ سَو سال ترقی کرنے کے باوجود سائنس روشنی کے متعلق اُسی مقام پرآ کر ٹھہری ہے جوقرآن کریم نے بتایا تھا اُس سے آگے نہیں بڑھی)۔

پھراسی رکوع میں اللہ تعالیٰ بدی سے محفوظ رہنے کے ذرائع کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا

ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۔[16] پھر شادیوں کا ذکر کرتا ہے اور اس پر چوتھا رکوع ختم ہو جاتا ہے۔ گویا پہلے رکوع سے لے کر چوتھے رکوع تک سب میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ کسی جگہ الزام لگانے والوں کے متعلق سزا کا ذکر ہے، کسی جگہ الزامات کی تحقیق کے طریق کا ذکر ہے، کسی جگہ شرعی ثبوت لانے کا ذکر ہے، کسی جگہ ایسے الزامات لگنے کی وجوہ کا ذکر ہے، کسی جگہ اُن دروازوں کا ذکر ہے جن سے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ غرض تمام آیتوں میں ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے مگر اس کے معاً بعد فرماتا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [17] اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اب انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اس کا پہلے رکوعوں سے کیا تعلق ہے؟ ایک ایسا مفسر جو یہ خیال کرتا ہے کہ قرآن کریم میں کوئی ترتیب نہیں وہ بے ربط کلام ہے۔ اس کی آیتیں اسی طرح متفرق مضامین پر مشتمل ہیں جس طرح دانے زمین پر گرائے جائیں تو کوئی کسی جگہ جا پڑتا ہے اور کوئی کسی جگہ، وہ تو کہہ دے گا اِس میں کیا حرج ہے۔ پہلے وہ مضمون بیان کیا گیا تھا اور اب یہ مضمون شروع کر دیا گیا ہے۔ مگر وہ شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم سے واقف ہے جو جانتا ہے کہ قرآن کریم کا ہر لفظ ایک ترتیب رکھتا ہے، وہ یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ پہلے تو بدکاری کے الزامات اور ان کو دور کرنے کا ذکر تھا اور اس کے معاً بعد یہ ذکر شروع کر دیا گیا ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ان دونوں کا آپس میں جوڑ کیا ہوا۔ پھر انسان اور زیادہ حیران ہو جاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ پانچویں رکوع میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اس سے دو رکوع بعد یعنی ساتویں رکوع میں اللہ تعالیٰ یہ ذکر شروع کر دیتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [18] کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ پہلے زنا کے الزامات کا ذکر ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگنے کا بیان ہے۔ پھر ان الزامات کے ازالہ کے طریقوں کا ذکر ہے۔ پھر

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذکر آ گیا۔ اور پھر کہہ دیا کہ میرا یہ وعدہ ہے کہ جو مومن ہوں گے انہیں مَیں اِس اُمت میں اسی طرح خلیفہ بناؤں گا جس طرح پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے دین کو دنیا میں قائم کروں گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دوں گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو شخص ان خلفاء کا منکر ہوگا وہ فاسق ہوگا۔ پس لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ پہلے زنا کے الزامات کا ذکر کیا پھر اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا ذکر کیا اور پھر خلافت کا ذکر کر دیا۔ ان تینوں باتوں کا آپس میں جوڑ ہونا چاہئے ورنہ یہ ثابت ہوگا کہ قرآن کریم نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ بے جوڑ باتوں کا مجموعہ ہے اور اس کے مضامین میں ایک عالم اور حکیم والا ربط اور رشتہ نہیں ہے۔ (اس جگہ ضمنی طور پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں دوسروں پر الزام لگانے والوں کا ذکر ہے وہاں الزام لگانے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ کہ وہ لوگ جو بے گناہ لوگوں پر الزام لگاتے ہیں اور پھر ایک موقع کے چار گواہ نہیں لاتے تو فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً تم ان کو ۸۰ کوڑے مارو۔ وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اور تم اُن کی موت تک ہمیشہ اُن کو جھوٹا سمجھو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ اور یہی وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کے نزدیک فاسق ہیں۔ پھر اسی سورۃ میں جہاں خلفاء کا ذکر کیا وہاں بھی یہی الفاظ رکھے اور فرمایا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ [19] کہ جو شخص خلیفہ کا انکار کرے وہ فاسق ہے۔ اب جو زنا کا الزام لگانے والوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے الفاظ رکھے تھے اور جو نام ان کا تجویز کیا تھا بعینہٖ وہی نام خدا تعالیٰ نے خلافت کے منکرین کا رکھا اور قریباً اسی قسم کے الفاظ اس جگہ استعمال کئے۔ وہاں بھی یہ فرمایا تھا کہ جو لوگ بدکاری کا الزام لگاتے اور پھر چار گواہ ایک موقع کے نہیں لاتے انہیں ۸۰ کوڑے مارو، انہیں ساری عمر جھوٹا سمجھو اور سمجھ لو کہ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہی لوگ فاسق ہیں۔ اور یہاں بھی یہ فرمایا کہ جو شخص خلفاء کا انکار کرتا ہے، سمجھ لو کہ وہ فاسق ہے۔ تو نام دونوں جگہ ایک ہی رکھتا ہے)۔

اب میں پھر اصلی مضمون کی طرف لوٹتا ہوں جو یہ ہے کہ جو شخص قرآن کریم کو ایک حکیم کی کتاب سمجھتا ہے اور اس کے اعلیٰ درجہ کے باربط اور ہم رشتہ مضمونوں کے کمالات کے دیکھنے کا جسے ذرا بھی موقع ملا ہے، وہ اس موقع پر سخت حیران ہوتا ہے کہ کس طرح پہلے بدکاری اور بدکاری کے جھوٹے الزامات لگانے کا ذکر کیا گیا ہے پھر یکدم اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہہ دیا گیا اور پھر خلافت کا ذکر شروع کر دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں مضمونوں میں ضرور کوئی اعلیٰ درجہ کا جوڑ اور تعلق ہے۔ اور یہ تینوں مضمون آپس میں مربوط اور ہم رشتہ ہیں۔ اس شکل کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مضمون پر غور کرو جو میں نے اوپر بتایا ہے اور جو یہ ہے کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی آیت میں الوہیت اور نبوت اور خلافت کے تعلق کو بتایا گیا ہے۔ اس مضمون کو ذہن میں رکھ کر آخری دو مضمونوں کا تعلق بِالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ والی آیت میں خلافت کا اصولی ذکر تھا اور بتایا گیا تھا کہ خلافت کا وجود بھی نبوت کی طرح ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعہ سے جلالِ الٰہی کے ظہور کے زمانہ کو ممتد کیا جاتا ہے اور الٰہی نور کو ایک لمبے عرصہ تک دنیا کے فائدہ کیلئے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس مضمون کے معلوم ہونے پر طبعًا قرآن کریم پڑھنے والوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا تھا کہ خدا کرے ایسی نعمت ہم کو بھی ملے۔ سو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ کی آیات میں اِس خواہش کے پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما دیا اور بتایا کہ یہ نعمت تم کو بھی اسی طرح ملے گی جس طرح پہلے انبیاء کی جماعتوں کو ملی تھی۔

غرض میرے بیان کردہ معنوں کے رو سے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی آیت اور اس کی متعلقہ آیتوں کا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی آیت اور اس کی متعلقہ آیتوں سے ایک ایسا لطیف اور طبعی جوڑ قائم ہو جاتا ہے جو دل کو لذت اور سرور سے بھر دیتا ہے اور ایمان کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے اور قرآنی مطالب کی عظمت کا سکّہ دلوں میں بٹھا دیتا ہے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی قائم رہتا ہے کہ اس مضمون کا پہلی آیتوں سے کیا تعلق ہوا۔

یعنی سورۂ نور کے پانچویں رکوع کا اِس کے نویں رکوع تک تو خلافت سے جوڑ ہوا لیکن جو پہلے چار رکوع ہیں اور جن میں بدکاری اور بدکاری کے الزامات کا ذکر آتا ہے، اُن کا اِس سے کیا تعلق ہے۔ جب تک یہ جوڑ بھی حل نہ ہو اُس وقت تک قرآن کریم کی ترتیب ثابت نہیں ہوسکتی۔

اب میں یہ بتاتا ہوں کہ پہلے چار رکوعوں کا باقی پانچ رکوعوں سے جن میں خلافت کا ذکر آتا ہے کیا تعلق ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ پہلے چار رکوعوں میں بدکاری کے الزامات کا ذکر اصل مقصود ہے اور ان میں خصوصاً اس الزام کا ردّ کرنا مقصود ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا تھا۔ اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو الزام لگانے والوں نے الزام لگایا تو اس کی اصل غرض کیا تھی۔ اس کا سبب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ ان لوگوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی دشمنی تھی۔ ایک گھر میں بیٹھی ہوئی عورت سے جس کا نہ سیاسیات سے تعلق ہو، نہ قضا سے، نہ عہدوں اور اموال کی تقسیم سے، نہ لڑائیوں سے، نہ مخالف اقوام پر چڑھائیوں سے، نہ حکومت سے، نہ اقتصادیات سے، اس سے کسی نے کیا بغض رکھنا ہے۔ غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے براہِ راست بُغض کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ پس اس الزام کے بارہ میں دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ کہ الزام سچا ہو جس امر کو کوئی مومن ایک منٹ کیلئے بھی تسلیم نہیں کرسکتا اور اللہ تعالیٰ نے عرش سے اِس گندے خیال کو ردّ کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عائشہؓ پر الزام بعض دوسرے وجودوں کو نقصان پہنچانے کے لئے لگایا گیا ہو۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ وہ کون کون لوگ تھے جن کو بدنام کرنا منافقوں کے لئے یا ان کے سرداروں کے لئے فائدہ بخش ہوسکتا تھا اور کن کن لوگوں سے اس ذریعہ سے منافق اپنی دشمنی نکال سکتے تھے۔ ایک ادنیٰ تدبر سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگا کر دو شخصوں سے دشمنی نکالی جاسکتی تھی۔ ایک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے۔ کیونکہ ایک کی وہ بیوی تھی اور ایک کی بیٹی تھیں۔ یہ دونوں وجود ایسے تھے کہ ان کی بدنامی سیاسی یا اقتصادی لحاظ سے یا دشمنیوں کے لحاظ سے

بعض لوگوں کے لئے فائدہ بخش ہوسکتی تھی۔ یا بعض لوگوں کی اغراض ان کو بدنام کرنے کے ساتھ وابستہ تھیں۔ ورنہ خود حضرت عائشہؓ کی بدنامی سے کسی شخص کو کوئی دلچسپی نہ ہوسکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ آپ سے سوتوں کا تعلق ہوسکتا تھا اور یہ خیال ہوسکتا تھا کہ شاید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتوں نے حضرت عائشہؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرانے اور اپنی نیک نامی چاہنے کیلئے اس معاملہ میں کوئی حصہ لیا ہو۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوتوں نے اس معاملہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کا اپنا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے جس بیوی کو میں اپنا رقیب اور مدمقابل خیال کرتی تھی وہ حضرت زینبؓ تھیں۔ ان کے علاوہ اور کسی بیوی کو میں اپنا رقیب خیال نہیں کرتی تھی مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں زینبؓ کے اِس احسان کو کبھی نہیں بھول سکتی کہ جب مجھ پر الزام لگایا گیا تو سب سے زیادہ زور سے اگر کوئی اس الزام کا انکار کیا کرتی تھیں تو وہ حضرت زینبؓ ہی تھیں۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اگر کسی کو دشمنی ہوسکتی تھی تو وہ ان کی سوتوں کو ہی ہوسکتی تھی۔ اور وہ اگر چاہتیں تو اِس میں حصہ لے سکتی تھیں تا حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے گر جائیں اور ان کی عزت بڑھ جائے۔ مگر تاریخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں دخل ہی نہیں دیا۔ اور اگر کسی سے پوچھا گیا تو اُس نے حضرت عائشہؓ کی تعریف ہی کی۔ چنانچہ ایک اور بیوی کے متعلق ذکر آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اِس معاملہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے تو سوائے خیر کے عائشہ میں کوئی چیز نہیں دیکھی۔[۲۰]

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی دشمنی نکالنے کا امکان اگر کسی کی طرف سے ہوسکتا تھا تو ان کی سوتوں کی طرف سے مگر ان کا اس معاملہ میں کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ اسی طرح مردوں کی عورتوں سے دشمنی کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ پس آپ پر الزام یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بُغض کی وجہ سے لگایا گیا یا حضرت ابوبکرؓ سے بُغض کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام حاصل تھا وہ تو الزام لگانے والے کسی طرح چھین نہیں سکتے تھے۔ انہیں جس بات کا خطرہ تھا وہ یہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ

اپنی اغراض کو پورا کرنے سے محروم نہ رہ جائیں اور وہ دیکھ رہے تھے کہ آپ کے بعد خلیفہ ہونے کا اگر کوئی شخص اہل ہے تو وہ ابوبکر ہی ہے۔ پس اس خطرہ کو بھانپتے ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے گر جائیں اور ان کے گر جانے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو مسلمانوں میں جو مقام حاصل ہے وہ بھی جاتا رہے اور مسلمان آپ سے بدظن ہو کر اس عقیدت کو ترک کر دیں جو انہیں آپ سے تھی۔ اور اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے۔ جس طرح حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں پیغامیوں کا گروہ مجھ پر اعتراض کرتا رہتا تھا اور مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ پس یہی وجہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کے واقعہ کے بعد خلافت کا بھی ذکر کیا۔

حدیثوں میں صریح طور پر آتا ہے کہ صحابہ آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی کا مقام ہے تو وہ ابوبکرؓ کا ہی مقام ہے۔[۲۱] پھر حدیثوں میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ آپ میری فلاں حاجت پوری کر دیں۔ آپ نے فرمایا اِس وقت نہیں پھر آنا۔ وہ بدوی تھا اور تہذیب اور شائستگی کے اصول سے ناواقف تھا اُس نے کہا آخر آپ انسان ہیں اگر میں پھر آؤں اور آپ اُس وقت فوت ہو چکے ہوں تو میں کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا اگر میں دنیا میں نہ ہوا تو ابوبکر کے پاس چلے جانا وہ تمہاری حاجت پوری کر دے گا۔[۲۲]

اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا اے عائشہؓ! میں چاہتا تھا کہ ابوبکرؓ کو اپنے بعد نامزد کر دوں مگر میں جانتا ہوں کہ اللہ اور مومن اس کے سِوا اور کسی پر راضی نہ ہونگے[۲۳] اس لئے میں کچھ نہیں کہتا۔ غرض صحابہ یہ قدرتی طور پر سمجھتے ہیں کہ رسول کریم کے بعد ان میں سے اگر کسی کا درجہ ہے تو ابوبکر کا اور وہی آپ کا خلیفہ بننے کے اہل ہیں۔ مکی زندگی تو ایسی تھی کہ اس میں حکومت اور اس کے انتظام کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ لیکن مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے

کے بعد حکومت قائم ہوگئی ۔اور طبعاً منافقوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگا کیونکہ آپ کی مدینہ میں تشریف لانے کی وجہ سے ان کی کئی امیدیں باطل ہوگئی تھیں ۔ چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ مدینہ میں عربوں کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج ۔اور یہ ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور قتل اور خونریزی کا بازار گرم رہتا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اس لڑائی کے نتیجہ میں ہمارے قبائل کا رُعب مٹتا جارہا ہے تو انہوں نے آپس میں صلح کی تجویز کی اور قرار پایا کہ ہم ایک دوسرے سے اتحاد کرلیں اور کسی ایک شخص کو اپنا بادشاہ بنالیں چنانچہ اوس اور خزرج نے آپس میں صلح کرلی اور فیصلہ ہوا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو مدینہ کا بادشاہ بنادیا جائے ۔اس فیصلہ کے بعد انہوں نے تیاری بھی شروع کردی اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے لئے تاج بننے کا حکم بھی دے دیا گیا۔ اتنے میں مدینہ کے کچھ حاجی مکہ سے واپس آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ آخری زمانہ کا نبی مکہ میں ظاہر ہوگیا ہے اور ہم اس کی بیعت کر آئے ہیں ۔اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں ۔اور چند دنوں کے بعد بعض اور لوگوں نے بھی مکہ جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرلی ۔ پھر انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہماری تربیت اور تبلیغ کے لئے کوئی معلّم ہمارے ساتھ بھیجیں ۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو مبلّغ بنا کر بھیجا اور مدینہ کے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہوگئے ۔ اُنہی دنوں میں چونکہ مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو بہت سی تکالیف پہنچائی جارہی تھیں اِس لئے اہل مدینہ نے آپ سے درخواست کی کہ آپ مدینہ میں تشریف لے آئیں ۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے صحابہ سمیت مدینہ ہجرت کر کے آگئے ۔اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے لئے جو تاج تیار کروایا جارہا تھا وہ دھرا کا دھرا رہ گیا کیونکہ جب انہیں دونوں جہانوں کا بادشاہ مل گیا تو انہیں کسی اور بادشاہ کی کیا ضرورت تھی ۔عبداللہ بن ابی ابن سلول نے جب یہ دیکھا کہ اُس کی بادشاہت کے تمام امکانات جاتے رہے ہیں تو اسے سخت غصہ آیا۔اور گو وہ بظاہر مسلمانوں میں مل گیا مگر ہمیشہ اسلام میں رخنے ڈالتا رہتا تھا۔اور چونکہ اب وہ اور کچھ نہیں کرسکتا تھا اس لئے اُس کے دل میں اگر

کوئی خواہش پیدا ہوسکتی تھی تو یہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوں تو مَیں مدینہ کا بادشاہ بنوں لیکن مسلمانوں میں جونہی بادشاہت قائم ہوئی اور ایک نیا نظام انہوں نے دیکھا تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف سوالات کرنے شروع کردیئے کہ اسلامی حکومت کا کیا طریق ہے۔ آپ کے بعد اسلام کا کیا حال ہوگا اور اس بارہ میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔عبداللہ بن ابی بن سلول نے جب یہ حالت دیکھی تو اسے خوف پیدا ہونے لگا کہ اب اسلام کی حکومت ایسے رنگ میں قائم ہوگی کہ اس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا وہ ان حالات کو روکنا چاہتا تھا اور اس کیلئے جب اس نے غور کیا تو اسے نظر آیا کہ اگر اسلامی حکومت کو اسلامی اصول پر کوئی شخص قائم کرسکتا ہے تو وہ ابوبکر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی نظر اسی کی طرف اُٹھتی ہے اور وہ اسے سب دوسروں سے معزز سمجھتے ہیں۔ پس اُس نے اپنی خیر اِسی میں دیکھی کہ ان کو بدنام کردیا جائے اور لوگوں کی نظروں سے گرادیا جائے بلکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے بھی گرادیا جائے۔ اور اس بدنیتی کے پورا کرنے کا موقع اسے حضرت عائشہؓ کے ایک جنگ میں پیچھے رہ جانے کے واقعہ سے مل گیا اور اس خبیث نے آپ پر گندہ الزام لگادیا جو قرآن کریم میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے اور حدیثوں میں اس کی تفصیل آتی ہے۔عبداللہ بن ابی بن سلول کی اِس میں یہ غرض تھی کہ اس طرح حضرت ابوبکرؓ ان لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل ہوجائیں گے اور آپ کے تعلقات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خراب ہوجائیں گے اور اس نظام کے قائم ہونے میں رخنہ پڑ جائے گا جس کا قائم ہونا اسے لابُدِّی نظر آتا تھا اور جس کے قائم ہونے سے اس کی امیدیں تباہ ہوجاتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حکومت کے خواب صرف عبداللہ بن ابی بن سلول ہی نہیں دیکھ رہا تھا اَور بعض لوگ بھی اس مرض میں مبتلا تھے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کی نسبت بھی حدیثوں میں آتا ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے عرض کی کہ میرے ساتھ ایک لاکھ سپاہی ہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنی تمام جماعت کے ساتھ آپ کی بیعت کرلوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہیں اگر تم پر حق کھل گیا ہے تو تم بیعت کرلو۔ وہ کہنے لگا میں

بیعت کرنے کیلئے تیار تو ہوں مگر میری ایک شرط ہے۔آپ نے فرمایا وہ کیا؟ وہ کہنے لگا میری شرط یہ ہے کہ آپ تو خیر اَب عرب کے بادشاہ بن ہی گئے ہیں لیکن چونکہ میری قوم عرب کی سب سے زیادہ زبردست قوم ہے پس میں اِس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کے بعد میں عرب کا بادشاہ ہوں گا۔آپ نے فرمایا میں کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ یہ خدا کا انعام ہے وہ جسے چاہے گا دے گا۔[۲۴] اس پر وہ ناراض ہوکر چلا گیا اور اپنی تمام قوم سمیت مخالفت پر آمادہ ہوگیا۔

تو مسیلمہ کذاب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بادشاہت ملنے کی آرزو کی تھی، زندگی میں نہیں۔ یہی حال عبداللہ بن ابی بن سلول کا تھا۔ چونکہ منافق اپنی موت کو ہمیشہ دور سمجھتا ہے اور وہ دوسروں کی موت کے متعلق اندازے لگاتا رہتا ہے اس لئے عبداللہ بن اُبی بن سلول بھی اپنی موت کو دور سمجھتا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے گا۔ وہ یہ قیاس آرائیاں کرتا رہتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوں تو مَیں عرب کا بادشاہ بنوں گا۔لیکن اب اس نے دیکھا کہ ابوبکرؓ کی نیکی اور تقویٰ اور بڑائی مسلمانوں میں تسلیم کی جاتی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے تشریف نہیں لاتے تو ابوبکرؓ آپ کی جگہ نماز پڑھاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فتویٰ پوچھنے کا موقع نہیں ملتا تو مسلمان ابوبکرؓ سے فتویٰ پوچھتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن ابی بن سلول کو جو آئندہ کی بادشاہت ملنے کی امید لگائے بیٹھا تھا سخت فکر لگا اور اُس نے چاہا کہ اِس کا ازالہ کرے۔ چنانچہ اِسی امر کا ازالہ کرنے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شہرت اور آپ کی عظمت کو مسلمانوں کی نگاہوں سے گرانے کے لیے اس نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا دیا تا حضرت عائشہؓ پر الزام لگنے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے نفرت پیدا ہو اور حضرت عائشہؓ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت کا یہ نتیجہ نکلے کہ ابوبکرؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی نگاہوں میں جو اعزاز حاصل ہے وہ کم ہو جائے اور ان کے آئندہ خلیفہ بننے کا کوئی امکان نہ رہے۔ چنانچہ اِسی امر کا اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ذکر کرتا اور فرماتا ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا وہ تم لوگوں میں سے ہی مسلمان کہلانے والا ایک جتھا ہے مگر فرماتا ہے لَاتَحْسَبُوْہُ شَرًّالَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ [۲۵] تم یہ خیال نہ کرو کہ یہ الزام کوئی بُرا نتیجہ پیدا کرے گا بلکہ یہ الزام بھی تمہاری بہتری اور ترقی کا موجب ہو جائے گا چنانچہ لو اب ہم خلافت کے متعلق اصول بھی بیان کر دیتے ہیں اور تم کو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ یہ منافق زور مار کر دیکھ لیں یہ ناکام رہیں گے اور ہم خلافت کو قائم کر کے چھوڑیں گے۔ کیونکہ خلافت، نبوت کا ایک جزو ہے اور الٰہی نور کے محفوظ رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ پھر فرماتا ہے لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْھُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۔[۲۶] ان الزام لگانے والوں میں سے جیسی جیسی کسی نے کمائی کی ہے ویسا ہی عذاب اسے مل جائے گا۔ چنانچہ جو لوگ الزام لگانے کی سازش میں شامل تھے انہیں اسّی اسّی کوڑے لگائے گئے۔ پھر فرمایا وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ [۲۷] مگر ان میں سے ایک شخص جو سب سے بڑا اشرارتی ہے اور جو اِس تمام فتنہ کا بانی ہے اسے ہم کوڑے نہیں لگوائیں گے بلکہ اس کو عذاب ہم خود دیں گے۔ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ وہ شخص جس نے اصل میں بات بنائی ہے (یعنی عبداللہ بن ابی بن سلول) وہ عام عذاب کا مستحق نہیں خاص اور بڑے عذاب کا مستحق ہے، جو عذاب ہم ہی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس حکم کے ماتحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے عذاب مل گیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی وہ ہلاک ہو گیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے بعد خلیفہ ہو گئے۔ اس الزام کا ذکر کرنے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کی اِس شرارت کو بیان کرنے کے بعد کہ اس نے خلافت میں رخنہ اندازی کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر الزام لگایا، اللہ تعالیٰ معاً فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کا نور ہے مگر اُس کے نور کو مکمل کرنے کا ذریعہ نبوت اور اس کے بعد اس کے دنیا میں پھیلانے اور اسے زیادہ سے زیادہ عرصہ تک قائم رکھنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو وہ خلافت ہی ہے۔ پس ان منافقوں کی

تدبیروں کی وجہ سے ہم اس عظیم الشان ذریعہ کو تباہ نہیں ہونے دیں گے بلکہ اپنے نور کے دنیا میں دیر تک قائم رکھنے کیلئے اس سامان کو مہیا کریں گے۔

اِس بات کا مزید ثبوت کہ اس آیت میں جس نور کا ذکر ہے وہ نورِ خلافت ہی ہے، اس سے اگلی آیتوں میں ملتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اِس سوال کا جواب دیتا ہے کہ یہ نور کہاں ہے۔ فرماتا ہے فِيْ بُيُوْتٍ یہ نورِ خلافت چند گھروں میں پایا جاتا ہے۔نورِ نبوت تو صرف ایک گھر میں ہے مگر نورِ خلافت ایک گھر میں نہیں بلکہ فِيْ بُيُوْتٍ چند گھروں میں ہے۔ پھر فرماتا ہے اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وہ گھر ابھی چھوٹے سمجھتے جاتے ہیں مگر خدا نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ ان گھروں کو اونچا کرے۔ کیونکہ نبوت کے بعد خلافت اس خاندان کو بھی اونچا کر دیتی ہے جس میں سے کوئی شخص منصبِ خلافت حاصل کرتا ہے۔

اس آیت نے یہ بتا دیا کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کا مقصد نورِ خلافت کو بیان کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ نورِ خلافت، نورِ نبوت اور نورِ الوہیت کے ساتھ کُلّی طور پر وابستہ ہے اور اس کو مٹانا دوسرے دونوں نوروں کو مٹانا ہے۔ پس ہم اِسے مٹنے نہ دیں گے اور اس نور کو ہم کئی گھروں کے ذریعہ ظاہر کریں گے تا نورِ نبوت کا زمانہ اور اس کے ذریعہ سے نورِ الٰہیہ کے ظہور کا زمانہ لمبا ہو جائے۔ چنانچہ خلافت پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ کیونکہ خدا نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ ان بیوت کو اونچا کرے۔ تُرْفَعَ کے لفظ نے یہ بھی بتا دیا کہ الزام لگانے والوں کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نیچا کریں اور انہیں لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کریں۔مگر خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ ان کو اونچا کرے اور جب خدا انہیں عزت دینا چاہتا ہے تو پھر کسی کے الزام لگانے سے کیا بنتا ہے۔

اب دیکھو سورۂ نور کے شروع سے لے کر اس کے آخر تک کس طرح ایک ہی مضمون بیان کیا گیا ہے پہلے اس الزام کا ذکر کیا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگایا گیا تھا اور چونکہ حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے کی اصل غرض یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ذلیل کیا جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے جو تعلقات ہیں وہ بگڑ جائیں اور اس کے

نتیجہ میں مسلمانوں کی نگاہ میں بھی ان کی عزت کم ہو جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ خلیفہ نہ ہوسکیں ۔ کیونکہ عبداللہ بن ابی بن سلول یہ بھانپ گیا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی نگاہ اگر کسی پر اُٹھنی ہے تو وہ ابوبکرؓ ہی ہے اور اگر ابوبکرؓ کے ذریعہ خلافت قائم ہوگئی تو عبداللہ بن ابی بن سلول کی بادشاہی کے خواب کبھی پورے نہ ہوں گے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس الزام کے ذکر کے معاً بعد خلافت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ خلافت بادشاہت نہیں ہے ۔ وہ تو نورِالٰہی کے قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے اس لئے اس کا قیام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے ۔ اس کا ضائع ہونا تو نورِنبوت اور نورِالوہیت کا ضائع ہونا ہے ۔ پس وہ اس نور کو ضرور قائم کرے گا اور نبوت کے بعد بادشاہت ہرگز قائم نہیں ہونے دے گا اور جسے چاہے گا خلیفہ بنائے گا بلکہ وہ وعدہ کرتا ہے کہ مسلمانوں سے ایک نہیں متعدد لوگوں کو خلافت پر قائم کر کے نور کے زمانہ کو لمبا کر دے گا ۔ یہ مضمون ایسا ہی ہے جیسے کہ حضرت خلیفہ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں کہ جس کا جی چاہے پی لے ۔ اسی طرح فرمایا تم اگر الزام لگانا چاہتے ہو تو بے شک لگاؤ نہ تم خلافت کو مٹا سکتے ہو نہ ابوبکرؓ کو خلافت سے محروم کر سکتے ہو ۔ کیونکہ خلافت ایک نور ہے وہ نوراللہ کے ظہور کا ایک ذریعہ ہے اس کو انسان اپنی تدبیروں سے کہاں مٹا سکتا ہے ۔ پھر فرماتا ہے کہ اسی طرح خلافت کا یہ نور چند اور گھروں میں بھی پایا جاتا ہے اور کوئی انسان اپنی کوششوں اور اپنے مکروں سے اس نور کے ظہور کو روک نہیں سکتا ۔ اب دیکھو اس تشریح کے ساتھ سورۂ نور کی تمام آیتوں کا آپس میں کس طرح ربط قائم ہو جاتا ہے اور کس طرح پہلے چار رکوعوں کے مضمون کا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اس کے مَابَعْد کی آیتوں کے ساتھ ربط قائم ہو جاتا ہے اور ساری سورۃ کے مطالب آئینہ کی طرح سامنے آجاتے ہیں ۔

پس خلافت ایک الٰہی سنت ہے کوئی نہیں جو اِس میں روک بن سکے ۔ وہ خدا تعالیٰ کے نور کے قیام کا ذریعہ ہے جو اِس کو مٹانا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو مٹانا چاہتا ہے ۔ ہاں وہ ایک وعدہ ہے جو پورا تو ضرور کیا جاتا ہے لیکن اس کے زمانہ کی لمبائی مومنوں کے اخلاص

سے وابستہ ہے۔فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [۲۸]

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۴۳۱ تا ۴۵۸)

---

۱ تذکرہ صفحہ ۵۸۸۔ایڈیشن چہارم

۲ الم نشرح:۲ ۳ النور: ۳۶ تا ۳۹ ۴ طٰهٰ: ۱۱

۵ دیوارگیر: دیوار میں لگانے کا لیمپ

۶ آل عمران: ۱۹۱ ۷ النور: ۲، ۳ ۸ النور: ۵

۹ النور: ۶ ۱۰ النور: ۷ ۱۱ النور: ۱۲

۱۲ النور: ۲۰، ۲۱ ۱۳ النور: ۲۲ ۱۴ النور: ۲۴

۱۵ النور: ۲۸ ۱۶ النور: ۳۱ ۱۷ النور: ۳۶

۱۸، ۱۹ النور: ۵۶

۲۰ بخاری کتاب التفسیر. تفسیر سورة النور باب لولا اذ سمعتموه (الخ)

۲۱ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔ باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ

۲۲ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا

۲۳ بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف

۲۴ بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفة (الخ)

۲۵ تا ۲۷ النور: ۱۲ ۲۸ النور: ۵۶

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی تسلی کے لئے قسموں کا اعلان

خطبہ جمعہ ۱۲؍نومبر ۱۹۳۷ء میں شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی تسلی کے لئے قسموں کا اعلان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:۔

''شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری نے اپنے خط میں تسلیم کیا ہے کہ وہ دو سال سے خفیہ تحقیق میرے خلاف کر رہے تھے اور اس بارہ میں لوگوں سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ اگر جس دن انہیں میرے متعلق شبہ پیدا ہوا تھا اور میرے خلاف انہیں کوئی بات پہنچی تھی، اُسی دن وہ میرے پاس آتے اور کہتے کہ میرے دل میں آپ کے متعلق یہ شبہ پیدا ہو گیا ہے تو میں یقیناً انہیں جواب دیتا اور اپنی طرف سے اُن کو اطمینان دلانے اور ان کے شکوک کو دور کرنے کی پوری کوشش کرتا۔ چنانچہ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ بعض لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے دیانت داری سے اپنے شکوک پیش کر کے ان کا ازالہ کرنا چاہا اور میں ان پر ناراض نہیں ہوا بلکہ میں نے ٹھنڈے دل سے اُن کی بات کو سُنا اور آرام سے اُنہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ اور میں سمجھتا ہوں اگر وہ جھوٹ نہ بولیں تو ایسے لوگ بھی میں پیش کر سکتا ہوں جو اَب احمدی نہیں اور وہ اِس بات کے شاہد ہیں کہ انہوں نے مخفی طور پر اپنے بعض شکوک کے متعلق مجھ سے تسلی چاہی اور میں نے نہایت خندہ پیشانی سے ان کی باتوں کا جواب دیا۔ لیکن جو شخص پہلے مجھے مجرم قرار دیتا ہے اور پھر مجھ سے تسلی چاہتا ہے اُس کی تسلی کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ جس نے فیصلہ کر لیا کہ میں مجرم ہوں، جس نے فیصلہ کر لیا کہ مجھ میں فلاں فلاں عیوب پائے جاتے ہیں اُس کی تسلی کرنی بالکل بے معنی بات ہے۔

پس مجھے ان کے طریق پر اعتراض ہے ورنہ وسوسے بعض کمزور انسانوں کے قلوب میں پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مجھے جس بات پر اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے خفیہ کارروائی

کی اور خفیہ طور پر لوگوں کو بہکایا۔ چنانچہ اِس کا ثبوت اِس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے کہ اِدھر جماعت سے وہ نکلے اُدھر حکیم عبدالعزیز صاحب نے کہہ دیا کہ میں جماعت سے الگ ہوتا ہوں اور وہ جھٹ مصری صاحب کے ساتھ شامل ہوگئے۔ پھر مصری صاحب نے بھی اپنے خط میں یہی لکھا تھا کہ فخر الدین کو اگر آپ نے معاف نہ کیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ گویا میری وجہ سے وہ جماعت سے الگ نہیں ہوئے بلکہ اس لئے ہوئے کہ فخر الدین کو کیوں معاف نہیں کیا گیا۔ پس صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ ایک پارٹی تھی جو اندر ہی اندر خفیہ منصوبے کر رہی تھی۔ چنانچہ ابتدائی رپورٹیں جو میرے پاس پہنچیں ان میں میاں فخر الدین صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری، حکیم عبدالعزیز صاحب اور میاں مصباح الدین صاحب ان چاروں کے نام علاوہ بعض دوسرے ناموں کے آتے رہے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کیوں نہ فرض کرلیا جائے کہ رپورٹ دینے والوں نے جھوٹ بولا۔ یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ یہ شروع سے ایک پارٹی تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رپورٹ دینے والوں کو کیا پتہ تھا کہ کسی وقت یہ چاروں علیحدہ بھی ہو جائیں گے۔ انہوں نے ایک رپورٹ کی اور وقوعہ نے ثابت کر دیا کہ انہوں نے جھوٹ نہیں بولا بلکہ سچ کہا ورنہ وجہ کیا ہے کہ اِدھر میاں فخر الدین صاحب ملتانی جماعت سے نکالے جاتے ہیں اور اُدھر شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری بھی نکل جاتے ہیں۔ وہ علیحدہ ہوتے ہیں تو میاں عبدالعزیز حکیم اور میاں عبدالرب بھی فسخ بیعت کا اعلان کر دیتے ہیں اور میاں مصباح الدین صاحب سے بھی ایسی حرکات سرزد ہوتی ہیں کہ انہیں جماعت سے الگ کرنا پڑتا ہے۔ یہ باتیں ثبوت ہیں اِس بات کا کہ ان میں خفیہ کارروائیاں ہوتی رہی تھیں اور یہی تقویٰ کے خلاف فعل ہے۔ اگر پہلے دن ہی جب انہوں نے میرے متعلق کوئی بات سنی تھی، میرے پاس آتے اور مجھ سے کہتے کہ میں نے فلاں بات سنی ہے مجھے اس کے متعلق سمجھایا جائے تو جس رنگ میں بھی ممکن ہوتا میں انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا اور گو تسلی دینا خدا کا کام ہے میرا نہیں مگر اپنی طرف سے میں انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن انہوں نے تقویٰ کے خلاف طریق اختیار کیا اور پھر ہر قدم جو انہوں نے اُٹھایا وہ تقویٰ کے خلاف اُٹھایا۔ چنانچہ جب انہوں نے یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ مجھ پر

جماعت کی طرف سے کئی قسم کے مظالم کئے جا رہے ہیں تو میں نے اس کی تحقیق کیلئے ایک کمیشن مقرر کیا جس کے ممبر مرزا عبدالحق صاحب اور میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر تھے۔ مرزا عبدالحق صاحب، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کے گہرے دوست تھے۔مگر انہوں نے مرزا عبدالحق صاحب کے متعلق کہہ دیا کہ یہ خلیفہ کے اپنے آدمی ہیں اور انہیں چونکہ جماعت کی طرف سے مقدمات ملتے ہیں اس لئے فیصلہ میں وہ خلیفہ کی طرفداری کریں گے اور میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر کہ وہ بھی ان کے گہرے دوستوں میں سے تھے ان کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ مجھے ان کے فیصلہ پر اس لئے تسلی نہیں کہ ان کی مرزا گل محمد صاحب نے جو خلیفہ کے چچا کے بیٹے ہیں ایک ضمانت دی ہوئی ہے۔اب اگر احمدیوں کے ایمان اتنے کمزور ہیں کہ ان میں سے کوئی اس لئے صحیح فیصلہ نہ کرے کہ مجھے جماعت کی طرف سے مقدمات ملتے ہیں، اگر میں نے جماعت کے خلاف فیصلہ کیا تو مقدمات ملنے بند ہو جائیں گے۔ اور کوئی اس لئے صحیح فیصلہ نہ کرے کہ میرے چچا کے بیٹے نے ان کی ایک ضمانت دی ہوئی ہے تو ایسے لوگوں کے اندر شامل رہنے سے فائدہ کیا ہے۔ میں نے تو نہایت دیانتداری سے ان دونوں کو اس کا دوست سمجھ کر اس فیصلہ کیلئے مقرر کیا تھا مگر انہوں نے اس کمیشن کے سامنے اس لئے اپنے مطالبات پیش کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ دونوں ہمارے زیر اثر ہیں۔اس کے مقابلہ میں مصری صاحب کے ایک اَور دوست مصباح الدین صاحب کے متعلق جب کمیشن مقرر کیا گیا تو میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ لوگ ان لوگوں پر جو جماعت سے کوئی ملازمت وغیرہ کا تعلق رکھتے ہوں، اعتراض کرنے کے عادی ہیں ایسے آدمی مقرر کئے جنہیں جماعت سے کبھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ ان میں سے ایک میر محمد بخش صاحب امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ تھے۔انہوں نے کبھی بھی جماعت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا اور جماعت نے کسی مقدمہ میں انہیں کبھی فیس نہیں دی۔ دوسرے دوست چوہدری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری تھے انہیں بھی کبھی جماعت سے کوئی مالی فائدہ نہیں پہنچا۔مگر جب ان دونوں کو میں نے مقرر کیا اور انہوں نے مصباح الدین صاحب کو بیان کیلئے بُلایا تو انہوں نے کہا کہ اگر خلیفہ خود مجھ سے جواب طلب کرے تو میں جواب دے سکتا ہوں، کسی اَور کا ان امور سے کیا تعلق ہے۔ مجھے

جب یہ بات پہنچی تو میں نے جواب دیا کہ جب وہ سلسلہ پر اعتراض کرنے لگے تھے تو کیا انہوں نے خلیفہ سے اجازت لے لی تھی؟ اگر ان میں اتنا ہی اخلاص تھا تو چاہئے تھا کہ وہ اپنے اعتراضات کا بھی خلیفۂ وقت کے سوا اور کسی کے سامنے ذکر نہ کرتے۔ جب اعتراض کرنے کا وقت تھا اُس وقت تو اَوروں کے سامنے ہی اعتراض ہوتے رہے مگر جب جواب دینے کا وقت آیا تو کہہ دیا کہ میں خلیفہ کے سِوا اور کسی کو جواب نہیں دے سکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کسی انسان کے دل میں فتنہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ ''نہ مانوں'' ''نہ مانوں'' کی رٹ لگا تا رہتا ہے۔ جب کمیشن میں شیخ مصری صاحب کے دوست مقرر کئے گئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ پیڈ ایجنٹ (PAID AGENT) ہیں۔ ایک کو مقدمے مل جاتے ہیں اور دوسرے کو خلیفۂ وقت کے ایک رشتہ دار نے ضمانت دی ہوئی ہے۔ اور جب ایسے لوگ مقرر کئے گئے جن پر یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا تھا تو یہ کہہ دیا گیا کہ خلیفۂ وقت کے سوا ہم کسی کے سامنے بات نہیں کر سکتے۔

پس میں نے تو چاہا تھا کہ اگر ہماری جماعت کے کسی فرد کی طرف سے ان پر سختی ہوئی ہو تو اس کا ازالہ کروں مگر انہوں نے خود اس کو قبول نہیں کیا۔ میں یہ ہرگز نہیں کر سکتا تھا کہ سلسلہ احمدیہ کے جھگڑوں میں غیر احمدیوں کو جج مقرر کروں۔ ہمیشہ اُمت محمدیہ میں اُمت محمدیہ کے افراد ہی باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کرتے رہے ہیں۔ اس پر اگر کسی کو اعتراض ہے تو یہ میرے بس کی بات نہیں۔

خلفائے اسلام بھی بعض دفعہ دیوانی مقدموں میں بُلائے گئے ہیں مگر وہ اُنہی قاضیوں کے پاس گئے ہیں جنہیں انہوں نے خود مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما پر اگر کوئی دیوانی مقدمہ ہوا ہے تو اُنہی قاضیوں کے پاس جنہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے مقرر کیا تھا۔ اُس وقت کسی نے نہیں کہا کہ قاضی تو آپ کا اپنا مقرر کردہ ہے اس سے ہم فیصلہ کیونکر کرا سکتے ہیں، وہ آپ کی طرفداری کرے گا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ مسلمان قاضی ہیں اور مسلمان قاضی دیانت داری سے ہی کام لیں گے۔ ان میں یہ بدظنی نہیں تھی کہ قاضی تو ان کا مقرر کردہ ہے وہ کس طرح صحیح فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی وقت قوم کی حالت ایسی گندی

ہو جائے کہ اُس کا خلیفہ بگڑ جائے اور اُس کے افراد بد دیانت ہو جائیں تو پھر اس مرض کا علاج کوئی بندہ نہیں کر سکتا اس کا علاج پھر اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے۔ اُس وقت پھر اصلاح کا دعویٰ کرنا محض ایک لاف ہے۔ اُس کا علاج ایک ہی ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے فریاد کی جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہیں مجھ پر ایسی بدظنی ہے اور تم سمجھتے ہو کہ یہ جماعت کو تباہ کر رہا ہے تو تم خدا سے کہو کہ وہ مجھے تباہ کر دے۔ بندوں کے پاس چیخ و پکار بالکل بے معنی بات ہے۔

مصری صاحب کے اِسی ساتھی نے جس کے خط کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے سازش کر کے مستریوں پر حملہ کروایا تھا۔ پھر آپ نے سازش کر کے محمد امین کو قتل کروایا اور اب فخرالدین کو مروا دیا ہے۔ اور اس کے بعد آپ ہمیں مروانے کی فکر میں ہیں۔ مجھے اس قسم کے اعتراض کا جواب دینے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ہر غلط الزام کا جواب دینے کی نہ ضرورت ہوتی ہے اور نہ اس کا فائدہ ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ خط لکھنے والے نے آئندہ کا شبہ بھی ظاہر کیا ہے اور میں کسی کو قلق اور اضطراب میں رکھنا نہیں چاہتا اِس لئے میں ان کے وسوسہ کو دور کرنے اور ان کے خدشات کو مٹانے کیلئے وہ بات کہتا ہوں جس کی مجھے عام حالات میں ضرورت نہیں تھی اور میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ میں نے کسی کو پٹوانا اور قتل کروانا تو الگ رہا آج تک سازش سے کسی کو چپیڑ بھی نہیں لگوائی۔ کسی پر اُنگلی بھی نہیں اُٹھوائی اور نہ میرے قلب کے کسی گوشہ میں یہ بات آئی ہے کہ میں خدانخواستہ آئندہ کسی کو قتل کرواؤں یا قتل تو الگ رہا ناجائز طور پر پٹوا ہی دوں۔ اگر میں اِس قسم میں جھوٹا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت مجھ پر اور میری اولاد پر ہو۔ ان لوگوں نے میری صحبت میں ایک لمبا عرصہ گزارا ہے۔ اگر یہ لوگ تعصب سے بالکل ہی عقل نہ کھو چکے ہوتے تو یہ ان باتوں سے شک میں پڑنے کی بجائے خود ہی ان باتوں کو ردّ کر دیتے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ظالم نہیں بنایا، اُس نے مجھے ایک ہمدرد دل دیا ہے جو ساری عمر دنیا کے غموں میں گھلتا رہا اور گھل رہا ہے۔ ایک محبت کرنے والا دل جس میں سب دنیا کی خیر خواہی ہے، ایک ایسا دل جس کی بڑی خواہش ہی یہ ہے کہ وہ اور اس کی اولاد اللہ تعالیٰ

کے عشق کے بعد اس کے بندوں کی خدمت میں اپنی زندگی بسر کریں۔ ان امور میں مجبوریوں یا غلطیوں کی وجہ سے کوئی کمی آجائے تو آجائے مگر اس کے ارادہ میں اس بارہ میں کبھی کمی نہیں آئی۔

میں اصل مضمون سے دُور چلا گیا۔ میں ان لوگوں کی تسلی کیلئے اس سے بھی بڑھ کر ایک قدم اُٹھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر جماعت میں کوئی ایسا شخص ہے جسے میں نے کبھی بھی کسی کے قتل یا مخفی طور پر پیٹنے کا حکم دیا ہو (مخفی کی شرط میں نے اس لئے لگائی ہے کہ قضاء کی سزاؤں میں ان لوگوں کو جنہیں سزا دینے کا ہم کو شرعی اور قانونی حق ہوتا ہے کبھی بدنی سزا بھی دِلوا دیتے ہیں)۔ تو اسے میں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ وہ اس امر کو ظاہر کر دے تا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو دنیا پر میرا جھوٹ کھل جائے۔ پھر میں اس سے بھی بڑھ کر ایک اَور قدم اُٹھاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ ایسے افعال کو ناپسند کیا ہے جن میں ظلم پایا جائے اور ظاہر اور مخفی ہر طرح ان افعال کو روکنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ ہاں اگر خدا کی بتائی ہوئی تقدیریں پوری ہوں تو ان میں میرا کوئی دخل نہیں۔ وہ خدا کا اپنا کام ہے جو وہ کرتا ہے اور مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ مجھ پر الزام تبھی آسکتا ہے کہ میرے منصوبہ یا اشارہ سے کوئی بات ہو۔ لیکن میں انہیں کہتا ہوں انہوں نے مجھ پر یہ اعتراض کر کے کہ میں پہلے اپنے دشمنوں کی تباہی کے متعلق ایک پیشگوئی کرتا ہوں اور پھر انسانوں کی منت سماجت کر کے اسے پورا کرواتا اور اپنے دشمنوں کو مروا ڈالتا ہوں، غیر از جماعت لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی یہی کہا کرتے تھے کہ مرزا صاحب نے لیکھرام کے قتل ہونے کی پیشگوئی کی اور پھر ایک آدمی بھیج کر اُسے مروا دیا۔ گویا انہوں نے مجھ پر یہ الزام لگا کر ایک ایسا خطرناک حربہ دشمن کے ہاتھ میں دے دیا ہے کہ گو وہ سلسلہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر اس سے وہ ہنسی اور طعن و تشنیع کا نشانہ ضرور بن جاتا ہے۔ انہیں سوچنا چاہئے کہ میں خدا تعالیٰ کی خبر کو کس طرح چھپاؤں۔ میں اس بارہ میں بے بس ہوں۔ میں قسم کھا سکتا ہوں، ہر سخت سے سخت قسم کہ میں نے جو خبر دی وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی میں نے اپنے پاس سے نہیں بنائی اور میں ہر غلیظ سے غلیظ قسم کھا سکتا

ہوں کہ اس خبر کے پورا کرنے کیلئے میں نے کوئی سازش نہیں کی ۔اس سے زیادہ میں اور کیا ذریعہ تسلی دلانے کیلئے اختیار کرسکتا ہوں ۔ جو اس پر بھی تسلی نہیں پاتا اس کا علاج خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے میرے پاس نہیں ۔مگر بدقسمت ہے وہ جو خدا تعالیٰ کے نشانات سے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اَور بھی گمراہ ہوجاتا ہے۔ بے شک خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا [1] کچھ لوگ اس سے ہدایت پاتے ہیں اور کچھ گمراہ ہوجاتے ہیں ۔مگر اس قاعدہ کے گمراہی والے حصہ میں شامل ہونا کوئی اچھا مقام نہیں کہ انسان اس مقام پر کھڑا ہونے کی کوشش کرے ۔

پیشگوئیاں ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں ۔ابھی قریب کے زمانہ میں ہم خدا تعالیٰ کے ایک مامور کی آواز سن چکے ہیں ۔ پیشگوئی کے بعد پیشگوئی ہم نے سُنی اور پھر اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھی ۔ پھر کیا ہوا کہ اتنے قلیل عرصہ میں لوگ اس آواز سے ناآشنا ہوگئے اور کیوں نہ ہوا کہ وہ خدا تعالیٰ کی آواز سے فائدہ اُٹھاتے اور انکار کر کے اپنے گناہوں کے بار کو زیادہ نہ کرتے ۔اے زمین اور آسمان ! تو گواہ رہ کہ میں ان الفاظ کے بیان کرنے میں جو میں نے بیان کئے تھے جھوٹا نہ تھا۔ میں نے وہی کہا جو میرے دل اور کانوں پر نازل ہوا اور میں نے افتراء نہیں کیا اور میں خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے کو لعنتیوں کا کام سمجھتا ہوں ۔اور مجھے ایسا کہنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود کہہ چکا ہے کہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا [2] میں نے صرف وہی کہا جو میرے روحانی کانوں نے سُنا اور میرے دل نے محسوس کیا اور اِسی دفعہ نہیں میں نے بہت دفعہ آسمانی آواز کو سنا ہے ۔اور یہ کوئی میرا ذاتی فخر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا محض احسان ہے ورنہ میں تو ایک ناکارہ وجود ہوں، گناہوں سے پُر ،خطاؤں سے بھرا ہوا مگر مَیں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ مجھ سے اِحیائے اسلام کا کام لے اور اسلام کی عظمت کو میرے ذریعہ سے قائم کرے اور یہ کام ہو کر رہے گا جلد یا بدیر۔ مبارک ہے وہ جو اِس کام میں میرا ہاتھ بٹاتا ہے اور افسوس اُس پر جو میرے راستہ میں کھڑا ہوتا ہے کیونکہ وہ میرا نہیں خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھ سے گنہگار کو اپنے جلال کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ کاش! وہ توبہ کرتا اور خدا تعالیٰ کے اشارہ کو سمجھتا ، کاش! وہ اپنے آپ کو اس خطرناک مقام

پر کھڑا نہ کرتا کیونکہ اِس قسم کے اعتراضوں سے وہ جس مصیبت کو اپنے اوپر سے ٹلانا چاہتا ہے وہ اُس کو ٹلاتا نہیں بلکہ ان کی وجہ سے اپنے آپ کو پہلے سے کہیں زیادہ خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے لے آتا ہے۔ میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں اخلاص اور درد کے ساتھ اسے یہی کہتا ہوں کہ

اے آنکہ سُوئے من بدویدی بصد تبر
از باغباں بترس کہ من شاخِ مثمرم[۳]

میں آخر میں پھر شیخ صاحب سے اخلاص اور خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ جس جس رنگ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھانا میرے لئے ممکن تھا میں نے قسمیں کھالی ہیں اور ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں۔ میں نے ان کی باتوں کو سُنا اور صبر کیا اور اِس حد تک صبر کیا کہ دوسرے لوگ اِس حد تک صبر نہیں کر سکتے۔مگر وہ یقین رکھیں اور اگر وہ یقین نہیں کریں گے تو زمانہ اُن کو یقین دلا دے گا اور اگر اس دنیا میں انہیں یقین نہ آیا تو مرنے کے بعد انہیں اس بات کا یقین آجائے گا کہ انہوں نے مجھ پر وہ بدترین ظلم کیا ہے جو زیادہ سے زیادہ انسان دنیا میں کسی پر کرسکتا ہے۔ انہوں نے ان حربوں کو استعمال کیا ہے جن حربوں کے استعمال کی اسلام اور قرآن اجازت نہیں دیتا۔ میں نے آج تک خدا تعالیٰ کے فضل سے کبھی دیدہ دانستہ دوسرے پر ظلم نہیں کیا اور اگر کسی ایسے شخص کا مقدمہ میرے پاس آجائے جس سے مجھے کوئی ذاتی رنجش ہو تو میرا طریق یہ ہے کہ میں ہر وقت یہ دعا کرتا رہتا ہوں کہ الٰہی! یہ میرے امتحان کا وقت ہے تو اپنا فضل میرے شاملِ حال رکھ ایسا نہ ہو کہ میں فیل ہو جاؤں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے دل کی کوئی رنجش اس فیصلہ پر اثر انداز ہو جائے اور میں انصاف کے خلاف فیصلہ کر دوں۔ پس میں ہمیشہ دعا کرتا رہتا ہوں تا خدا تعالیٰ مجھے انصاف کی توفیق دے اور میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ انصاف کی توفیق دی ہے۔ میں نے شدید سے شدید دشمنوں کی بھی کبھی بدخواہی نہیں کی۔ میں نے کسی کے خلاف اُس وقت تک قدم نہیں اُٹھایا جب تک شریعت مجھے اس قدم کے اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی۔ پس وہ تمام الزامات جو وہ مجھ پر مار پیٹ اور قتل وغیرہ کے

سلسلہ میں عائد کرتے ہیں سب غلط اور بے بنیاد ہیں۔ بلکہ بیسیوں دفعہ ایسا ہوا ہے کہ جب بعض لوگوں نے مجھے کہا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے تو میں نے اُن کو ڈانٹا اور کہا کہ یہ شریعت کے خلاف فعل ہے۔ان باتوں کا کبھی دل میں خیال بھی نہیں لانا چاہئے۔ اگر اِس قدر یقین دلانے کے باوجود بھی وہ اپنی باتوں پر قائم رہتے ہیں تو میرے پاس ان کے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں اور میں خدا تعالیٰ سے ہی اپیل کرتا ہوں کہ اے خدا! اگر تو نے مجھے عہدۂ خلافت پر قائم کیا ہے اور تُو نے ہی میرے ہاتھوں اور میری زبان کو بند کیا ہوا ہے تو پھر تو آپ ان مظالم کا جواب دینے کیلئے آسمان سے اُتر۔ نہ میرے لئے بلکہ اپنی ذات کیلئے، نہ میرے لئے بلکہ اپنے سلسلہ کیلئے۔

مذکورہ بالا خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی آزاد کمیشن بیٹھے تو اس کے سامنے میرے خلاف لڑکوں اور لڑکیوں اور عورتوں کی گواہیاں وہ دِلوادیں گے بلکہ خود میری بھی گواہی دِلوادیں گے۔ جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں، میری اپنی گواہی سے لکھنے والے کی مراد شاید یہ ہو کہ وہ کوئی میری تحریر پیش کرنا چاہتے ہیں **وَاللّٰـهُ اَعْلَـمُ** اور کوئی معنی اس فقرہ کے میرے ذہن میں نہیں آئے۔ مگر ایسا ہو تو بھی خلفائے سابق سے میری ایک اور مماثلت ثابت ہوگی۔ پہلے خلفاء کے مقابلہ میں بھی لڑکیاں پیش کی گئیں۔ پہلے خلفاء کے مقابلہ میں بھی تحریریں پیش کی گئیں۔ چاہے ان لڑکیوں کی گواہیاں ہوئیں یا نہ ہوئیں اور چاہے وہ تحریریں کیسی ہی جعلی تھیں مگر بہرحال اِس قسم کے دلائل پہلے بھی پیش ہوتے چلے آئے ہیں۔ پس ان باتوں سے میں نہیں گھبراتا۔ میں نے بندوں پر کبھی توکّل نہیں کیا، میرا توکّل محض خدا کی ذات پر ہے۔ اگر میں جماعت سے بھی محبت کرتا ہوں تو صرف اِس لئے کہ یہ خدا نے مجھے دی ہے اور اگر جماعت کے تمام لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں تو میں سمجھ لوں گا کہ یہ خدا نے مجھے نہیں دیئے تھے۔ پس مجھے لوگوں کے ارتداد سے گھبراہٹ نہیں۔ مجھے یقین ہے خدا کے وعدوں پر، مجھے یقین ہے خدا کی نصرتوں پر اور مجھے یقین ہے کہ ہر وہ شخص جو سچے دل سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا ہے وہ نہیں مرے گا جب تک میری بیعت میں داخل نہ

ہو لے۔اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ جو شخص مجھے چھوڑتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑتا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے وہ خدا کو چھوڑتا ہے۔ میں اِس یقین پر قائم ہوں قرآن مجید کے ماتحت، میں اِس یقین پر قائم ہوں حدیث کے ماتحت، میں اس یقین پر قائم ہوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے ماتحت، میں اس یقین پر قائم ہوں ان رؤیا وکشوف اور الہامات کے ماتحت جو مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوئے اور میں اس یقین پر قائم ہوں خدا تعالیٰ کی اُن کھلی کھلی تائیدات کے ماتحت جو ہر وقت میرے شامل حال ہیں۔اگر کسی کو خدا تعالیٰ کا یہ عمل نظر نہیں آتا تو وہ اندھا ہے۔ ورنہ جو شخص ایک معمولی بصیرت بھی رکھتا ہو وہ دیکھ سکتا ہے کہ خدا نے ہمیشہ میری امداد فرمائی ہے اور غیب سے میری تائید کے سامان پیدا کئے ہیں اور ہمیشہ اپنے فضل سے وہ میری پشت پناہ بنا رہا ہے۔اس نے ہر لحہ میری تائید کی، اُس نے ہر گھڑی میری نصرت کی، اُس نے ہر حملہ سے مجھے بچایا، اُس نے ہر میدان میں مجھے کامیاب کیا۔ میں کمزور ہوں اِس کو میں مانتا ہوں، میں کم علم ہوں اِس سے میں ناواقف نہیں، میں نالائق ہوں اِس سے مجھے انکار نہیں مگر خدا تعالیٰ نے مجھ سے پوچھ کر مجھے خلیفہ نہیں بنایا۔اگر وہ پوچھتا تو میں اُس سے ضرور کہتا کہ مجھ میں کوئی خوبی اور لیاقت نہیں۔مگر کون ہے جو خدا تعالیٰ سے پوچھے کہ تُو نے یہ کام کیوں کیا اور کون ہے جو اس کے فیصلہ پر اعتراض کرے۔ جب اُس نے مجھے اِس مقام پر کھڑا کر دیا تو اب میں کھڑا ہوں۔ اِس لئے نہیں کہ اپنی عزت قائم کروں بلکہ اِس لئے کہ خدا کی عزت دنیا میں قائم کروں۔ پس اُسی کے نام کو قائم کرنے، اُسی کی عزت کو بلند کرنے اور اُسی کے جلال کو ظاہر کرنے کیلئے میں کھڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آخر دم تک کھڑا رہوں گا اور اس کا عمل بتا رہا ہے کہ وہ میرے ساتھ ہے۔

پس جو شخص مجھے چھوڑتا ہے وہ خدا کو چھوڑتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی تائیدات کو بھی نہیں دیکھ سکتا وہ روحانی اندھا ہے۔اگر وہ راہِ راست پر نہیں آسکتا تو اس میں میرا کوئی

قصور نہیں۔ میری تو ہر آن اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ اے خدا! مجھ پر بھی رحم کر اور ان پر بھی جن کو تو نے میرے ساتھ تعلق پیدا کرنے کیلئے چنا اور اُن پر بھی جو اَب تک اس سے محروم ہیں۔ جس طرح تیرے فضل نے مجھ جیسے کمزور کو ڈھانپ لیا، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ اِسی طرح وہ فضل ساری دنیا کو ڈھانپ لے۔ وَمَا ذٰلِکَ بِبَعِیْدٍ عَنْ رَحْمَتِکَ یَارَبِّ۔''

(خطباتِ محمود جلد ۱۸ صفحہ ۵۲۸ تا ۵۳۷)

۱؎ البقرۃ: ۲۷ ۲؎ الانعام: ۲۲

۳؎ درثمین فارسی صفحہ ۱۰۶۔ شائع کردہ نظارت اشاعت ربوہ

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات سے متعلق

خطبہ جمعہ ۲۱؍جنوری ۱۹۳۸ء میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا:۔

''کیا عجیب نظارہ ہمیں نظر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی مسجد میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد معاویہ ہزاروں مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوتے ہیں۔ وہی معاویہ جو فتح مکہ تک برابر رسول کریم کیخلاف لڑتے رہے تھے، اور کھڑے ہوکر مسلمانوں سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم جانتے ہو ہمارا خاندان عرب کے رؤسا میں سے ہے اور ہم لوگ اشرافِ قریش میں سے ہیں۔ پس آج مجھ سے زیادہ حکومت کا کون مستحق ہوسکتا ہے اور میرے بعد میرے بیٹے سے کون زیادہ مستحق ہوسکتا ہے۔ اُس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ عبداللہ بن عمرؓ جن کو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی موجودگی میں صحابہؓ نے خلافت کا حق دار قرار دیا تھا اور حضرت عمرؓ سے خواہش کی تھی کہ آپ اپنے بعد ان کو خلافت پر مقرر فرمائیں کیونکہ مسلمان زیادہ سہولت سے اُن کے ہاتھ پر جمع ہوجائیں گے اور کسی قسم کے فتنے پیدا نہیں ہوسکیں گے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جواب دیا میں اسکی نیکی کو جانتا ہوں اور اس کے مقام کو پہچانتا ہوں لیکن یہ رسم میں نہیں ڈالنا چاہتا کہ ایک خلیفہ اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ مقرر کردے اور خصوصاً جبکہ اکابر صحابہؓ زندہ موجود ہیں اس لئے میں اسے مشورہ میں تو شامل رکھوں گا لیکن خلافت کا امیدوار قرار نہیں دوں گا۔''

(الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۳۸ء)

جو شخص ایک خلیفہ پر حملہ کرتا ہے وہ دراصل سارے خلفاء پر حملہ کرتا ہے

خطبہ جمعہ ۱۸؍فروری ۱۹۳۸ء میں حضور نے فرمایا:۔

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مجھ پر حملہ کرے گا اس کے حملہ کی زد تمام انبیاء پر پڑے گی۔ اِسی طرح جو شخص ایک خلیفہ پر حملہ کرتا ہے وہ دراصل سارے خلفاء پر حملہ کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا ہے قریب کے عرصہ میں مصری صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب فلاں فلاں غلطیاں کیں اور مسلمانوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں تو گو انہوں نے الگ ہونے سے انکار کر دیا مگر مسلمانوں نے تو بہرحال ایک رنگ میں انہیں معزول کر ہی دیا۔ گویا حضرت عثمانؓ اِسی بات کے مستحق تھے کہ خلافت سے معزول کئے جاتے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے متعلق بارہا یہ فرمایا ہے کہ انہوں نے جنت خرید لی اور وہ جنتی ہیں [1] اور ایک دفعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے دوبارہ بیعت لی اور حضرت عثمانؓ اُس وقت موجود نہ تھے تو آپ نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ میں اُس کی طرف سے اپنے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوں۔ اس طرح آپ نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ پھر ایک دفعہ آپ سے فرمایا۔ اے عثمان! خدا تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائے گا منافق چاہیں گے کہ وہ تیری اس قمیص کو اُتار دیں مگر تو اُس قمیص کو اُتاریو نہیں[2]۔ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت عثمانؓ سے یہ فرماتے ہیں کہ اس قمیص کو نہ اُتارنا

اور جوتم سے اس قمیص کے اتارنے کا مطالبہ کرینگے وہ منافق ہوں گے مگر مصری صاحب محض میری مخالفت میں آج یہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے عزل کا مطالبہ کرنے والے حق پر تھے۔ اور غلطی پر حضرت عثمان ہی تھے۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی پٹھان کنز پڑھ رہا تھا۔ اس میں اس نے یہ لکھا دیکھا کہ حرکت سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک دن جب وہ حدیث کا سبق لے رہا تھا تو اتفاقاً یہ حدیث آ گئی۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ نے اپنے ایک نواسہ کو اُٹھا لیا تو وہ حدیث پڑھتے ہی کہنے لگا خو محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تو یہ فرماتے ہیں کہ خدا تجھے خلافت کی قمیص پہنائے گا اور تو اُس کا قائم کردہ خلیفہ ہوگا اور جو لوگ تجھ سے عزل کا مطالبہ کرینگے وہ منافق ہونگے۔ مگر مصری صاحب کہتے ہیں کہ نہیں وہ خدا کے قائم کردہ خلیفہ نہیں تھے اور جنہوں نے آپ سے عزل کا مطالبہ کیا وہی حق پر تھے۔ گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹ ہوئی۔ لیکن منافق جو کچھ کہہ رہے تھے وہ سچ تھا۔'' (الفضل ۲۶؍فروری ۱۹۳۸ء)

---

۱ بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عثمان بن عفان (الخ)

۲ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۸۶، ۸۷۔ مطبوعہ بیروت ۱۳۱۳ھ

لیڈر بنانا خدا کا کام ہے

یکم اپریل ۱۹۳۸ء کو حضور نے خدام الاحمدیہ کی مجالس کے قیام کا ذکر فرمایا اور خدام الاحمدیہ کے معنی ''احمدیت کا خادم'' بیان فرمائے۔ نیز فرمایا کہ بعض لوگوں کے دلوں میں خیال پایا جاتا ہے کہ کاش! ہم کسی طرح لیڈر بن جائیں یہ بیہودہ خیال ہے پھر فرمایا۔

''لیڈر بنانا خدا کا کام ہے اور جس کو خدا لیڈر بنانا چاہتا ہے اسے پکڑ کر بنا دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

''میں پوشیدگی کے حجرہ میں تھا اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اس نے گوشہ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ میں نے چاہا کہ میں پوشیدہ رہوں۔ اور پوشیدہ مروں۔ مگر اس نے کہا کہ میں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا۔''[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی مثال۔ انکسار

''پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کو ہم نے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں آپ ہمیشہ پیچھے ہٹ کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آپ پر نظر پڑتی تو آپ فرماتے مولوی صاحب آگے آئیں اور آپ ذرا کھسک کر آگے ہو جاتے۔ پھر دیکھتے تو فرماتے مولوی صاحب اور آگے آئیں اور پھر آپ ذرا اور آگے آ جاتے۔ خود میرا بھی یہی حال تھا۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کا وقت قریب آیا۔ اُس وقت میں نے یہ دیکھ کر کہ خلافت کے لئے بعض لوگ میرا نام لیتے ہیں اور بعض اس کے خلاف ہیں، یہ ارادہ کر لیا تھا کہ قادیان چھوڑ کر چلا جاؤں تا جو فیصلہ ہونا ہو میرے بعد ہو۔ مگر حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ میں نہ

جا سکا۔ پھر جب حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی وفات ہوگئی تو اُس وقت میں نے اپنے دوستوں کو اِس بات پر تیار کرلیا کہ اگر اِس بات پر اختلاف ہو کہ خلیفہ کس جماعت میں سے ہوتو ہم ان لوگوں میں سے (جواَب غیر مبائع ہیں) کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلیں۔ اور پھر میرے اصرار پر میرے تمام رشتہ داروں نے فیصلہ کیا کہ اگر وہ اس امر کو تسلیم کرلیں تو اوّل تو عام رائے لی جائے۔ اور اگر اس سے وہ اختلاف کریں تو کسی ایسے آدمی پر اتفاق کرلیا جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو۔ اور اگر وہ یہ بھی قبول نہ کریں تو ان لوگوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلی جائے اور میں یہ فیصلہ کر کے خوش تھا کہ اب اختلاف سے جماعت محفوظ رہے گی۔ چنانچہ گزشتہ سال حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی نے بھی حلفیہ بیان شائع کرایا تھا کہ میں نے حافظ صاحب کو اُنہی دنوں کہا تھا کہ ''اگر مولوی محمد علی صاحب کو اللہ تعالیٰ خلیفہ بنا دے تو میں اپنے تمام متعلقین کے ساتھ ان کی بیعت کرلوں گا'' [۲] لیکن اللہ تعالیٰ نے دھکا دے کر مجھے آگے کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ جس کو بڑا بنانا چاہے وہ دنیا کے کسی کونہ میں پوشیدہ ہو خدا تعالیٰ اُس کو نکال کر آگے لے آتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوسکتی''۔ (الفضل ۱۰؍ مارچ ۱۹۳۸ء)

۱؎ الفضل ۱۰؍ اپریل ۱۹۳۸ء

۲؎ الفضل ۲؍ اگست ۱۹۳۷ء

خلیفہ کا مقام

۱۔ مجلس شوریٰ میں تنقید کے اصول
۲۔ جماعت احمدیہ اور حُکّام کے تعلقات

(فرمودہ ۲۲ /اپریل ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میرے سامنے ایک سوال اُٹھایا گیا ہے جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ مجھے جماعت کے سامنے اپنے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہے تا جس جس حصہ میں کوئی نقص ہے اس کی اصلاح ہو سکے۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ مجلس شوریٰ کے موقع پر ناظروں کے کام پر جس رنگ میں تنقید کی جاتی ہے اس کے نتیجہ میں ناظروں کے کام میں رُکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور ان کا مقام جماعت کی نگاہ میں گر جاتا ہے اور یہ کہ اِس تنقید کا موجب وہ تنقید ہوتی ہے جو کبھی میری طرف سے ناظروں کے کام پر کی جاتی ہے۔ میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ اگر وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں سلسلہ کے کام کی باگ ڈور ہو، اُن کی حیثیت اور مقام لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے اور لوگوں میں ان کی سبکی کر دی جائے تو کام میں دقتیں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔ اگر یہ امر واقعہ ہو کہ موجودہ حالات میں ناظروں کا مقام اور ان کی حیثیت اور ان کے عہدے کا اعزاز اور اکرام کم ہو گیا ہو اور لوگوں کی نظروں میں اُن کی عزت نہ رہی ہو تو اِس میں شک نہیں کہ ان کو کام میں دِقتیں پیدا ہو سکتی ہیں اور ہونے کا خطرہ ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں اس سوال کے کئی حصے ہیں اور وہ الگ الگ توجہ کے محتاج ہیں۔ پس میں انہیں علیحدہ علیحدہ لیتا ہوں۔

پہلا حصہ یہ ہے کہ خلیفۂ وقت کی تنقید خواہ وہ تربیت کیلئے ہو یا تادیب کیلئے یا ہدایت کیلئے وہ شوریٰ کے دوسرے ممبروں کے دلوں میں تنقید کا ایسا مادہ پیدا کر دیتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں تنقید حد سے زیادہ گزر جاتی ہے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں سے ملتے جلتے رہتے ہیں اور قسم قسم کے لوگوں سے باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے متعلق دونوں قسم کی شکایتیں سنی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ ناظروں کی پیٹھ ٹھونکتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں جس کی وجہ سے جماعت کا نظام درست نہیں ہوسکتا۔ ذرا کسی نے کسی ناظر پر اعتراض کیا تو انہوں نے فوراً اسے گرفت شروع کر دی۔ اور یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کی طرف سے ناظروں کا صحیح طور پر اعزاز قائم نہیں کیا جاتا اور ایسی تنقید ان کے کام پر کی جاتی ہے جس سے وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ ان دونوں سوالوں کی موجودگی میں یہ ماننا پڑے گا کہ صداقت بہرحال تین میں سے ایک صورت میں ہے۔ یا تو پہلا اعتراض غلط ہوگا کہ یہ ناظروں کے مقابلہ میں جماعت کو زیادہ ڈانٹتے ہیں اور یا پھر یہ غلط ہوگا کہ جماعت کے مقابلہ میں ناظروں پر تنقید میں سختی کرتے ہیں۔ یا پھر یہ کہ دونوں ہی اعتراض غلط ہوں گے۔ یہ تین صورتیں ہی ممکن ہوسکتی ہیں ان کے سوا کوئی نہیں۔ لیکن ان تینوں صورتوں پر غور کرنے سے قبل یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ خلیفہ کا مقام کیا ہے۔ مجلس شوریٰ ہو یا صدر انجمن احمدیہ، خلیفہ کا مقام بہرحال دونوں کی سرداری کا ہے۔ انتظامی لحاظ سے وہ صدر انجمن کیلئے بھی رہنما ہے اور آئین سازی و بجٹ کی تعیین کے لحاظ سے وہ مجلس شوریٰ کے نمائندوں کیلئے بھی صدر اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے۔ جماعت کی فوج کے اگر دو حصے تسلیم کر لئے جائیں تو وہ اِس کا بھی سردار ہے اور اُس کا بھی کمانڈر ہے اور دونوں کے نقائص کا وہ ذمہ وار ہے اور دونوں کی اصلاح اس کے ذمہ واجب ہے۔ اس لحاظ سے اس کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ جب کبھی وہ اپنے خیال میں کسی حصہ میں کوئی نقص دیکھے تو اُس کی اصلاح کرے۔ اپنے خیال میں مَیں نے اِس لئے کہا ہے کہ انسان ہمیشہ غلطی کرسکتا ہے اور خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے۔ میں نے کبھی اِس عقیدہ کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ خلیفہ غلطی نہیں کرسکتا۔ اور بشری انتظام میں جب نبی

بھی غلطی کرسکتا ہے تو خلیفہ کی کیا حیثیت ہے۔ پس یقیناً خلیفہ بھی غلطی کرسکتا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ امکان کیا ہے بلکہ یہ ہے کہ موقع کا تقاضا کیا ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق فیصلہ کرنے میں غلطی کر جائے۔ لیکن کیا اس غلطی کے امکان کی وجہ سے اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق انتظام کا اسے جو حق ہے وہ مارا جاتا ہے۔ ساری دنیا بالاتفاق اس بات کو مانتی ہے کہ باپ خواہ فیصلہ غلط کرے یا درست، اپنے لڑکے کی تعلیم وتربیت کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق بہر حال اسی کو ہے۔ یہی صورت خلیفہ کے بارہ میں ہے۔ اس کی نسبت غلطی کا امکان منسوب کر کے اس کی ذمہ واری کو اُڑایا نہیں جا سکتا۔ لیکن یہ ادنیٰ تمثیل ہے۔ باپ اور خلیفہ کے مقام میں کئی فرق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہماری شریعت کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ جسے خلیفہ بناتا ہے اُس سے ایسی اہم غلطی نہیں ہونے دیتا جو جماعت کیلئے نقصان کا موجب ہو۔ گویا عصمت کبریٰ تو بطور حق کے انبیاء کو حاصل ہوتی ہے لیکن عصمت صغریٰ خلفاء کو بھی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں وعدہ فرماتا ہے کہ جو کام خلفاء کریں گے اُس کے نتیجہ میں اسلام کا غلبہ لازمی ہوگا۔ ان کے فیصلوں میں جزئی اور معمولی غلطیاں ہوسکتی ہیں، ادنیٰ کوتاہیاں ہوسکتی ہیں مگر انجام کار نتیجہ یہی ہوگا کہ اسلام کو غلبہ اور اس کے مخالفوں کو شکست ہوگی۔ یہ خلافت کیلئے ایک معیار قائم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ [1] دین کے معنی مذہب کے بھی ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے بھی دیکھ لو خلفائے اربعہ کا ہی مذہب دنیا میں قائم ہوا ہے۔ بے شک بعض علیحدہ فرقے بھی ہیں مگر وہ بہت اقلیت میں ہیں۔ اکثریت اُسی دین پر قائم ہے جسے خلفاء اربعہ نے پھیلایا۔ مگر دین کے معنی سیاست وحکومت کے بھی ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جس سیاست اور پالیسی کو وہ چلائیں گے اللہ تعالیٰ اسے ہی دنیا میں قائم کرے گا اور بوجہ اس کے کہ ان کو عصمت صغریٰ حاصل ہے، خدا تعالیٰ کی پالیسی بھی وہی ہوگی۔ بے شک بولنے والے وہ ہوں گے، زبانیں انہی کی حرکت کریں گی، ہاتھ انہی کے چلیں گے اور پیچھے دماغ انہی کا کام کرے گا۔ مگر دراصل ان سب کے پیچھے خدا تعالیٰ ہوگا۔ کبھی ان سے جزئیات میں غلطیاں ہوں گی، کبھی ان کے مشیر

غلط مشورہ دیں گے۔ بعض دفعہ وہ اور ان کے مشیر دونوں غلطی کریں گے لیکن ان درمیانی روکوں سے گزر کر کامیابی انہیں ہی حاصل ہوگی۔ جب تمام کڑیاں مل کر زنجیر بنیں گی وہ صحیح ہوگی اور ایسی مضبوط کہ کوئی اُسے توڑ نہ سکے گا۔

پس اس لحاظ سے خلیفۂ وقت کا یہ فرض ہے کہ جس حصہ میں بھی اسے غلطی نظر آئے اس کی اصلاح کرے۔ جہاں اس کا یہ فرض ہے کہ منتظمین اور کارکنوں کی پوزیشن قائم رکھے وہاں یہ بھی ہے کہ جماعت کی عظمت اور اس کے مشورہ کے احترام کو بھی قائم رکھے۔ اگر جماعت کسی وقت کارکنوں کے حقوق پر حملہ کرے تو اس کا کام ہے کہ اسے پیچھے ہٹائے۔ اگر کبھی کارکن جماعت کے حقوق کو دبانا چاہیں تو خلیفہ کا فرض ہے کہ انہیں روک دے۔ مجلس شوریٰ کی گزشتہ رپورٹوں سے جو چھپی ہوئی ہیں یہ بات پوری طرح ظاہر ہوتی ہے کہ میں نے متوازی طور پر ان دونوں باتوں کا خیال رکھا ہے۔ اگر ناظروں پر جماعت نے ناواجب اعتراض کئے ہیں تو میں نے سختی کے ساتھ اور بے پرواہ ہوکر ان کے اس فعل کے قباحت کی وضاحت کی ہے۔ اور اگر کبھی ناظروں نے جماعت کو اس کے حق سے محروم کرنا چاہا ہے تو ان کو بھی ڈانٹا ہے۔ یہ متوازی سلسلہ جو خدا تعالیٰ نے جاری رکھا ہے، میں نے ہمیشہ اس کا خیال رکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اگر ایک طرف ناظروں کا احترام اور اعزاز جماعت کے دلوں میں پیدا کیا جائے تو دوسری طرف جماعت کی عظمت کو بھی قائم رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر ایک حصہ کو چھوڑ دیا جائے تو دوسرے کی عظمت بھی قائم نہ رہ سکے گی۔ اور اگر دونوں کو چھوڑ دیا جائے تو باوجود نیک نیتی اور نیک ارادہ کے ایک حصہ دوسرے کو کھا جائے گا۔ اگر کارکنوں کے اعزاز اور احترام کا خیال نہ رکھا جائے تو نظام کا چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اور اگر جماعت کے حقوق کی حفاظت نہ کی جائے اور اس کی عظمت کو تباہ ہونے دیا جائے تو ایک ایسا آئین بن جائے گا جس میں خود رائی[۲] اور خودستائی غالب ہوگی۔ اس لئے میں ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھتا ہوں کہ جس کی غلطی ہو اُسے صفائی کے ساتھ کہہ دیا جائے۔ چنانچہ مجلس شوریٰ کی گزشتہ رپورٹوں سے یہ بات پوری طرح ظاہر ہوتی ہے کہ میں نے ناظروں کے اعزاز کو قائم کرنے کا پوری طرح خیال رکھا ہے۔ چنانچہ گزشتہ رپورٹوں سے ظاہر ہوگا کہ جب مجھے

معلوم ہوا کہ ناظر بعض جگہ گئے اور جماعت نے لا پروائی کا ثبوت دیا تو میں نے شوریٰ میں اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور بتایا کہ یہ طریق صحیح نہیں۔ جب بھی کوئی ناظر بحیثیت ناظر کسی جگہ جائے تو جماعت کا فرض ہے کہ اس کا استقبال کرے اور اس کا مناسب اعزاز کرے۔ چنانچہ اس کے بعد جماعت میں اس کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے ناظروں کا مناسب اعزاز کیا۔ ابھی تو ہماری جماعت میں کوئی بڑے آدمی ہیں ہی نہیں لیکن بڑے سے بڑا آدمی بھی نظامِ سلسلہ کے لحاظ سے ناظروں کے ماتحت ہے اور جب بادشاہ ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے تو وہ بھی نظامِ سلسلہ کے لحاظ سے ناظروں کے ماتحت ہوں گے خواہ کوئی ان ناظروں میں سے کسی بادشاہ کی رعایا کا فرد ہی کیوں نہ ہو اور نظامِ سلسلہ کے لحاظ سے وہ اس کے ماتحت ہوگا اور اُس کو اُس کا ادب واحترام اسی طرح کرنا ہوگا جیسے ایک ماتحت، افسر کا کرتا ہے۔ اس حقیقت کی موجودگی میں عقلاً یہ ممکن ہی کس طرح ہوسکتا ہے کہ قانون پر چلتے ہوئے کوئی شخص ناظروں کی سبکی یا ہتک کا خیال بھی کر سکے۔

مگر اس کے مقابلہ میں جماعت کے بھی حقوق ہیں۔ مثلاً جب ناظروں سے کوئی ملے تو خواہ وہ چھوٹے سے چھوٹا کیوں نہ ہو ناظر کا فرض ہے کہ اس کا ادب اور احترام کرے اور اگر میرے پاس یہ شکایت پہنچے کہ کوئی ناظر کسی چھوٹے آدمی کا مناسب ادب نہیں کرتا تو اُس وقت میں افرادِ جماعت کے ساتھ ہوں گا۔ یوں میرے پاس بعض شکایات آتی ہیں میں ان کی تحقیقات نہیں کراتا کیونکہ میں نصیحت کو تحقیقات سے بہتر سمجھتا ہوں۔ پس نصیحت کر دیتا ہوں۔ لیکن بہرحال ناظروں کا فرض ہے کہ جو لوگ ان سے ملنے آئیں اُن سے عزت واحترام سے پیش آئیں۔ میں خود بھی کوئی کونے میں بیٹھنے والا شخص نہیں ہوں۔ ہر روز دس پانچ بلکہ بیس تیس اشخاص مجھ سے ملنے آتے ہیں جن میں غریب سے غریب بلکہ سائل بھی ہوتے ہیں بلکہ اکثر سائل ہوتے ہیں۔ لیکن میں جیسا اعزاز بڑے سے بڑے آدمی کا کرتا ہوں ویسا ہی چھوٹے سے چھوٹے کا بھی کرتا ہوں۔ مثلاً حکومت کے عہدہ کے لحاظ سے ہماری ہندوستان کی جماعت میں چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب سب سے بڑے عہدہ دار ہیں لیکن ان کے آنے پر بھی میں ان کا استقبال اُسی طرح کرتا ہوں جس طرح ایک غریب کے آنے پر۔ اور

میں اس بارہ میں چوہدری صاحب اور ایک غریب کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا۔ اسی طرح چوہدری صاحب کو کھڑا ہو کر ملتا ہوں جس طرح ایک غریب آدمی کو۔ اور پہلے اُسے بٹھا کر پھر خود بیٹھتا ہوں۔ بعض غریب اپنے اندازہ سے زمین پر بیٹھنا چاہتے ہیں مگر میں نہیں بیٹھنے دیتا اور ان سے کہہ دیتا ہوں کہ جب تک آپ نہ بیٹھیں گے میں بھی کھڑا رہوں گا۔ بعض دفاتر کے چپڑاسی آتے ہیں اور وہ زمین پر بیٹھنا چاہتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ نہیں آپ چپڑاسی کی حیثیت سے نہیں بلکہ مجھے خلیفہ سمجھ کر ملنے آئے ہیں۔ غرضیکہ جب تک آنے والے کو نہ بٹھا لوں میں خود نہیں بیٹھتا۔ مجھے ملنے والوں کی تعداد ہزاروں تک ہے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کبھی تخلف ہوا ہو۔ سوائے اِس کے کہ میں بیمار ہوں یا کسی کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے کبھی غلطی ہو جائے۔ ہاں جلسہ سالانہ کے ایام مستثنیٰ ہیں۔ اُن دنوں میں ملنے والے اس کثرت سے آتے ہیں کہ ہر ایک کیلئے اُٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ ہاں اُن دنوں میں بھی جب کوئی غیر احمدی آئے تو چونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ میری مشکلات کو نہیں سمجھ سکتا اِس کیلئے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ یا پھر ان ایام میں جب ملاقات کا زور نہ ہو تو کھڑا ہوتا ہوں۔ یہ میرا اصول ہے اور میں سمجھتا ہوں ناظروں کو بھی ایسا کرنا چاہئے اور اگر اس کے خلاف کبھی شکایت آئے تو میں چاہتا ہوں کہ جس کے خلاف شکایت ہو، اُسے تنبیہہ کی جائے۔ جب تک یہ بات قائم نہ ہو اسلام کی روح قائم نہیں ہوسکتی۔

ذرا غور کرو کہ خلیفہ چھوڑ نبی کا بھی کیا حق ہے کہ وہ بندوں پر حکومت کرے۔ اگر ہم مذہب اور اسلام کی روح کو سمجھتے ہیں تو اِس خدمت کی روح کو بھی سمجھنا چاہئے جس کیلئے ہم کھڑے کئے گئے ہیں۔ کیا ہمارے لئے یہ بات کم ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو ایک رُتبہ دے دیا ہے۔ وہ ہمیں ایک چھوٹا سا دنیوی کام کرنے کو دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اپنا مقرب بنا لیتا ہے۔ گویا اُجرت اس نے ادا کر دی پھر ہمارا کیا حق ہے کہ دونوں جگہ سے اُجرت وصول کریں۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا مزدور بھی ہوتا ہے جو دو جگہ سے اپنی اُجرت وصول کرے۔ پس جب خدا تعالیٰ ہمیں اس خدمت کی اُجرت ادا کرتا ہے تو بندوں سے کیوں لیں۔ قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو کہہ دے کہ میں تم

سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا[3]۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اُجرت مانگتا ہی نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے نہیں مانگتا جس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے اُجرت خدا تعالیٰ سے مل رہی ہے۔ پس میرا فرض ہے کہ میں اس بات کا خیال رکھوں کہ یہ اصل ہماری جماعت میں قائم ہو۔ اور اگر اس میں غلطی ہو اور میرے پاس شکایت آئے تو میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ غریب سے غریب آدمی کا حق بھی مارا نہ جائے اور اس بات کا خیال نہیں رکھوں گا کہ اس کا حق دلانے میں ناظر کی ہتک ہوتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا حق ہے جو بہر حال لیا جائے گا خواہ اس میں کسی بڑے آدمی کی ہتک ہو یا چھوٹے کی۔ لیکن اس کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کارکنوں کو جماعت میں ایک اعزاز حاصل ہے اور اگر کوئی فرد اسے نہیں سمجھتا یا ان کی طرف سے جو آواز اُٹھتی ہے اس پر کان نہیں دھرتا اور اپنی دُنیوی وجاہت کے باعث ناظر کو اپنے درجہ سے چھوٹا سمجھتا ہے تو یقیناً وہ جماعت کا مخلص فرد نہیں۔ اُس کے اندر منافقت کی رگ ہے جو اگر آج نہیں تو کل ضرور پھوٹے گی۔

پھر ناظروں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ مجلس شوریٰ اپنے مقام کے لحاظ سے صدر انجمن پر غالب ہے۔ اس میں براہ راست اکثر جماعتوں کے نمائندے شریک ہوکر مشورہ دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی بیرونی ممالک کی جماعتوں کے نمائندے شریک نہیں ہوسکتے۔ لیکن جب ان میں بھی امراء داخل ہو جائیں گے یا جماعتیں زیادہ ہو جائیں گی اور وہ اپنے نمائندوں کے سفرخرچ برداشت کرسکیں گی اور سفر کی سہولتیں میسر ہوں گی۔ مثلاً ہوائی جہازوں کی آمد و رفت شروع ہو جائے گی تو اُس وقت ان ممالک کے نمائندے بھی اِس میں حصہ لے سکیں گے۔ پس مجلس شوریٰ جماعت کی عام رائے کو ظاہر کرنے والی مجلس ہے اور خلیفہ اُس کا بھی صدر اور رہنما ہے۔ انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا حکم دیا ہے۔ اور خلافت کے متعلق تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا خِلَافَةَ اِلَّا بِالْمَشْوَرَةِ[4] خلیفہ کو یہ حق تو ہے کہ مشورہ لے کر ردّ کر دے لیکن یہ نہیں کہ لے ہی نہیں۔ مشورہ لینا بہر حال ضروری ہے اور جب وہ مشورہ لیتا ہے تو قدرتی بات ہے کہ وہ اسے ردّ اسی صورت میں کرے گا کہ جب سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میری ذمہ داری کا یہی تقاضا ہے۔ اگر وہ شریف آدمی ہے اور جب اسے خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ سمجھا جائے تو اس کی شرافت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

تو وہ سوائے خاص حالات کے مشورہ کو ضرور مان لے گا۔ ہاں خاص صورتوں میں بوجہ اس کے کہ درحقیقت وہ خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہے اگر وہ سمجھے کہ اس بات کو ماننے سے دین کو یا اس کی شان و شوکت کو کوئی خاص نقصان پہنچتا ہے تو وہ اس مشورہ کو ردّ بھی کر دے گا مگر اس اختیار کے باوجود اسلامی نظام مشورہ اور رائے عامہ کو بہت بڑی تقویت دیتا ہے اور وہ اس طرح کہ اتنے لوگوں کی رائے کو جو پبلک میں ظاہر ہو چکی ہو کبھی کوئی شخص خواہ وہ کتنی بڑی حیثیت کا ہو معمولی طور پر ردّ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ وہ کثرتِ رائے کو اُسی وقت ردّ کرسکتا ہے جب وہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اُس کی ذمہ داری کا یہی تقاضا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے کہ اکیلے شخص کو یہ جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ کثرتِ رائے کو ردّ کر دے۔ کثرتِ رائے کو ردّ یا تو پاگل کرسکتا ہے اور یا پھر وہ شخص جو سمجھتا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی طاقت ہے جو اس کی بات کو منوا لے گی۔ پس خلفاء اُسی وقت ایسی رائے کو ردّ کریں گے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی مدد کا یقین رکھیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم صرف خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا کر رہے ہیں۔ اور جب وہ خدائی طاقت سے جماعت کے مشورہ کو ردّ کریں گے تو ان کی کامیابی یقینی ہوگی۔

غرض اسلام نے شوریٰ کے نظام سے خودسری اور خودرائی کیلئے ایک بڑی روک پیدا کر دی ہے۔ پھر تربیت کے لحاظ سے بھی مشورہ ضروری ہے۔ کیونکہ اگر مشورہ نہیں لیا جائے گا تو جماعت کے اہم امور کی طرف افراد جماعت کو توجہ نہیں ہوگی۔ اس لئے بعد میں آنے والا خلیفہ بوجہ ناتجربہ کاری اور حالاتِ سلسلہ سے ناواقفیت کے بالکل بدھو ہوگا۔ یہ کسی کو کیا علم ہے کہ کون پہلے مرے گا اور کون بعد میں اور کس کے بعد کس نے خلیفہ ہونا ہے۔ اس لئے یہ حکم شریعت نے دے دیا ہے کہ مشورہ ضرور لو تا جماعت کی تربیت ہوتی رہے اور جو بھی خلیفہ ہو وہ سیکھا سکھایا ہوا اور نئے سرے سے اُس کو نہ سیکھنا پڑے۔ اِس میں اور بھی بیسیوں حکمتیں ہیں مگر میں اِس وقت انہیں نہیں بیان کر رہا۔ مختصر یہ ہے کہ شوریٰ خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص حکمت کے ماتحت ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ [۵] گویا مشورہ والی انجمن کو قرآنی تائید حاصل ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں کر کے اسے اہم قرار دے دیا ہے۔ گو قرآن کریم میں کارکنوں کا بھی ذکر ہے مگر شوریٰ کو ایک فضیلت دی گئی ہے اور

جب جماعت کے مختلف افراد مل کر ایک مشورہ دیں اور خلیفہ اسے قبول کر لے تو وہ جماعت میں سب سے بڑی آواز ہے۔ اور ہر خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ دیکھے جس مشورہ کو اس نے قبول کیا ہے اس پر کارکن عمل کرتے ہیں یا نہیں اور کہ اس کی خلاف ورزی نہ ہو۔ یہ دو مختلف پہلو ہیں جنہیں نظر انداز کرنے کی وجہ سے دونوں فریق اعتراض کرتے ہیں۔ جب میں جماعت کے دوستوں کو ان کی غلطی کی وجہ سے سمجھاتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ ضمیر کی حریت کہاں گئی اور جب میں دیکھوں کہ ناظروں نے غلطی کی ہے اور اُن کو گرفت کروں تو بعض دفعہ ان کو بھی شکوہ پیدا ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کام میں رُکاوٹیں پیدا کی جارہی ہیں۔ مگر مجھ پر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا فرض ہے جسے کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتا اور دراصل خلافت کے معنی ہی یہ ہیں۔

دوسرا حصہ اِس سوال کا یہ ہے کہ ناظروں پر تنقید خلیفہ کی تنقید کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مجھے اس کے تسلیم کرنے سے انکار ہے۔ اگر اِسی مجلس شوریٰ کو لے لیا جائے تو جس حصہ پر میں نے تنقید کی ہے اُس پر میری تنقید سے پہلے بہت سی تنقید ہو چکی تھی اور میں نے جو تنقید کی وہ بعد میں تھی اور شوریٰ کے ممبر بہت سی تنقید پہلے کر چکے تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ناظر تنقید سے گھبراتے کیوں ہیں۔ ان کا مقام وہ نہیں کہ تنقید سے بالا سمجھا جاتا ہو۔ ہر کارکن خلیفہ نہیں کہلا سکتا۔ میرے نزدیک اس بارہ میں جماعت اور ناظر دونوں پر ذمہ داری ہے۔ جماعت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خیال رکھیں کہ ان میں سے جو لوگ سلسلہ کیلئے اپنی زندگیوں کو وقف کر کے بیٹھے ہوئے ہیں ان کا مناسب احترام کیا جائے۔ اور ناظروں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جماعت کی تنقید کو ایک مخلص بھائی کے مشورہ کے طور پر سنیں کیونکہ ان کا مقام تنقید سے بالا نہیں ہے۔ پارلیمنٹوں میں تو وزراء کو وہ جھاڑیں پڑتی ہیں جس کی حد نہیں۔ مگر پھر بھی وزراء کے رُعب میں فرق نہیں آتا۔ یہاں تو میں روکنے والا ہوں، مگر وہاں کوئی روکنے والا نہیں ہوتا۔ گالی گلوچ کو سپیکر روکتا ہے، سخت تنقید کو نہیں بلکہ اسے ملک کی ترقی کیلئے ضروری سمجھا جاتا ہے پس اس تنقید سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اگر تنقید کا کوئی پہلو غلط ہو تو ثابت کریں کہ وہ غلط ہے اور اگر وہ صحیح ہے تو بجائے گھبرانے کے اپنی اصلاح کریں۔ بعض باتیں ایسی

ہوتی ہیں جن کا ثابت کرنا یا ردّ کرنا مشکل ہوتا ہے اور ان کی بنیاد ایسے باریک اصول پر ہوتی ہے کہ ان کی وجہ سے کوئی منطقی نتیجہ نکالنا قریباً ناممکن ہوتا ہے۔ مثلاً دو کمرے ایک سے ہوں اور یہ سوال ہو کہ ان میں سے کس میں بستر بچھانے چاہئیں اور کس کو بیٹھنے اُٹھنے کیلئے استعمال کرنا چاہئے تو یہ ایک ذوقی سوال ہوگا۔ لیکن دو شخص اگر اس پر بحث شروع کر دیں کہ کیوں اس میں بستر بچھانا چاہئے اور دوسرے میں اُٹھنا بیٹھنا چاہئے تو یہ بحث خواہ مہینوں کرتے رہیں نتیجہ کچھ نہ ہوگا۔ تو اِس قسم کی ذوقی باتوں کو چھوڑ کر باقی باتوں کو ثابت یا ردّ کیا جا سکتا ہے اور اگر اعتراض نامناسب رنگ میں ہوگا تو یا تو وہ کسی معذور کی طرف سے ہوگا جو بوجہ بڑھاپے کے یا ناتجربہ کاری یا سادگی کے ایسا کرے گا اور اس صورت میں سب محسوس کر لیں گے کہ اس شخص کے الفاظ کی کوئی قیمت نہیں اور اس کو روکنا فضول ہوگا۔ ایسی بات پر صرف مسکرا کر یا استغفار کر کے گزر جانا ہی کافی ہوگا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو تو مجلس شوریٰ کی رپورٹیں اِس پر گواہ ہیں کہ میں نے نامناسب رنگ میں اعتراض کرنے والوں کو ہمیشہ سختی سے روکا ہے اور جنہوں نے غلط تنقید کی اُن کو اِس پر تنبیہہ کی ہے اور اگر آئندہ بھی ایسا ہوگا تو اِنْشَاءَ اللّٰہ روکوں گا۔ اگر ساری جماعت بھی غلط تنقید کرے گی تو اسے بھی روکوں گا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ڈروں گا نہیں۔ اس قسم کا لحاظ میں نے کبھی نہیں کیا کہ غلط طریق اختیار کرنے پر کسی کو تنبیہہ نہ کروں۔ ہاں اس وجہ سے چشم پوشی کرنا کہ کام کرنے والوں سے غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں، اَور بات ہے۔ ایسی چشم پوشی میں جماعت سے بھی کرتا ہوں اور کارکنوں سے بھی۔ ورنہ میں نہ جماعت سے ڈرتا ہوں اور نہ انجمن سے اور جب بھی میں نے موقع دیکھا ہے جماعت کو اس کے فرائض کی طرف توجہ دلائی ہے اور انجمن کو بھی۔

اِس سوال کا تیسرا حصہ جو پہلے سے ملتا جلتا بھی ہے اور علیحدہ سوال بھی وہ یہ ہے کہ تنقید ایسے رنگ میں کی جاتی ہے کہ جس سے ناظروں کی بے رُعبی ہوتی ہے۔ لیکن میں اس سے بھی متفق نہیں ہوں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے دین کے کام کیلئے کھڑے ہوں ان کی بے رُعبی نہیں ہو سکتی۔ جب تک جماعت میں اخلاص اور ایمان باقی ہے کوئی ان کی بے رُعبی نہیں کر سکتا۔ ان کے ہاتھ میں سلسلہ کا کام ہے۔ پس جو ان کی بے رُعبی کرے گا یہ سمجھ کر

کرے گا کہ اس سے سلسلہ کی بے رُعبی ہوگی اور اس کیلئے کوئی مخلص مومن تیار نہیں ہوسکتا۔ ہاں بعض دفعہ بعض لوگ نادانی سے ایسا کر جاتے ہیں۔ مثلاً اس دفعہ ہی سرگودھا کے ایک دوست نے نامناسب الفاظ استعمال کئے لیکن میں بھی اور دوسرے دوست بھی محسوس کر رہے تھے کہ وہ ذمہ داری کے ساتھ یہ باتیں نہیں کر رہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ اُن کی باتوں پر دوست بالعموم مسکرا رہے تھے اور سب یہ سمجھتے تھے کہ یہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں اور جوش میں انہیں اپنی زبان پر قابو نہیں رہا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی بات کی تردید کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی تردید نہ کی اور میں سمجھتا ہوں تردید نہ کرنے سے لوگوں نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ باتیں وزنی ہیں بلکہ غالب حصہ کو یہی یقین تھا کہ یہ تردید کے قابل ہی نہ تھیں۔ کیونکہ دوست خود ان کی باتوں پر ہنس رہے تھے اور بعض کے ہنسنے کی آواز میں نے خود سنی۔ اور ہنسی کی وجہ یہ خیال تھا کہ انہوں نے کیا بے معنی نتیجہ نکالا ہے۔ اور جب جماعت پر ان کی بات کا اثر ہی نہ تھا اور سب سمجھ رہے تھے کہ یہ اپنی سادگی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ باتیں کر رہے ہیں تو ان کی تردید نہ کرنے سے نقصان کیا ہوسکتا تھا۔ لیکن اس کے بالمقابل اِسی مجلس شوریٰ میں مَیں نے ایک مثال سنائی تھی کہ ایک انجمن نے جو کسی گاؤں یا شہر کی انجمن نہ تھی بلکہ پراونشل انجمن تھی، مجھے لکھا کہ ہم نے صدر انجمن کو یہ بات لکھی ہے جو اگر اس نے نہ مانی تو اس کے ساتھ ہمارے اچھے تعلقات نہیں رہیں گے۔ میں نے انہیں لکھا کہ صدر انجمن احمدیہ جو کچھ کرتی ہے چونکہ وہ خلیفہ کے ماتحت ہے اس لئے خلیفہ بھی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جب آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کی بات نہ مانی گئی تو صدر انجمن کے ساتھ آپ کے تعلقات اچھے نہ رہ سکیں گے تو ساتھ ہی آپ نے یہ بھی سوچ لیا ہوگا کہ خلیفہ کے ساتھ بھی آپ کے تعلقات اچھے نہ رہیں گے اور اس صورت میں آپ کوئی جماعت ہی بنانی پڑے گی، اس جماعت میں آپ نہیں رہ سکیں گے۔ تو کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس بات کے سننے کے بعد بھی کسی احمدی کے دل میں ناظروں کا رُعب مٹ سکتا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ شوریٰ کے ممبروں نے ناظروں کے کام پر تنقید کو تو سن لیا مگر یہ بات انہوں نے نہ سنی ہوگی اور یہ بات جو میں نے ایک دو آدمیوں کو نہیں بلکہ ایک صوبہ کی انجمن کو لکھی تھی اس کے سننے

کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ ناظروں کا رُعب مٹ جائے۔

اِس میں شبہ نہیں کہ اِس شوریٰ میں جرح زیادہ ہوئی ہے مگر ناظروں کو بھی ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سوچنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہوا۔ ایسا اِس وجہ سے نہیں ہوا کہ میں نے بھی ان پر تنقید کی تھی۔ جب وہ چھپے گی تو ہر شخص دیکھ سکے گا کہ شوریٰ کے ممبروں نے جو جرح کی وہ میری تنقید کے نتیجہ میں نہ تھی۔ اور حق بات یہ ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جس کا مجھے شدید احساس ہے کہ ناظر شوریٰ کے فیصلوں پر پوری طرح عمل نہیں کرتے اور واقعات اِس بات کو پوری طرح ثابت کرتے ہیں کہ وہ ان پر خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا جاتا ہے کہ سال کے آخر پر ناظر اعلیٰ دوسری نظارتوں سے پوچھ لیتا ہے کہ ان فیصلوں کا کیا حال ہوا؟ اور پھر یا تو یہ کہہ دیتا ہے کہ کوئی جواب نہیں ملا اور یا یہ کہ کوئی عمل نہیں ہوا۔ میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ بعض فیصلے ناظروں کے نزدیک نا قابل عمل ہوتے ہیں مگر ایسے فیصلوں کو قانونی طور پر بدلوانا چاہئے۔ وہ ایسے فیصلوں کو میرے سامنے پیش کر کے مجھ سے بدلوا سکتے ہیں۔ وہ میرے سامنے پیش کر دیں میں اگر چاہوں تو دوسری شوریٰ بلوا لوں یا چاہوں تو خود ان فیصلوں کو ردّ کر دوں۔ اور پھر اگر دوسری شوریٰ میں ان پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر اعتراض ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ ردّ ہو چکا ہے۔ لیکن اگر وہ فیصلہ جوں کا توں قائم رہے اور پھر وہ اس پر عمل نہ کریں تو جماعت کے اندر بے انتظامی اور خودرائی کی ایسی روح پیدا ہوتی ہے جس کی موجودگی میں ہرگز کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اگر شوریٰ میں ایک فیصلہ ہوتا ہے تو ان کا فرض ہے کہ اس پر عمل کریں اور اگر وہ اس کو قابل عمل نہیں سمجھتے تو اس کو منسوخ کرائیں۔ لیکن ایسے فیصلوں کی ایک کافی تعداد ہے جن پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اُسی شوریٰ میں ایک سوال پیدا ہوا تھا جس سے جماعت میں جوش پیدا ہوا۔ ۱۹۳۰ء کی شوریٰ میں فیصلہ ہوا تھا کہ سلسلہ کے اموال پر وظائف کا جو بوجھ ہے اسے ہلکا کرنا چاہئے۔ یہ تو صحیح ہے کہ جس احمدی کے پاس روپیہ نہ ہو وہ مستحق ہے کہ اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے انجمن سے مدد مانگے اور اگر انجمن کے پاس ہو تو اُس کا فرض ہے کہ مدد کرے۔ مگر اس طرح مدد لینے والے کا یہ بھی فرض ہے کہ جب وہ مالدار ہو جائے تو پھر اسے ادا کرے۔ ۱۹۳۰ء کی شوریٰ میں یہ فیصلہ

ہوا تھا کہ آئندہ پانچ سال میں گزشتہ تعلیمی وظائف کی رقوم وصول کی جائیں اور پھر آئندہ اِسی رقم میں سے وظائف دیئے جائیں، عام آمد سے امداد نہ کی جائے۔ اور اس کیلئے ناظر بیت المال کو ذمہ دار مقرر کیا گیا تھا یہ پانچ سال ۱۹۳۵ء میں پورے ہوتے تھے اور ۱۹۳۵ء کے بعد وظائف اسی وصول شدہ رقم میں سے دیئے جانے چاہئیں تھے۔ لیکن تین سال ہو چکے ہیں مگر وظائف برابر خزانہ سے ادا کئے جا رہے ہیں۔ شوریٰ کے ممبروں میں سے ایک کو یہ بات یاد آئی اور اس نے اعتراض کر دیا کہ جب یہ فیصلہ ہوا تھا تو اس پر کیا کارروائی کی گئی اور اب وظائف گزشتہ وظائف کی وصول شدہ رقوم میں سے دیئے جاتے ہیں یا سلسلہ کے خزانہ پر ہی بوجھ ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو کیوں؟ اب ظاہر ہے کہ اگر اس تنقید کا دروازہ بند کر دیا جائے تو سلسلہ کیوں تباہ نہ ہوگا اور اسے ناظروں کی بے رُعبی کے ڈر سے کیونکر روکا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی ناظر نماز نہ پڑھے اور ہم اسے کہیں تو کہا جائے کہ اس بات سے ناظروں کی بے رُعبی ہوتی ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ اس کے نہ کہنے سے سلسلہ کی بے رُعبی ہوتی ہے۔ پس یہ اعتراض روکا نہیں جا سکتا تھا اور اس کیلئے جواب دینا ضروری تھا۔

عام پارلیمنٹوں میں یہ قاعدہ ہے کہ وزراء بعض دفعہ کوئی ٹلاواں جواب دے دیتے ہیں تا اس پر مزید جرح نہ ہو سکے اور بات مخفی رہے لیکن یہاں یہ نہیں ہو سکتا۔ بحیثیت خلیفہ میرا فرض ہے کہ صحیح جواب دلواؤں۔ پہلے اس سوال کے ایسے جواب دیئے گئے جو ٹالنے والے تھے مگر آخر اصل جواب دینا پڑا کہ اس فیصلہ پر عمل نہیں کیا گیا۔ اب اگر اس میں نظارتوں کی بے رُعبی ہوئی تو اس کی ذمہ دار نظارت ہے۔ اگر اس قسم کی تنقید کو روک دیا جائے تو سلسلہ کا نظام ایسا گر جائے گا کہ اس کی کوئی قیمت نہ رہے گی۔ اس میں شک نہیں کہ بعض دفعہ شوریٰ بھی غلط فیصلے کر دیتی ہے۔ مثلاً اِسی سال کی مجلس شوریٰ میں پہلے ایک مشورہ دیا گیا اور پھر اس کے خلاف دوسرا مشورہ دیا گیا جس کی طرف مجھے توجہ دلانی پڑی۔ تو ایسی غلطیاں مجلس شوریٰ بھی کر سکتی ہے، انجمن بھی کر سکتی ہے اور خلیفہ بھی کر سکتا ہے۔ بلکہ بشریت سے تعلق رکھنے والے دائرہ کے اندر انبیاء بھی کر سکتے ہیں۔ جو بالکل غلطی نہیں کر سکتا وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ شوریٰ کو تنقید کا جو حق ہے وہ مار دیا جائے۔ گو شوریٰ غلطی کر سکتی ہے مگر

اس سے اس کا حق باطل نہیں کیا جا سکتا۔ اور ناظر بھی غلطی کر سکتے ہیں مگر ان کے دائرہ عمل میں ان کے ماتحتوں کا فرض ہے کہ ان کی اطاعت کریں۔ ہاں جو امور شریعت کے خلاف ہوں ان میں اطاعت نہیں ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک صحابی کو ایک چھوٹے سے لشکر کا سردار بنا کر بھیجا۔ راستہ میں انہوں نے کوئی بات کہی جس پر بعض صحابہ نے عمل نہ کیا، اس پر وہ ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں پر امیر مقرر کیا ہے اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہوا ہے کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قائمقام ہوں تو تم نے میری نافرمانی کیوں کی[6]۔ اس پر صحابہ نے کہا کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے۔ انہوں نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ اطاعت کرتے ہو یا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے آگ جلانے کا حکم دیا اور جب آگ جلنے لگی تو صحابہ سے کہا کہ اس میں کود پڑو۔ بعض تو آمادہ ہوگئے مگر دوسروں نے ان کو روکا اور کہا کہ اطاعت امور شرعی میں ہے۔ ان کو تو شریعت کی واقفیت نہیں۔ اس طرح آگ میں کود کر جان دینا ناجائز ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ خودکشی نہیں کرنی چاہئے[7]۔ جب یہ امر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے اس میں ان لوگوں کی تائید کی جنہوں نے کہا تھا کہ آگ میں کودنا جائز نہیں[8]۔ پس میں جو کہتا ہوں کہ ناظر کے دائرہ عمل میں اس کی اطاعت کرنی چاہئے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی ناظر کسی سے کہے کہ جھوٹ بولو تو اسے بولنا چاہئے۔ نظارت کے شعبہ میں جھوٹ بلوانا شامل نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی ناظر کہے کہ کسی کو قتل کر دو تو اس میں اس کی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت صرف شریعت کے محدود دائرہ میں ضروری ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ غلطی ہر شخص کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کسی فیصلہ میں ناظر بھی غلطی کرے لیکن اس دائرہ میں اس کی غلطی کو بھی ماننا پڑے گا۔

پس خلیفہ کا فیصلہ مجلس شوریٰ اور نظارت کیلئے ماننا ضروری ہے۔ اسی طرح شوریٰ کے مشورہ کو سوائے استثنائی صورتوں کے تسلیم کرنا خلیفۂ وقت کیلئے ضروری ہے۔ اور جس مشورہ کو خلیفۂ وقت نے بھی قبول کیا اور جسے شرعی احکام کے ماتحت عام حالتوں میں خلیفہ کو بھی قبول

کرنا چاہئے یقیناً نظارت اُس کی پابند ہے خواہ وہ غلط ہی ہو۔ ہاں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ کسی فیصلہ کی موجودگی میں وہ کام کو نہیں چلا سکتے تو ان کو چاہئے کہ اسے پیش کر کے وقت پر منسوخ کرالیں۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ ہر شوریٰ میں کچھ نہ کچھ شور ضرور اُٹھتا ہے کہ فلاں فیصلہ پر عمل نہیں ہوا، فلاں قانون کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پھر ایسی باتوں پر کس طرح پردہ پڑ سکتا ہے۔ اور جب ایک نقص ظاہر ہو تو میرا فرض ہے کہ میں نظارت کو اس نقص کے دور کرنے کی طرف توجہ دلاؤں۔ کیونکہ میں صدر انجمن احمدیہ کا رہنما ہونے کی حیثیت میں خود بھی اس خلاف ورزی کا گو قانونی طور پر نہیں مگر اخلاقی طور پر ذمہ دار ہو جاتا ہوں۔ پس میرا فرض ہے کہ غلطی پر اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلاؤں۔

غرض ناظروں کا یہ فرض ہے کہ شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی کریں یا پھر ان کو بدلوالیں۔ لیکن جب تک وہ فیصلہ قائم ہے ناظروں کا اس پر عمل کرنا ویسا ہی ضروری ہے جیسا ان کے ماتحت کلرکوں اور دوسرے کارکنوں کا ان کے احکام پر۔ اگر ناظر اس طرح کریں تو بہت سے جھگڑے مٹ جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ صدر انجمن احمدیہ کا فرض ہونا چاہئے کہ ہر شوریٰ کے معاً بعد ایک میٹنگ کر کے دیکھے کہ کونسا فیصلہ کس نظارت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور پھر اسے ناظر متعلقہ کے سپرد کرے کہ اس پر عمل ہو اور وقت مقرر کر دیا جائے کہ اس کے اندر اندر اس فیصلہ کی تعمیل پوری طرح ہو جائے اور پھر اس مقررہ وقت پر دوسری میٹنگ کر کے دیکھے کہ عمل ہوا ہے یا نہیں۔ اس طرح تنقید کا سلسلہ خود بخود بند ہو جائے گا۔

(الفضل ۲۷/اپریل ۱۹۳۸ء)

---

۱ النور: ۵٦

۲ خودرائی: خودسری، سرکشی

۳ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ (ص: ۸۷)

۴ کنز العمال جلد۵ صفحہ ۶۴۸۔ مطبوعہ حلب ۱۹۷۱ء میں لاخلافة الا عن مشورة کے الفاظ ہیں۔

۵ شوری: ۳۹

٦ تا ۸ بخاری کتاب الاحکام باب السمع و الطاعة للامام مالم تکن معصية

خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض

۱۷؍ مارچ ۱۹۳۹ء کو حضور نے مجلس خدام الاحمدیہ کے قیام کی غرض بیان فرمائی اور فرمایا درحقیقت یہ روحانی ٹریننگ اور روحانی تعلیم و تربیت ہے اُس فوج کی جس فوج نے احمدیت کے دشمنوں سے مقابلہً جنگ کرنی ہے۔فرمایا۔

''درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اُٹھنے پر اُٹھے اور ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے اور یہ چیز ہماری جماعت میں ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ ہماری جماعت میں قربانیوں کا مادہ بہت کچھ ہے مگر ابھی یہ جذبہ ان کے اندر کمال کو نہیں پہنچا کہ جونہی ان کے کانوں میں خلیفۂ وقت کی طرف سے کوئی آواز آئے اُس وقت جماعت کو یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں نے اُن کو اُٹھا لیا ہے اور صورِ اسرافیل ان کے سامنے پھونکا جا رہا ہے۔ جب آواز آئے کہ بیٹھو تو اُس وقت اُنہیں یہ معلوم نہ ہو کہ کوئی انسان بول رہا ہے بلکہ یوں محسوس ہو کہ فرشتوں کا تصرف اُن پر ہو رہا ہے اور وہ ایسی سواریاں ہیں جن پر فرشتے سوار ہیں۔ جب وہ کہے بیٹھ جاؤ تو سب بیٹھ جائیں۔ جب کہے کھڑے ہو جاؤ تو سب کھڑے ہو جائیں۔جس دن یہ روح ہماری جماعت میں پیدا ہو جائے گی اُس دن جس طرح باز چڑیا پر حملہ کرتا اور اُسے توڑ مروڑ کر رکھ دیتا ہے اسی طرح احمدیت اپنے شکار پر گرے گی اور تمام دنیا کے ممالک چڑیا کی طرح اس کے پنجہ میں آجائیں گے اور دنیا میں اسلام کا پرچم پھر نئے سرے سے لہرانے لگ جائے گا۔''

(الفضل ۷؍اپریل ۱۹۳۹ء)

جرمنی میں تغیر

(خطبہ جمعہ ۷ جولائی ۱۹۳۹ء)

خطبہ جمعہ ۷ جولائی ۱۹۳۹ء میں حضور نے جرمنی میں تغیر کا ذکر کرتے ہوئے جرمنی میں جاری شدہ نظام کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ جرمنی والوں کا نیا نظام نہیں بلکہ آج سے ۱۳۰۰ سال پرانا نظام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ نیز فرمایا

''حقیقت یہ ہے کہ یہ نیا نظام نہیں بلکہ یہ وہی نظام ہے جسے اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سَو سال پہلے خلافت کی شکل میں دنیا میں قائم کیا۔ تم میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ آج یورپ میں چونکہ یہ ایک نظام قائم ہو چکا ہے اور اس کے فوائد بھی ظاہر ہو چکے ہیں اُس لئے اُس کو دیکھ کر آپ نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے مگر میں بتاتا ہوں کہ یہ صحیح نہیں۔ تم ۱۹۱۴ء کا میرا وہ لیکچر نکال کر دیکھ لو جو ''برکات خلافت'' کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے۔ اس میں میں نے وہی نظام پیش کیا ہے جس کی آج یوروپین حکومتیں تقلید کر رہی ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں تو نہ لینن تھا نہ مسولینی نہ مصطفیٰ کمال پاشا تھا نہ ہٹلر۔ اُس وقت میں نے یہ نظام لوگوں کے سامنے رکھا اور انہیں بتایا کہ قومی ترقی انہی اصول پر ہوسکتی ہے۔ پیغامی ہمیشہ میری اِس تقریر اور اِسی قسم کی اور تقریروں پر اعتراض کرتے رہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں دیکھو! یہ شخص خود رائی کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے حالانکہ اسلام نے جو طریق بتایا ہے وہ اس ڈکٹیٹر شپ سے ہزاروں درجے بڑھ کر ہے جو یوروپین ممالک میں قائم ہے بے شک اِن دونوں میں ایک مشابہت بھی ہے اور وہ یہ کہ جس طرح لوگ ڈکٹیٹروں کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ خلفاء کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تلقین کرتا ہے مگر اس کے مقابلہ

میں ایک بہت بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ ڈکٹیٹر خود قانون ساز ہوتا ہے مگر خلیفہ قانون ساز نہیں بلکہ ایک اور قانون کے تابع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے ہٹلر قانون ساز ہے مسولینی قانون ساز ہے لینن قانون ساز ہے لیکن اسلامی خلیفہ نظام اور قانون کا اسی طرح پابند ہے جس طرح جماعت کا ایک عام فرد۔ وہ قانون ساز نہیں بلکہ خدائی قانون کا تابع ہوتا ہے اور اسی قانون کو وہ لوگوں سے منواتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خلافت کی وجہ سے لوگوں پر وہ ظلم نہیں ہوتا جو ان ملکوں میں ہو رہا ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں ایک مکمل قانون قرآن کریم کی شکل میں موجود ہے جس پر عمل کرنا اور دوسروں سے عمل کرانا خلفاء کا کام ہے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت میں ابھی تک احکامِ خلافت کی پابندی کی وہ روح پیدا نہیں ہوئی جو اسلام لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے اور نہ اس نظام کی قدر و قیمت کو اس نے پوری طرح محسوس کیا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی جب میں نے اپنی جماعت کے ایک اخبار میں غیر مبائعین کے ایک انگریزی اخبار کا ایک نوٹ پڑھا۔ جس میں وہ ہٹلر کی کتاب ''میری جدوجہد'' کے بعض اقتباسات درج کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی توجہ اس نئے سوشل فلسفہ کی طرف مبذول کرنی چاہیے کیونکہ بظاہر یہ ان خیالات کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو اسلامی جمہوریت کے متعلق قبول کئے جاچکے ہیں لیکن اس تجربہ کے بعد جو جرمنی نے کیا اور اس تجربہ کے بعد جو یورپ کے بعض اور ممالک میں کیا گیا یہ امر اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہم دوبارہ تمام سوال پر غور کریں اور دیکھیں کہ اسلامی نقطہ نگاہ کیا ہے؟ گویا غیر مبائعین کے دلوں میں بھی اب یہ احساس پیدا ہونے لگا ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے جو تعلیم ہماری جماعت کی طرف سے پیش کی گئی تھی کہیں وہی تو درست نہیں اور کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ غلطی پر ہوں اور اسلامی نظام کے سمجھنے میں انہوں نے ٹھوکر کھائی ہو۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اب غیر مبائعین کے دل بھی اس نظام کی خوبی کو تسلیم کرنے لگ گئے ہیں اور ان پر بھی یہ امر آشکار ہو گیا ہے کہ صحیح نظام وہی ہے جو خلافت کے ماتحت ہو.........۔

میں نے دیکھا ہے لوگوں میں یہ ایک مرض پیدا ہو گیا ہے کہ جس کام پر خلیفہ کا ہاتھ رہتا

ہے اُس کام کی طرف وہ خوب توجہ کرتے رہتے ہیں مگر جونہی خلیفہ اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیتا ہے لوگوں کا جوش بھی سرد پڑ جاتا ہے اوران پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ حالانکہ خلافت کا وجود تو خدا تعالیٰ نے بطور محور رکھا ہے اب کون سا وہ خلیفہ ہوسکتا جو ہر کام کرے ابھی تو ہماری جماعت بہت قلیل ہے مگر جوں جوں ہماری جماعت ترقی کرے گی کاموں میں بھی زیادتی ہوتی چلی جائے گی۔ ابھی تو ہمارے پاس نہ حکومت ہے نہ تجارت ہے نہ یونیورسٹیاں ہیں نہ علمی ادارے ہیں اور نہ کوئی اور چیز ہے مگر جب یہ تمام چیزیں آ گئیں تو اُس وقت ہمارے کام کا دائرہ اتنا وسیع ہو جائیگا کہ ہمیں ہزاروں کی تعداد میں بڑے بڑے لائق آدمیوں کی ضرورت ہوگی جن کا یہ فرض ہوگا کہ وہ دن رات اپنے کاموں میں مشغول رہیں۔ اگر وہ خود کام نہیں کریں گے اور اپنا فرض صرف یہی سمجھیں گے کہ جس کام کی طرف خلیفہ توجہ دلاتا رہے اسے کرتے رہیں اور جس کام کی طرف وہ توجہ دلانا چھوڑ دے اُسے ترک کر دیں تو جماعت کی ترقی کس طرح ہوگی۔ پس ضروری ہے کہ جماعت میں ابھی سے بیداری پیدا ہو اور وہ یہ غور کرنے کی عادت ڈالے کہ جو کام وہ کر رہی ہے وہ اچھا ہے یا نہیں۔ اور جب اسے معلوم ہو کہ وہ اچھا ہے اور خلیفہ نے بھی ایک آدھ دفعہ اس کی طرف توجہ دلا دی ہے تو پھر وہ اس کام کو چھوڑے نہیں بلکہ مستقل طور پر اسے اپنی زندگی کے پروگرام میں شامل کرے کیونکہ اس کے بغیر ترقی ہونا ناممکن ہے۔ پس ہماری جماعت کو یہ عادت ترک کرنی چاہیے کہ جب تک خلیفہ کسی کام میں ہاتھ نہیں ڈالے گا اسے وہ نہیں کرے گی۔ خلیفہ کا کام صرف توجہ دلانا اور نگرانی کرنا ہے آگے جماعت کا یہ کام ہے کہ وہ کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے اور اس مضبوطی اور استقلال سے ان کو چلائے کہ پھر ان کو چھوڑے نہیں۔ پس جماعت کے دوستوں کو اپنے اندر بیداری پیدا کرنی چاہیے اور اُس دن کیلئے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیے جب کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں وسعت برکات حاصل ہوگی اور ایک ایک کام کیلئے ہمیں ہزاروں آدمیوں کی ضرورت ہوگی جو دن رات ان کاموں پر لگے رہیں۔ تم آج ہی ان اہم ذمہ داریوں کے کاموں کیلئے اپنے آپ کو تیار کرو اور اس بات کا انتظار نہ کیا کرو کہ ہر کام کے کرنے کا تمہیں خلیفہ کی طرف سے حکم ملے یہ محض نمائش ہے کہ جب تک تمہارا سردار

جس کی تم نے بیعت کی ہوئی ہے تمہیں توجہ دلاتا رہتا ہے تم کام کرتے رہتے ہو اور جب اس کی توجہ کسی اور کام کی طرف مبذول ہو جاتی ہے تو تم کام سے غافل ہو جاتے ہو۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے جس کو دور کرنے کی طرف ہماری جماعت کو توجہ کرنی چاہئے۔''

(الفضل ۲ راگست ۱۹۳۹)

خلافت جوبلی کے موقع پر جلوس اور چراغاں

خطبہ جمعہ فرمودہ ۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اخبارات میں مختلف اعلانات ''خلافت جوبلی کے متعلق'' نکل رہے ہیں ان اعلانات کے پڑھنے کے بعد میں بعض باتیں کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں ۔ میں نے مجلس شوریٰ کے موقع پر بھی ان باتوں کی طرف توجہ دلائی تھی مگر انسان کی فطرت ایسی ہے کہ وہ نقل کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے بہ نسبت عقل کے ۔ کیونکہ نقل کرنا زیادہ آسان ہوتا اور عقل سے کام لینا مشکل ہوتا ہے ۔ یہ زمانہ عیسائیت کے فروغ کا زمانہ ہے وہ قومیں جو آہستہ آہستہ ترقی کرتی ہیں ان میں مظاہرے کرنے کی عادت زیادہ ہوتی ہے اور جن کو یکدم غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ چونکہ حقیقت سے آشنا ہو چکی ہوتی ہیں اور مقصود اُن کو مل چکا ہوتا ہے اسلئے اُن کو مظاہروں کی ضرورت پیش نہیں آتی ۔ جو ماں باپ بچوں کے ساتھ رہتے ہیں انہیں ان کی تصویریں رکھنے کا شوق اتنا نہیں ہوتا لیکن جن کے بچے ان سے دور ہوتے ہیں انہیں تصویروں کی طرف زیادہ خیال ہوتا ہے کیونکہ جب اصل انسان کے سامنے نہ ہو تو وہ نقل سے دل بہلانے کی کوشش کرتا ہے ۔ جن قوموں کو خدا مل جاتا ہے وہ بتوں اور بت خانوں کی طرف توجہ نہیں کرتیں لیکن جن کو خدا نہیں ملا ہوتا وہ بتوں اور بت خانوں کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ خدا تعالیٰ کا نقشہ ضرور چاہیے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو قریب عرصہ میں خدا تعالیٰ نے وہ باتیں دلا دیں جو اُن کے اور اُن کی قوم کے متعلق موعود تھیں اِس لئے ان کی قوم میں ایسے مظاہروں کی طرف توجہ نہ تھی ۔ عیسائیوں کو ایک لمبے عرصہ کے بعد وہ باتیں حاصل ہوئیں اس لئے وہ درمیانی زمانہ میں مظاہرے کرتے رہے کیونکہ کچھ نہ کچھ تو دل خوش کرنے کیلئے ہونا چاہیے ۔ پھر مسلمانوں کو ان کے موعود انعامات بہت ہی تھوڑے عرصہ میں حاصل ہو گئے ۔

حضرت موسیٰ کی قوم کو جتنے وقت میں کامیابی حاصل ہوئی تھی اس کے ایک تہائی زمانہ میں انہوں نے کامیابیاں دیکھ لیں۔ اس لئے ان کو بھی کوئی ضرورت نہ تھی کہ ایسے مظاہرے کرتے اور نقلیں کرتے۔ ہمارا زمانہ بھی عیسوی زمانہ کے نقش قدم پر ہے اور اس کے لئے آہستہ آہستہ ترقی موعود ہے۔ اس لئے ہمارے لوگوں میں بھی لازماً گدگدی پیدا ہوتی ہے کہ اگر ابھی فتح دور ہے تو فتح کے زمانہ کی نقل تو بنائیں۔ ہندوؤں میں بعض قومیں مثلاً بھابڑے ایسے ہیں جو گوشت کبھی نہیں کھاتے اور اس بارہ میں بڑی احتیاط کرتے ہیں مگر چونکہ اپنے ہمسائے میں ان کے کانوں میں ایسی آوازیں آتی رہتی ہیں کہ ذرا ایک بوٹی اور دینا یا یہ کہ آج کباب بنائے ہیں اور پھر گوشت کی خوشبو بھی آتی ہے اس لئے ان میں سے بعض کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب گوشت کا بہت شوق پیدا ہو تو بڑیاں بنا لیتے ہیں اور پھر ان کو ہی بوٹیاں فرض کر لیتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ ایک بوٹی مجھے بھی دینا، ذرا شوربا اور ڈال دینا وغیرہ اور اس طرح وہ بڑی کو بوٹی کہہ کر اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لڑکیوں کو دیکھ لو خدا تعالیٰ نے ان کی فطرت میں اولاد پیدا کرنا اور اس سے محبت کرنا رکھا ہوتا ہے مگر ابھی ان کی عمر اتنی نہیں ہوتی کہ ان کی شادی ہو اور اولاد ہو اس لئے وہ گڑیا بنا لیتی ہیں اور اسی سے پیار کرتی ہیں اور کہتی ہیں لاؤ اسے دودھ دیں۔ میری بچی روتی کیوں ہے وغیرہ وغیرہ یہ ان کی فطرت کا تقاضا ہوتا ہے مگر زمانہ ابھی آیا نہیں ہوتا اس لئے وہ ایسی باتوں سے دل بہلا لیتی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں بلکہ میں اس کے آثار دیکھ رہا ہوں کہ اِس قسم کے نقص جماعت میں پیدا نہ ہو جائیں۔ مظاہرات کی طرف طبیعت فطرتاً مائل ہوتی ہے اور لوگ چاہتے ہیں کہ چراغاں کیا جائے اور جلوس نکالے جائیں چاہے کتنی قیدیں لگاؤ وہ پھر بھی کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ایسا کر ہی لیا جاتا ہے۔ یہاں خلافت یا خلافت جوبلی کا سوال نہیں بلکہ اہم سوال یہ ہے کہ ہم نے اسلام کی تعلیم کو قائم رکھنا ہے خلافت تو الگ رہی نبوت بھی اسلامی تعلیم کے تابع ہے کیونکہ اسلام دائمی صداقت کا نام ہے اور ہر عقلمند شخص یہ تسلیم کرے گا کہ دائمی صداقت انبیاء پر بھی بالا ہے دائمی صداقت کو انبیاء کیلئے قربان نہیں کیا جاتا بلکہ انبیاء اس کیلئے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اور ہمیشہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کیلئے قربان کی جاتی ہے اعلیٰ ادنیٰ کیلئے

نہیں ۔قرآن کریم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان خطرہ میں ہو تو توحید کو قربان کر دیا جائے ، صداقت اور حق کو قربان کر دیا جائے یہ کہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی خاطر تو اپنے آپ کو قربان کر دے پس صداقت انبیاء سے بھی بالا چیز ہے ۔انسان خواہ وہ نبی ہو یا نبیوں کا سردار بہر حال صداقت کے تابع ہے۔ جہاں تک صداقت کی اشاعت کا تعلق ہوتا ہے نبی بے شک بمنزلہ سورج کے ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کے ذریعہ صداقت قائم ہوتی ہے ۔صداقت کو شہرت اور عزت ان کے ذریعہ ہی ملتی ہے اس لئے تمثیلی طور پر اللہ تعالیٰ ان کو سورج بھی قرار دیتا ہے ورنہ حقیقتاً وہ قمر کی حیثیت رکھتے ہیں تمام انبیاء الحق یعنی خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں جو اصل صداقت ہے قمر کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو سورج کہنا ایسی ہی بات ہے جس طرح ماں باپ کی عزت ہر مذہب میں ضروری ہے اور اسلام نے تو اس پر زیادہ زور دیا اور فرمایا ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے[1]۔ قرآن کریم کا حکم ہے کہ ان کے سامنے اُف تک نہ کرو[2] مگر باوجود اس کے ماں باپ اپنے بچے کو کہتے ہیں کہ میں قربان جاؤں ، واری جاؤں ان کا یہ کہنا مقام کے لحاظ سے نہیں ہوتا بلکہ اظہارِ محبت کے لئے ہوتا ہے اِسی طرح انبیاء کبھی شمس بھی کہلاتے ہیں مگر اصل مقام ان کا الحق کے مقابلہ میں قمر کا ہی ہوتا ہے ۔اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی دن جب جوّ بالکل صاف ہو، مطلع بالکل ابر آلود نہ ہو، چاند چودھویں کا ہو اور وہ تمام باتیں جن سے روشنی تیز ہوتی ہے موجود ہوں تو کوئی شخص کہے کہ آج چاند کیا ہے سورج ہے تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ آج چاند سورج سے اتنا مشابہہ ہے کہ اس کا دوسرا نام رکھنا ٹھیک نہیں اس لئے بالکل وہی نام دینا چاہیے ۔تو یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے مواقع پر ہمیشہ شریعت کی حفاظت اور اسے سب باتوں پر مقدم رکھنا چاہئے جلوس وغیرہ اسلام میں ثابت نہیں ہیں یعنی ایسے جلوس جیسے آجکل نکلتے ہیں یہ صحیح ہے کہ دوسرے شہروں میں جو جلوس وغیرہ نکلتے ہیں ان کے مقابلہ میں قادیان کے جلوس اسلامی جلوس کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر پھر بھی مجھ پر یہ اثر ہے کہ قادیان میں جو جلوس نکلتے ہیں وہ بھی خالص اسلامی جلوسوں کے مشابہہ نہیں ہیں اسلام کے زمانہ میں ہمیں یہ تو نظر آتا ہے تاریخ سے ثابت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کے

عمل سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ جماعت مسلمین جمع ہو کر خاص بازاروں میں سے گزر رہی ہے اور جب لوگ ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو کسی تکلف کے بغیر ایک دوسرے کو بلند آواز سے یہ سلام کہتے ہیں یا تکبیر وتحمید کرتے ہیں مگر یہ کہ ایک شخص شعر پڑھتا ہے اور دوسرے اس کے پیچھے لچکتے جاتے اور وہی شعر پڑھتے ہیں۔ یہ کہیں سے ثابت نہیں میں تو خیال کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی مجھے ایسا کرنے کے لئے کہے اگر تو وہ حاکم مذہب ہو جس کی اطاعت ضروری ہے ورنہ میں کبھی ایسا نہ کرسکوں میری فطرت اسے قبول کرنے کیلئے تیار نہیں مجھے تو یہ جلوس دیکھ کر بچپن کا وہ زمانہ یاد آجاتا ہے جب بچے اکٹھے ہو کر کھیلا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی کمر کو پکڑ کر کہتے تھے کہ ہم بکرا لینے آئے ہیں میں نے پہلے بھی کئی دفعہ اس سے منع کیا ہے مگر پھر بھی بعض لوگ اسی طرح کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اگر سنجیدگی سے کام لیا جائے تو ایسے موقع پر دل میں ذکرِ الٰہی کرنا چاہیے ہاں جیسا کہ سنت ہے جب کوئی دوسری جماعت سامنے آتی ہوئی نظر آئے تو تکبیر اور تسبیح وتحمید کرنی چاہیے۔ اسلام بے شک شعر پڑھنے اور سننے کی اجازت دیتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے مگر اس قسم کا کورس میں نے اسلام میں کہیں نہیں دیکھا (کورس سے مشابہہ ایک صورت اسلام میں ہے اور وہ امام کے پیچھے آمین کہنے کی ہے اسی طرح بعض آیات قرآنیہ کے جواب میں بعض فقرات کہے جاتے ہیں لیکن یہ اوّل تو نثر میں ہوتا ہے دوسرے نماز میں اور خاص سنجیدگی کے ساتھ ہوتا ہے بازاروں میں اس طرح کرتے پھرنے کی مثال پر، اور شعر پڑھ پڑھ کر ایسا کرنے کے متعلق میں اِس وقت بات کر رہا ہوں اور اس کی مثال مجھے نہیں ملی) حالانکہ جہاں تک کوشش ہوسکتی ہے میں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ بہت لمبا اور گہرا کیا ہے اگر کسی اور کو اس کی کوئی مثال معلوم ہو تو وہ مجھے بتا دے میں تسلیم کرلوں گا کہ عورتیں مل کر شعر پڑھتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ان کے استقبال کیلئے عورت مرد نکلے اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے تو انہوں نے شعر بھی پڑھے مگر یہ اس زمانہ کی بات ہے جب اہل مدینہ اسلام سے اچھی طرح واقف نہ تھے اُس وقت عورتوں نے جو شعر پڑھے وہ اس طرح شروع ہوتے تھے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّةِ الْوِدَاعِ[۳]

یعنی آج ہم پر چودھویں رات کا چاند فلاں گوشے سے طلوع ہوا ہے یہ سب لوگ استقبال کیلئے باہر نکلتے تھے اور جب آپ کو دیکھا تو یہ شعر پڑھنے لگے مگر یہ وہ زمانہ تھا جب ان لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح دیکھا بھی نہ تھا بلکہ یہ وہ زمانہ تھا جب ان لوگوں نے آپؐ کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ اگر آپ پر کوئی دشمن مدینہ میں حملہ آور ہوگا تو ہم آپ کی مدد کریں گے لیکن اگر آپؐ مدینہ سے باہر لڑنے جائیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی مگر اِس سے زیادہ پھر بھی ثابت نہیں کہ لوگوں نے جمع ہوکر شعر پڑھے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکلّف کے ساتھ ایک پہلے شعر پڑھتا ہے دوسرے اس کے پیچھے مٹکتے جاتے ہیں اور بعد میں اس کے شعر کو یا اس کے ٹکڑے کو دہرا دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شعر پڑھوا کر سنتے تھے بعض بیوقوف اس پٹھان کی طرح جس نے کہہ دیا تھا کہ خو محمد صاحب کا نماز خراب ہوگیا اس کو جائز نہیں سمجھتے مگر یہ حقیقت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کہہ کہہ کر بعض دفعہ شعر پڑھواتے تھے۔ جہاد کو جاتے ہوئے خوش الحانوں سے کہہ کر شعر پڑھوانا تو حدیثوں میں کثرت سے ثابت ہے۔ پھر حدی خوانی تو عربوں کی مشہور رہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے منع نہیں فرمایا۔ اونٹ شعر پر عاشق ہوتا ہے اور اسے سن کر تیز چلتا ہے تو اس قسم کی شعر خوانی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں ثابت ہے اپنے بے تکلف دوستوں میں میں بھی بچپن میں شعر پڑھ لیا کرتا تھا اب تو گلے کی تکلیف کی وجہ سے خوش آواز ہی باقی نہیں رہی شعر کیا پڑھنا ہے اور اگر ہو بھی تو مجلس میں شعر پڑھنے سے مجھے حجاب ہے مگر اس کے باوجود میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔ بچپن میں میں پڑھتا رہا ہوں لیکن جس طرح یہاں جلوسوں میں کیا جاتا ہے اس طرح نہ میں نے کبھی کہا ہے اور نہ میری فطرت اسے برداشت کرسکتی ہے۔ ہاں بعض ادعیہ حدیثوں سے ثابت ہیں ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شعر بھی ہوتے تھے اور پڑھے بھی جاتے تھے اور وہی طریق اب تم بھی اختیا کر سکتے ہو مگر آپ کے فعل پر زیادتی کی کیا ضرورت ہے۔ جلوس کی صورت میں جمع ہوکر چلنا ثابت ہے اور پھر

یہ بھی ثابت ہے کہ جب دو جماعتیں آپس میں ملیں تو بلند آواز سے تکبیر یا تسبیح وتحمید بھی کریں۔عید کے موقع پر بھی ایسا کرنے کا حکم ہے اور ہم کرتے ہیں مگر یہ جلوس نکالنے والے عید پر تکبیر اور تسبیح وتحمید نہیں کرتے۔ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ عید کے روز بھی یہ اسی طرح بلند آواز سے تکبیر اور تسبیح وتحمید کہتے ہوئے جائیں میرا گلا خراب ہے میں خوش الحانی کے طور پر صرف اونچی آواز نکال سکتا ہوں ہلکی نہیں نکال سکتا اور اگر آہستہ تلاوت کرنا چاہوں یا شعر پڑھنا چاہوں تو آواز منہ میں ہی رہ جاتی ہے یا تو آواز بالکل چھوٹی نکلے گی یا بہت بڑی۔مگر پھر بھی میں کوشش کر کے بڑی عید کے موقع پر جب ایسا کرنے کا حکم ہے تکبیر اور تسبیح وتحمید کرتا ہوں مگر یہ جلوس نکال کر شور کرنے والے چپ کر کے پاس سے گزر جاتے ہیں پس اگر اس رنگ میں جو کہ میں نے بتایا ہے اور جو اسلامی جلوس کا رنگ ہے کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔اس طرح ذکرِ الٰہی کی کثرت ثواب کا بھی موجب ہے اور دوسرے اگر نقل کریں تو ان کے دلوں میں بھی خدا کی بڑائی پیدا ہوگی اور پھر ان کو بھی ثواب ہوگا لیکن جس طرح یہاں عام طور پر جلوس نکالے جاتے ہیں ان کا ثبوت اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا۔

اسی طرح چراغاں کا سوال ہے مجھ سے میری ایک لڑکی نے سوال کیا اس نے کہا میں نے اپنے فلاں عزیز سے پوچھا تھا تو اس نے کہا کہ مجلس شوریٰ میں حضرت (خلیفۃ المسیح) نے چراغاں کرنے سے جماعت کو منع کیا تھا، افراد کو نہیں، میں نے کہا ہاں یہ درست ہے اس قدر بات بالکل درست تھی کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ میں نے افراد کو منع نہیں کیا تھا مگر اُس وقت افراد کا سوال بھی تو پیش نہ تھا۔ پھر اِس کے بعد یہ بازگشت میرے کانوں میں آنی شروع ہوئی کہ افراد بے شک چراغاں کریں حالانکہ شوریٰ کے موقع پر جماعت کو منع کرنے کے یہ معنی نہیں تھے کہ افراد بے شک کریں۔ اُس وقت چونکہ جماعت ہی کے بارہ میں مجھ سے سوال کیا گیا تھا میں نے اُتنا ہی جواب دے دیا۔افراد کے متعلق نہ مجھ سے پوچھا گیا اور نہ میں نے بتایا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑھیا عورت آئی جو حضرت خدیجہؓ کی سہیلی تھی اُس کے ساتھ بوجہ اِس کے کہ وہ عمر میں بڑی تھی آپ اس قسم کی بے تکلفی فرما لیتے تھے جیسا کہ بڑوں سے انسان کر لیا کرتا ہے۔ اس نے

دریافت کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! کیا میں جنت میں داخل ہوں گی؟ آپ نے فرمایا کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہو سکے گی۔ درحقیقت اس کا سوال بیوقوفانہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا پتہ کہ کون جنت میں داخل ہوگا۔ پس آپ نے سوال کے رنگ میں ہی جواب دیا اور فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی اس کا مطلب یہ تھا کہ جنت میں سب جوان ہوں گے۔ آخر جنت کی نعماء حظ اُٹھانے کے لئے ہیں اور اگر نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، ہو کمر جھکی ہوئی ہو، آنکھیں بصارت کھو چکی ہوں تو جنت کی نعماء سے انسان کیا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ پس آپ کا جواب بالکل درست تھا اور سوال کے مطابق الفاظ میں دیا گیا تھا۔ اُس عورت نے نہ غور کیا اور نہ آپ سے پوچھا بلکہ یہ بات سنتے ہی رونے لگ گئی اس پر آپ نے فرمایا تم روتی کیوں ہو؟ اُس نے کہا اس لئے کہ آپ فرماتے ہیں تو جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم داخل نہیں ہوگی میں نے تو کہا ہے کہ کوئی بڑھیا داخل نہیں ہو سکے گی اور یہ صحیح بات ہے کیونکہ جنت میں سب جوان ہو کر داخل ہوں گے[۲]۔ تو اسی رنگ میں اپنی لڑکی کو جواب دیا اور کہا کہ میں نے افراد کو چراغاں سے منع نہیں کیا تھا میرا مطلب یہ تھا کہ شوریٰ میں سوال ہی جماعت کا تھا ورنہ مذہبی خوشیوں کے مواقع پر چراغاں شریعت سے ثابت نہیں ہاں عیسائیوں سے ثابت ہے۔ بعض نقال کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بادشاہ کی جوبلی پر چراغاں کیا مگر بادشاہ کی جوبلی پر تو میں بھی کرنے کو تیار ہوں سوال تو یہ ہے کہ کیا خلافت جوبلی پر بھی ایسا کرنا جائز ہے؟ ہمیں کئی ہندو ملتے ہیں اور ہاتھ سے سلام کرتے ہیں اور جواب میں ہم بھی اُس طرح کر دیتے ہیں مگر مسلمان تو اس طرح نہیں کرتے بلکہ اسے تو **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ** کہتے ہیں تو جن چیزوں کی حرمت ذاتی نہیں بلکہ نسبتی ہے بلکہ حرمت ہے ہی نہیں صرف کراہت ہے اسے ہم اپنے لئے تو اختیار نہیں کر سکتے ہاں دوسرے کیلئے کرنے کو تیار رہیں جب ترکی سفیر حسین کامی یہاں آیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک خاص آدمی بھیج کر لاہور سے اس کیلئے سگریٹ اور سگار منگوائے کیونکہ قرآن کریم میں تمباکو کا ذکر نہیں آتا صرف قیاس سے اس کی کراہت ثابت کی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اس سے کراہت کرتے تھے مگر

مہمان کیلئے لاہور سے منگوائے۔ اسی طرح چراغاں اپنی ذات میں بے شک منع نہیں سب لوگ اپنے گھروں میں لیمپ یا دیئے وغیرہ جلاتے ہیں اس لئے غیروں کی دلجوئی اور انہیں خوش کرنے کیلئے ان کی کسی تقریب پر چراغاں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اب بھی اگر بادشاہ یا حکومت کی کوئی تقریب ہو اور وہ کہے کہ چراغاں کرو تو ہم کر دیں گے کیونکہ حکومت کی عزت ہم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے واجب ہے اور ایسا کر دینے سے ہمارا خدا بھی ہم سے خوش ہوگا اور حکومت بھی۔ مگر یہی بات ہم اپنی کسی مذہبی تقریب پر اختیار نہیں کر سکتے اگر تو حکم کے ماتحت چراغ جلاتے ہیں تو ہمیں ثواب بھی پہنچتا ہے کہ ہم نے حکم مانا یہ جلانا ضائع نہیں جائے گا ورنہ یوں کسی غریب کو روٹی کھلا دینا اِس سے بہت زیادہ بہتر ہے کہ انسان گھر میں پندرہ بیس دیئے جلا لے۔ دیئے جلانے میں کم سے کم ڈیڑھ دو آنہ کا تیل تو ضائع ہوگا اور اتنے پیسوں میں دو غریبوں کا جو فاقہ سے تڑپ رہے ہوں پیٹ بھرا جا سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اچھا ہے کہ دیئے جلا کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا لی جائے یا کسی غریب کا پیٹ بھر کر اللہ تعالیٰ کو خوش کیا جائے۔ تو چراغاں کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ اس کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ شریعت نے صدقہ کا حکم دیا ہے اور اس سے کئی فوائد بھی ہیں اس طرح کئی لوگوں کی طرف جن کا ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا توجہ ہو جاتی ہے اور پھر دوسرے کی مصیبت اور اپنی خوشی کے موقع پر اس کی طرف توجہ ہو جاتی ہے پس ایسی تقریبات کے موقع پر ہمیں خیال رکھنا چاہیے کہ یورپین لوگوں کی نقل نہ ہو بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے متعلق فرمائے گا کہ ان کو جنت میں اعلیٰ انعام دو۔ میں بھوکا تھا انہوں نے مجھے کھانا کھلایا میں ننگا تھا انہوں نے مجھے کپڑے پہنائے وہ لوگ استغفار پڑھیں گے اور کہیں گے یا الٰہی! یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تو بھوکا پیاسا یا ننگا ہو اور ہم کنگال کیا حیثیت رکھتے تھے کہ تجھے کھانا کھلاتے یا کپڑے پہناتے مگر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ نہیں تم نے ایسا ہی کیا جبکہ میرے غریب بندے بھوکے تھے اور تم نے اُن کو کھانا کھلایا وہ پیاسے تھے تم نے انہیں پانی پلایا وہ ننگے تھے اور تم نے انہیں کپڑے پہنائے [۵] غور کرو یہ کتنا عظیم الشان درجہ ہے جو غریبوں کو کھانا کھلانے سے حاصل ہو سکتا ہے اور خوشیوں کو ایسے رنگ

میں منانے سے ہوسکتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مگر تیل خرچ کر دینے پر خدا تعالیٰ کیا کہہ سکتا ہے کیا وہ کہے گا کہ ان میرے بندوں کو جنت میں اعلیٰ درجہ کے انعام دو کیونکہ یہ بازار سے تیل خرید کر لائے ، بہت سے دیئے جلائے اور اس طرح اپنی آنکھیں تو خوش کر لیں مگر میرے کسی بھوکے اور پیاسے بندے کی خبر نہ لی۔ یہ فقرہ اللہ تعالیٰ کی زبان پر سجتا نہیں مگر وہ دوسرا فقرہ تو دل کو لگتا ہے اور اُس سے ایسا درد پیدا ہوتا ہے کہ ہر انسان کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کسی طرح اسے خدا تعالیٰ سے اپنے لئے سن لے۔ مگر یہ تو ایسا ہے کہ نہ اسے کان برداشت کر سکتے ہیں اور نہ خدا تعالیٰ کی زبان سے زیب دیتا ہے۔

پس جو کرنا چاہو کرو لیکن شریعت کے مطابق کرو اور ایسے رنگ میں کرو کہ دنیا بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکے جب تمہارے کام دنیا کے لئے مفید بن جائیں گے تو خدا تعالیٰ دنیا کے دوسرے کاموں کو بھی تمہارے لئے مفید بنا دے گا۔ جب تم لوگوں کیلئے اپنے کاموں کو مفید بناؤ گے تو خدا تعالیٰ دوسروں کے کام تمہارے لئے مفید بنا دے گا۔

دوسری بات جو میں کہنا چاہتا ہوں اور جس کیلئے اب میں ایک دو منٹ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا یہ ہے کہ جلسہ سالانہ کے دن قریب ہیں اس لئے دوستوں کو چاہیے کہ اپنی خدمات اور مکانات بھی پیش کریں جن کے دلوں میں یہ جوش اُٹھتا ہے کہ جوبلی کے موقع پر شعر پڑھتے ہوئے چلتے جائیں انہیں چاہیے کہ جلسہ پر آنے والوں کیلئے مکان بھی خالی کر کے دیں اور اپنی خدمات بھی پیش کریں۔ پس اگر جوبلی کے موقع پر خوشی منانا چاہتے ہو تو اس کا بہترین طریق یہی ہے کہ غرباء کو کھانا کھلاؤ مکانات خالی کر کے مہمانوں کیلئے پیش کرو اور اپنے افراد کو زیادہ زیادہ تعداد میں فارغ کر کے خدمات کیلئے پیش کرو۔ یہ تو ٹھیک نہیں کہ تم لوگوں کیلئے اعلان تو یہ کرو کہ آجاؤ آجاؤ اور اگر وہ آجائیں تو نہ ان کے رہنے کیلئے کوئی مکان ملے اور نہ کوئی خدمت کرنے والا ہو۔ لوگ آئیں اور یہاں ان کیلئے نہ رہائش کا انتظام ہو اور نہ کوئی پوچھنے والا ہو تو وہ یہی کہیں گے کہ یہ کتنے بے حیا لوگ ہیں پہلے تو شور کر رہے تھے کہ آؤ آؤ اور اب آئے تو کہتے ہیں کہ تم سے کوئی جان پہچان ہی نہیں۔ جب لوگ زیادہ آئیں گے تو ان کے کھانے پینے کیلئے بھی زیادہ اشیاء درکار ہوں گی مکان بھی زیادہ درکار

ہوں گے اور خدمت کرنے والے بھی زیادہ زیادہ چاہئیں۔

میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ منتظمین کا یہ خیال کہ اس موقع پر بہت زیادہ روسا آئیں گے اور سینکڑوں غیر احمدی امراء شامل ہوں گے صحیح نہیں تمہارے دلوں میں بے شک خلافت اور خلافت جوبلی کی عزت ہوگی مگر دوسروں کے نزدیک اس کی کیا عزت ہوسکتی ہے پندرہ بیس غیر احمدی رؤسا تو ممکن ہے رونق دیکھنے کے لئے آجائیں یا ممکن ہے کچھ احمدیوں کے دوست آجائیں مگر یہ کہ ہزاروں دوڑے چلے آئیں گے یہ غلط ہے ان کے نزدیک خلافت جوبلی کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ اہمیت۔ ایاز قدرِ خود بشناس۔ آج تمہاری کیا حیثیت ہے کہ بڑے بڑے لوگ دوڑے چلے آئیں گے آج اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو بے شک تمہاری قدر ہے مگر بڑے لوگوں کے نزدیک کوئی نہیں۔ آج تو بعض جگہ ایک نمبردار بھی تمہارے پاس سے گزرتا ہے تو ناک چڑھا کر کہہ دیتا ہے کہ یہ بے حیثیت لوگ ہیں مگر تم سمجھتے ہو کہ تمہاری بڑی اہمیت ہے۔ آج صرف خدا تعالیٰ کے گھر میں تمہاری اہمیت ہے اس لئے اُسی کی طرف توجہ کرو جس کے گھر میں تمہاری عزت ہے، اُسی پر نگاہ رکھو دنیا داروں کے نزدیک ابھی تمہاری عزت کوئی نہیں۔ بے شک ایک دن آئے گا جب ان کے نزدیک بھی عزت ہوگی اور اُس وقت یہ لوگ بھی کہیں گے کہ ہم تو ہمیشہ سے ہی اِس طرف مائل تھے مگر ابھی وہ دن نہیں آیا۔ اس کیلئے ابھی بہت زیادہ قربانیوں کی ضرورت ہے جب وہ کرلو گے تو وہ دن آئے گا اور اس وقت بادشاہ بھی تمہاری طرف مائل ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم تو بچپن سے ہی اِس طرف مائل تھے محض اتفاق ہے کہ اب تک اِس طرف نہ آسکے۔ گو اب تو معمولی نمبردار بھی ناک چڑھا کر گزر جاتا ہے اور کہتا ہے معلوم نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں اور کون نہیں۔

ہر زمانہ کی حیثیت علیحدہ ہوا کرتی ہے ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں مخالفین نے مسجد کا دروازہ بند کردیا اور آپ کئی دفعہ گھر میں پردہ کرا کرلوگوں کو مسجد میں لاتے اور کئی لوگ اوپر سے ہوکر آتے سال یا چھ ماہ تک یہ راستہ بند رہا آخر مقدمہ ہوا اور خدا تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ دیوار گرائی گئی بعض خوابیں بھی عجیب ہوتی ہیں میں نے اُس زمانے میں خواب دیکھا کہ میں بڑی مسجد سے جارہا ہوں اور دیوار

گرائی جارہی ہے میں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو مولوی صاحب یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل تشریف لارہے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ دیوارگرائی جارہی ہے خدا کی قدرت ہے کہ پہلے ایک مقدمہ ہوا وہ فیل ہوا دوسرا ہوا وہ ناکام ہوا تیسرے میں کامیابی ہوئی اور دیوارگرانے کا حکم ہوا۔ مسجد اقصیٰ میں حضرت خلیفہ اوّل درس دے رہے تھے جب درس ختم ہوا اور میں گھر کو چلا تو دیکھا کہ دیوارگرائی جارہی ہے میں نے پیچھے دیکھا تو حضرت خلیفہ اوّل آرہے تھے اور میں نے ان سے کہا کہ دیوارگرائی جارہی ہے بعینہٖ اسی طرح ہوا جس طرح میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے یہ خواب حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کو سنائی ہوئی تھی اور انہوں نے میری بات سن کر فرمایا کہ تمہاری خواب پوری ہوگئی۔

پھر وہ بھی دن تھے کہ چوک میں جہاں آج کل موٹریں گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں اس کے سامنے لوگ جانور باندھنے کیلئے کیلے گاڑ کر جانور باندھ دیتے تھے اور جب احمدی اندھیرے میں مہمان خانہ سے نماز کیلئے آتے تو ٹھوکریں کھا کر گرتے۔ مگر آج یہ زمانہ ہے کہ کہتے ہیں قادیان میں احمدی ظلم کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ مان لو احمدی ظلم کرتے ہیں۔ مگر کیا یہ اللہ تعالیٰ کا نشان نہیں۔ میں مان لیتا ہوں کہ احمدیوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم پر عمل نہ کیا مگر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی تو بہر حال ظاہر ہے۔ مانا کہ ہم ظالم ہوگئے مگر اس ظلم کی توفیق کا ہمیں ملنا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کا پورا ہونا ہے تم ہمیں ظالم مان لو مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تو ایمان لے آؤ۔

اس میں شبہ نہیں کہ غالباً جماعت کے لوگ اس سال زیادہ آئیں گے گو بعض روکیں بھی ہیں جنگ کی وجہ سے سرکاری ملازموں کو چھٹیاں نہیں مل سکیں گی یا کم ملیں گی اس لئے ان میں کمی کا امکان ہے اس لئے ممکن ہے کمی بیشی اس طرح پوری ہو جائے لیکن بہر حال سمجھنا یہی چاہیے کہ اس سال پہلے سے زیادہ لوگ آئیں گے اس لئے زیادہ مکانوں اور زیادہ خادموں کی ضرورت ہوگی اور اگر واقعہ میں تمہارے دلوں میں خوشی ہے تو اس کا اظہار اس طرح کرو کہ زیادہ سے زیادہ مکانات خالی کر کے دو اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں خدمات

کیلئے پیش کرو۔ یہ ہم خرما وہم ثواب کا موجب ہوگا خوشی بھی حاصل ہو جائیگی اور ثواب بھی حاصل ہوگا اور اگر ثواب کی نیت نہ ہوگی تو میلہ ٹھیلہ تو ہو ہی جائے گا۔ میلوں میں کیا ہوتا ہے جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو دیکھنے والے کو کیا مل جاتا ہے کیا اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا ہے یا اسے کوئی اور ذاتی خوشی حاصل ہوتی ہے؟ لوگ کندھے سے کندھے لگاتے ہوئے چلتے ہیں اور تمہاری باچھیں یونہی کھل جاتی ہیں گویا تمہارے گھر میں ہن برس گیا تو اجتماع میں اللہ تعالیٰ نے خوشی رکھی ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک مولوی میلوں کے خلاف بہت وعظ کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ یہ بدعت ہے دنیا گمراہ ہوگئی لوگوں نے سنت کو چھوڑ دیا وہ کوئی مہینہ بھر پہلے ہی شور مچاتا رہتا مگر جب میلہ کا دن آتا تو جبہ پہنے دوڑتا ہوا میلہ کی طرف چل دیتا اور جب کوئی پوچھتا کہ مولوی صاحب! کہاں جارہے ہیں؟ تو کہتا دنیا گمراہ ہوگئی سمجھانے جاتا ہوں اور وہاں کونے میں کھڑا ہوکر تماشا دیکھنے لگ جاتا اور جب کوئی پوچھتا کہ مولوی صاحب! آپ یہاں کہاں وہ کہتا کہ حیران کھڑا ہوں کوئی سنتا ہی نہیں۔ تو ہجوم ایک ذریعہ خوشی کا ہوتے ہیں۔ کسی روتے ہوئے شخص کو میلہ میں لے جاؤ تو اس کی توجہ بھی ادھر ہو جائیگی اور وہ خوش ہو جائے گا حالانکہ ذاتی طور پر اس کیلئے خوشی کا کوئی سامان اس میں نہیں ہوتا خواہ کوئی پیسہ کے پکوڑے بھی میلہ میں جاکر نہ کھائے خواہ کوئی بچہ ’’میری گوراؤنڈ‘‘ پر سوار نہ ہو سکے ایک دھیلے کا کھلونا بھی نہ خرید سکے مگر وہ ماں سے اصرار ضرور کرے گا کہ میں میلہ میں ضرور جاؤں گا تو ہجوم میں ایک خوشی انسان کو حاصل ہوتی ہے۔

پس جو لوگ خدا تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے جوبلی میں ایک سبق پیدا کرنا چاہتے ہیں انہیں تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں مگر جو لوگ چاہتے ہیں کہ جوبلی کی ایک تقریب پر ہجوم زیادہ ہوتا وہ زیادہ خوشی حاصل کر سکیں ان کو بھی چاہیے کہ وہ مکان بھی زیادہ خالی کر کے دیں اور خدمات کے لئے زیادہ سے زیادہ نام پیش کریں اور چندے بھی زیادہ دیں ابھی تو میں اخباروں میں یہی شور پڑھتا ہوں کہ چندہ پورا نہیں ہوا۔ پس اگر تمہاری عقیدت سچی ہے تو خوشی کا اظہار ایسے رنگ میں کرو کہ ثواب بھی ہو اور خوشی بھی حاصل ہو جائے اور

اس کی یہی صورت ہے کہ اپنے مالوں، جانوں اور مکانوں کی زیادہ سے زیادہ قربانی پیش کرو۔

(الفضل ۱۴ دسمبر ۱۹۳۹ء)

---

۱ کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۴۶۱ مطبوعہ حلب ۱۹۷۷ء

۲ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (بنی اسرائیل: ۲۴)

۳ السیرة الحلبیة جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ء مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۴ مشکوٰة باب المزاح صفحہ ۴۱۶ مطبوعہ کراچی ۱۳۶۸ھ

۵ مسلم کتاب البر والصلة باب فضل عیادة المریض

خلافت جوبلی کی تقریب کے متعلق

خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲؍جنوری ۱۹۴۰ءسورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں آج ایک اہم امر کے متعلق خطبہ پڑھنا چاہتا تھا اور میں اس بات کی ضرورت سمجھتا تھا کہ اس مضمون کو زیادہ بسط کے ساتھ بیان کیا جائے لیکن جلسہ کے بعد جو انفلوئنزا کا حملہ مجھ پر ہوا پیچھے اِس میں بہت حد تک کمی آجانے کے بعد پرسوں سے پھر دوبارہ میرے سینہ پر نزلہ گرنا شروع ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے میں زیادہ نہیں بول سکتا اور نہ اونچا بول سکتا ہوں مگر مضمون کی اہمیت اور اس کا موقع یہ چاہتا ہے کہ میں اِسے پیچھے نہ ڈالوں اور جلد سے جلد اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار جماعت کے سامنے کر دوں اس لئے باوجود طبیعت کی خرابی کے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ میں آج خطبہ میں اسی مضمون کو بیان کروں۔

ہماری جمات نے اس جلسہ کو جو ابھی گزرا ہے ایک خوشی اور شکریہ کا جلسہ قرار دیا ہے کیا بلحاظ اِس کے کہ باوجود دنیا بھر کی مخالفتوں کے وہ نبوت کا پیغام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں لائے تھے اور جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میری بڑی مشکلات میں سے ایک نبوت کا مسئلہ بھی رہا ہے کیونکہ لوگ اِس مسئلہ کے سمجھنے کی قابلیت کم رکھتے تھے اور غلط خیالات اور غلط عقائد نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا قبضہ جما لیا تھا کہ وہ اِس عقیدہ میں کسی اصلاح کیلئے تیار نہ تھے باوجود دنیا کی مخالفت کے پچاس سالہ عرصہ میں برابر دنیا میں پھیلتا چلا گیا ہے اور جس عقیدہ کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ کسی صورت میں تسلیم کئے جانے کے قابل نہیں وہ دنیا کے ہر گوشہ میں تسلیم کیا جانے لگا ہے اور آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا کے تمام براعظموں میں اس عقیدہ کے ماننے والے لوگ

موجود ہیں اور دوسرے اس وجہ سے اس جلسہ کو ایک خوشی کا جلسہ قرار دیا گیا کہ وہ خلافت جو تابع نبوت ہوتی ہے اس کے متعلق بھی لوگوں میں ایسے ہی خیالات موجود تھے اور لوگ سمجھتے تھے کہ خلافت کا خیال دنیا میں قائم نہیں رہ سکتا اور اس آزادی اور نام نہاد ڈیما کریسی کی موجودگی میں خلافت دنیا میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہ خیال زیادہ تر دوسری خلافت کے شروع میں پیش کیا گیا اور اس پر بہت کچھ زور دیا گیا مگر باوجود اس کے گزشتہ پچیس سال میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کی عظمت قائم کی اور اس کے دامن سے جو لوگ وابستہ تھے انہیں ہر میدان میں فتح دی اور ان کا قدم ترقی کی طرف بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ پچیس سال میں جماعت کہیں کی کہیں پہنچ گئی۔

ہماری جماعت کی ترقی اور اِس کی رفتار کی تیزی اس امر سے ہی سمجھی جاسکتی ہے کہ آج ہم ایک معمولی جمعہ کیلئے یہاں جمع ہوئے ہیں جس میں کوئی خاص خصوصیت نہیں صرف قادیان اور چند اِردگرد کے دیہات کے لوگ شامل ہیں مگر باوجود اس کے اس مسجد میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی مسجد سے چار گُنے سے بھی زیادہ ہو چکی ہے تمام لوگ بھرے ہوئے ہیں اور ابھی مستورات کیلئے علیحدہ انتظام ہے وہ حصہ اِس سے قریباً تہائی ہوگا اور وہ بھی تمام کا تمام بھرا ہوا ہوتا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری سال جو جلسہ سالانہ ہوا اس میں جو احمدی شامل ہوے وہ اس مسجد کے چوتھے حصہ میں سما گئے تھے۔ ہمارے دادا کی جو قبر ہے یہ انتہائی اور آخری حد تھی اور میرے بائیں طرف دو تین گز چھوڑ کر جو ستون ہے وہ اس کی ابتدائی حد تھی میرے دائیں طرف مسجد کا کل حصہ اسی طرح بائیں طرف کا برآمدہ اور قبر سے لے کر مشرق کی طرف کا سب حصہ یہ سب زائد ہیں اس نسبت سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ حلقہ اُس وقت کے اجتماع سے چار گُنے سے بھی زیادہ ہوگا۔ یہ اُس وقت کے جلسہ کے لوگوں کی کل تعداد تھی اور اِس تعداد کو اتنا اہم سمجھا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس جلسہ میں متواتر فرمایا کہ ہم سمجھتے ہیں ہمارا کام دنیا میں ختم ہو چکا ہے مگر آج ہمارے ایک معمولی جمعہ میں اس سے چار گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی موجود ہیں۔ تو یہ دونوں باتیں چونکہ ہماری جماعت کیلئے خوشی کا موجب تھیں اس لئے انہوں نے اس سالانہ

جلسہ کو دو خوشیوں کا موجب قرار دیا۔ ایک خوشی تو یہ کہ پیغامِ نبوت پچاس سالہ کامیابی کے ساتھ باوجود دشمنوں کی مخالفت کے ایسی شان و شوکت پیدا کر چکا ہے کہ دنیا اس کی اہمیت تسلیم کرنے پر مجبور ہے دوسری خوشی یہ کہ پیغامِ خلافت پچیس سالہ مخالفت بلکہ شروع خلافت کے وقت کے جماعت کے عمائدین کی مخالفت کے باوجود ترقی کرتا چلا گیا یہاں تک کہ آج خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ دنیا کے تمام حصوں کو منظّم کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔ دنیا میں جب کسی شخص کو کوئی خوشی پہنچتی ہے یا جب کوئی شخص ایسی بات دیکھتا ہے جو اس کیلئے راحت کا موجب ہوتی ہے تو اگر وہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتا ہے تو وہ ایسے موقع پر یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ہے کہ ہم کو یہ بات حاصل ہوئی اور جب کسی مسلمان کو ایسی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اِس مفہوم کو عربی زبان میں ادا کرتا اور کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔تو اس جلسہ پر ہماری جماعت نے جو خوشی منائی اس کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ یہی بنے گا کہ پیغام نبوت اور پیغام خلافت کی کامیابی پر ہماری جماعت نے اس سال اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا مگر باقی دنیا اور اسلام کی تعلیم میں ایک فرق ہے۔ باقی دنیا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو اپنی آخری آواز سمجھتی ہے مگر اسلام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کو نہ صرف آخری آواز قرار دیتا ہے بلکہ اس کو ایک نئی آواز بھی قرار دیتا ہے اسلامی تعلیم کے مطابق اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کائنات کے آدم اوّل کی بھی آواز تھی جیسا کہ وہ کائنات کے آدم آخر کی آواز ہے اور اس طرح اسلام اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے ساتھ اگر ایک سلسلہ اور ایک کڑی کو ختم کرتا ہے تو ساتھ ہی دوسرے سلسلہ اور دوسری کڑی کو شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ سورۃ فاتحہ میں ہم کو یہی بتایا گیا ہے۔ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کامیابی اور خوشی دیکھ کر ایک مسلم کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سورۃ فاتحہ کی آخری آیت نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت اور جب ہم اسے پڑھتے چلے جاتے ہیں تو اس کے درمیان ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ[1] یعنی اے ہمارے ربّ! الحمد کے نتیجہ میں ایک اور پروگرام ہمارے سامنے آ گیا ہے اور ایک نئے کام کی بنیاد ہم نے ڈال دی ہے ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم پورے طور پر اس کام کو چلانے کی کوشش کریں گے اور ہم تجھ سے چاہتے ہیں کہ تو اس راہ میں ضروری سامان ہمیں مہیا کر

اور ہماری نصرت اور تائید فرما۔ پس اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کو پہلے رکھ کر اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کو بعد میں رکھ کر اسلام نے یہ بتایا ہے کہ کوئی حمد اسوقت تک حقیقی حمد نہیں کہلاسکتی جب تک اس کے ساتھ ایک نئے کام کی بنیاد نہ ڈالی جائے ہر حمد جو حمد پر ختم ہو جاتی ہے وہ درحقیقت حمد نہیں بلکہ ناشکری ہے لفظ چاہے حمد کے ہوں مگر حقیقت اس میں ناشکری کی پائی جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کی ایک مثال پائی جاتی ہے آپؐ رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے اور بعض دفعہ اتنی لمبی دیر نماز میں کھڑے رہتے کہ آپؐ کے پاؤں سوج جاتے[۲] جب آپ بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور آپ میں اتنی طاقت نہ رہی کہ آپ اس مجاہدہ کو آسانی سے برداشت کرسکیں تو ایک دفعہ آپ کی بیوی نے کہا کہ آپ اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں؟ کیا آپؐ کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تیرے اگلے پچھلے ذنوب معاف فرما دیئے ہیں اور کیا آپ کے ساتھ اس کی بخشش کے وعدے نہیں؟ جب ہیں تو آپ اس قدر تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اے عائشہ (حضرت عائشہ کی طرف سے ہی یہ سوال تھا) اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا[۳] کیا میں خدا تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں جب خدا نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا ہے اور اس کا یہ احسان تقاضا کرتا ہے کہ میں آگے سے بھی زیادہ اس کی عبادت کروں اور آگے سے بھی زیادہ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت میں لگ جاؤں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یہی بتایا ہے کہ انعام کے نتیجہ میں اَلْحَمْدُ مومن کا آخری قول نہیں ہوتا بلکہ وہ آخری قول بھی ہوتا ہے اور نئے کام کی بنیاد بھی ہوتا ہے۔ بہت لوگ جو اس حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں ان پر جب کوئی احسان ہوتا ہے تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے بڑا کام کر لیا اور یہ کہ اب ان کا کام ختم ہو گیا مگر اسلام ایسا نہیں کہتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کہتے بلکہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی احسان ہوتا ہے تو اس کے بعد بندوں پر نئی ذمہ داریاں رکھی جاتی ہیں اگر وہ ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کیلئے تیار رہوں تب وہ مستحق ہوتے ہیں اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہنے کے اور تبھی ان کی اَلْحَمْدُ سچی اَلْحَمْدُ کہلاسکتی ہے۔ لیکن اگر ہم کام ختم

کر دیتے ہیں یا اس کی قدر نہیں کرتے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہماری حمد جھوٹی تھی کیونکہ ہم فرض کر لیتے ہیں کہ وہ کام جس پر ہم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا ایسا اچھا نہ تھا اگر اچھا ہوتا تو اسے جاری رکھتے بلکہ اسے بڑھانے اور ترقی دینے کی کوشش کرتے پس یہ جوخوشی کا جلسہ ہوا اِس نے درحقیقت ہماری ذمہ داریوں کو بہت بڑھا دیا ہے ممکن ہے اگر یہ جلسہ نہ ہوتا تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ کا ہم پر اتنا بڑا احسان ہے مگر اب کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے۔ اب ہر شخص نے اس امر کا اقرار کرلیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بہت بڑا احسان کیا اور جب خدا نے احسان کیا ہے تو اس کو اب بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے یا ختم کرنیکی۔ پس میرے نزدیک اس جلسہ نے ہماری جماعت پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد کردی ہے۔ یوں تو ہر روز خدا تعالیٰ کی جماعت کو خوشیاں پہنچتی ہی رہتی ہیں مگر ہر روز جشن نہیں منائے جاتے ایک خاص جلسے کے منانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک منزل پر پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے اپنے کام میں ایک درجہ کو حاصل کرلیا ہے۔ پس اس کے بعد ایک نئی ولادت کی ضرورت ہے گویا پہلا سلسلہ ختم ہوا اور اب ایک نیا سلسلہ شروع ہوگا جیسے ایک دانہ بویا جاتا ہے تو اس سے مثلاً ۷۰ یا ۱۰۰ دانے نکل آتے ہیں اب ۷۰ اور ۱۰۰ دانوں کا نکل آنا اپنی ذات میں ایک بڑی کامیابی ہے مگر وہ پہلے بیج کا ایک تسلسل ہوتا ہے اور زمیندار اسے کوئی نیا کام نہیں سمجھتا بلکہ وہ سمجھتا ہے میرے پہلے کام کا ہی سلسلہ جاری ہے لیکن جب زمیندار ان نئے دانوں کو پھر زمین میں ڈال دیتا ہے تو اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اب میرے کام کا نیا دَور شروع ہوا۔ کام تو وہی ہے مگر اب کام کے دور میں فرق کرنے لگ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرا پہلا کام ختم ہوا اور اب ایک نیا کام شروع ہے۔ اسی طرح جب ہماری جماعت نے اس جلسہ کو خوشی کا جلسہ قرار دیا تو بالفاظِ دیگر انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ہمارا پہلا بیج جو بویا ہوا تھا اُس کی فصل پک گئی اب ہم نیا بیج بو رہے ہیں اور نئی فصل تیار کرنے میں مصروف ہو رہے ہیں۔ یہ اقرار بظاہر معمولی نظر آتا ہے لیکن اگر جماعت کی حالت کو دیکھا جائے تو اِس اقرار کی اہمیت بہت بڑھ جاتی اور اِس پر ایسی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ اگر اِس کے افراد رات دن کوشش نہ کریں تو اِس ذمہ داری

سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

اِس پچاس سالہ دور کے متعلق ہم نے جو خوشی منائی ہمیں غور کرنا چاہیے کہ اس دور کی پہلی فصل کس طرح شروع ہوئی تھی جب ہم اس نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس پہلی فصل کا بیج صرف ایک انسان تھا رات کو دنیا سوئی۔ساری دنیا اس بات سے ناواقف تھی کہ خدا اس کے لئے کل کیا کرنے والا ہے۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کل کیا ظاہر کرنے والی ہے۔ یہ آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے ایک فرد بھی دنیا کا نہیں تھا جس کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یک دم بغیر اس کے کہ پہلے کوئی انتباہ ہو بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اِنذار ہو، بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اعلان ہوا ایک شخص جس کو خود بھی یہ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے خدا نے اُس کو جگایا اور کہا کہ ہم دنیا میں ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنانا چاہتے ہیں اور تم کو اِس زمین اور آسمان کے بنانے کیلئے معمار مقرر کرتے ہیں۔ اُس کیلئے یہ کتنی حیرت کی بات ہوگی اس وسیع دنیا میں بڑی بڑی حکومتیں قائم تھیں بڑے بڑے نظام قائم تھے پھر اس وسیع دنیا میں باوجود مسلمانوں کے سابقہ شوکت کھو چکنے کے آج سے پچاس سال پہلے ان کی حکومتیں موجود تھیں۔ٹرکی ابھی ایک بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی ،مصر ابھی آزاد تھا، ایران اور افغانستان آزاد تھے اور یہ اسلامی حکومتیں اسلام کی ترقی اور اس کی تہذیب کا گہوارہ کہلاتی تھیں مگر یہاں وہ آواز پیدا نہیں ہوئی۔ خدا نے ترکوں کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی خدا نے مصر کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی، خدا نے ایران کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی، خدا نے افغانستان کے بادشاہ سے یہ بات نہیں کہی، خدا نے ترکی اور مصر وغیرہ کے جو شیخ الاسلام کہلاتے یا علماء کے رئیس کہلاتے تھے اُن سے یہ نہیں کہا بلکہ ہندوستان کے ایک شخص سے خدا نے یہ بات کہی اور ہندوستان میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے کلکتہ یا بمبئی کے کسی بڑے رئیس یا عالم سے یہ بات نہیں کہی، لاہور یا امرتسر کے کسی بڑے رئیس یا عالم سے یہ بات نہیں کہی، کسی ظاہری مرکز یا علمی اور سیاسی مرکز میں رہنے والے سے یہ بات نہیں کہی بلکہ خدا نے ریل سے دور، تمدن سے دور، تعلیمی مرکزوں سے دور قادیان میں ایک ایسی بستی میں جو کور کہلانے کی مستحق تھی اور جس کے رہنے

والے بالکل جاہل اور تہذیب وتمدن سے کوسوں دور تھے ایک ایسے شخص سے جو نہ عالم سمجھا جاتا تھا، نہ فاضل سمجھا جاتا تھا، نہ مال دار تھا اس کے گھر میں اور اس کے کان میں یہ بات کہی۔ہم کسی صورت میں بھی اندازہ نہیں کر سکتے اُس کیفیت کا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں اُس وقت پیدا ہوئی ہوگی جس لڑائی کی آپ کو خبر دی گئی تھی وہ یقیناً اس جنگ سے بہت اہم تھی اور ہے جو آجکل جرمنی اور برطانیہ وفرانس میں جاری ہے۔تم میں سے آج اگر کسی بچہ کو خواب میں یہ کہا جائے کہ تمہارا فرض ہے کہ جاؤ اور جرمنی کو فتح کر وتو وہ نہایت حیران ہو کر صبح اپنے دوستوں اور ملنے والوں سے کہے گا کہ آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے اور جب وہ بیان کرے گا تو لوگ ہنستے ہوئے کہیں گے کہ معلوم ہوتا ہے رات تم زیادہ کھا گئے ہو گے جس کی وجہ سے تمہیں بدہضمی ہوگئی اور ایسا خواب آ گیا۔ وہ خواب کی طرف کبھی توجہ نہیں کرے گا ہاں کبھی کبھی ہنس کر اپنے دوستوں سے کہہ دے گا کہ میں نے ایک دفعہ ایک عجیب بے ہودہ سا خواب دیکھا تھا مگر اِسی قسم کی کیفیت میں قادیان میں ایک شخص کو الہام ہوتا ہے اور اسے جس جنگ کی خبر دی جاتی ہے وہ اس جنگ سے بہت زیادہ اہم ہے۔ پس اُس کے قلب کی جو کیفیت ہوئی ہوگی اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اگر تو وہ اس الہام کو اس رنگ میں لے لیتا جیسے میں نے بچہ کی مثال دی ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ مجھے بدہضمی ہوگئی ہے یا میں نے زیادہ کھا لیا تھا جس کے نتیجہ میں اِس قسم کا خواب آیا یا بخار کی کیفیت تھی یا نزلہ اس کا باعث تھا تب بھی سمجھ آ سکتا ہے کہ اس نے اس عظیم الشان خبر کو سن کر اسے برداشت کر لیا ہوگا تبھی تو اس نے توجیہہ کر لی کہ یہ محض وہم ہے دماغی خیال یا کسی بیماری کا نتیجہ ہے مگر اس نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ الہام کسی دماغی خرابی کا نتیجہ ہے، اس نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ کسی بیماری کا نتیجہ ہے، اس نے یہ نہیں سمجھا کہ یہ کسی بدہضمی کا نتیجہ ہے، اُس نے اسے خدا ہی کی آواز قرار دیا۔جیسا کہ وہ فی الحقیقت خدا کی طرف سے تھی اور اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ اتفاقی آواز ہے جو میرے کان میں پڑ گئی ہے بلکہ وہ فوراً اس آواز کا جواب دینے کیلئے تیار ہو گیا اور اُس نے کہا اے میرے ربّ! میں تیری طرف سے لڑائی کے لئے حاضر ہوں۔ اگر وہ اس آواز کے جواب میں اپنے نفس کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ یہ میرا وہم ہے یا کسی اندرونی نقص اور بیماری

کا نتیجہ ہے تو بے شک اس کے دل کو صبر آ سکتا تھا اور ہم کہہ سکتے تھے کہ اس کی طبیعت میں اضطراب تو پیدا ہوا ہوگا مگر حد درجہ کا نہیں ۔مگر اس نے جس رنگ میں اس کلام کو لیا اور اس کی اہمیت کو سمجھا وہ بتلاتا ہے کہ اس نے اسے کھیل نہیں سمجھا اس نے اسے بیماری نہیں سمجھا، اس نے اسے بدہضمی نہیں سمجھا، اس نے اسے دماغی خرابی نہیں سمجھا بلکہ اُس نے نہایت یقین اور وثوق کے ساتھ یہ سمجھا کہ خدا نے واقعہ میں یہ کام میرے سپرد کیا ہے۔پس وہ تاریک گھڑیاں اور اس کی بقیہ رات اس پر کیسی گزری ہوگی اِس کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ابھی تمہیں وہ مقام حاصل نہیں کہ تم بڑے لوگوں کی مجلسوں میں جاسکو۔تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ فرانس کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ جرمن کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے یہ موقع مل سکتا ہو کہ وہ انگلستان کے کمانڈر انچیف کے پاس رات گزارے۔مگر باوجود اس کے کہ وہ بہت چھوٹی سی جنگ کیلئے کھڑے ہوئے ہیں باوجود اس کے کہ ان کے پاس سامان موجود ہیں، باوجود اس کے کہ ان کے پاس فوجیں موجود ہیں، باوجود اس کے کہ ان کا تمام ملک ان کی مدد کیلئے کھڑا ہے پھر بھی ان کی راتیں اور دن جس کرب سے گزرتے ہیں اور جس بھاگ دوڑ سے وہ کام لے رہے ہیں اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جن کو کبھی تھوڑی دیر کیلئے ان کے پاس جانے اور رہنے کا موقع ملا ہو مگر یہ شخص جس پر رات آئی اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج انگلستان کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج فرانس کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں، اس کے پاس وہ سامان نہ تھے جو آج جرمنی کے کمانڈر انچیف کو حاصل ہیں۔ پھر ان لوگوں کے پاس صرف سامان ہی نہیں بلکہ ملک کی متحدہ طاقت ان کے ساتھ ہے۔ انگلستان کا کمانڈر انچیف جانتا ہے کہ اگر میرے پاس گولہ بارود ختم ہوگیا تو بھی پرواہ نہیں انگلستان کی تمام طاقت میرے ساتھ ہے اور اس کا بچہ بچہ میرے حکم پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہے فرانس کا کمانڈر انچیف صرف ان سامان کو نہیں دیکھتا جو اسکے پاس ہیں بلکہ وہ جانتا ہے کہ ملک کی تمام آبادی میرے حکم پر لبیک کہنے کیلئے تیار ہے اور جب میں کہوں گا کہ گولہ بارود لاؤ تو وہ گولہ

بارود اکٹھا کر دیں گے جب کہوں گا کہ جانی قربانی کرو تو وہ بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے سر کٹانے کیلئے آگے آجائیں گے اور اگر اور سامانوں کا مطالبہ کروں گا تو وہ حاضر کر دیں گے۔ پھر ان کے سامنے اپنی کامیابیوں کی ایک تاریخ موجو ہے لمبی اور مسلسل تاریخ۔ فرانس کے کمانڈر انچیف کے سامنے فرانس کی کامیابیوں کی ایک لمبی تاریخ ہے اور انگلستان کے کمانڈر انچیف کے سامنے انگلستان کی کامیابیوں کی ایک لمبی تاریخ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ کس طرح بری اور بحری جنگوں میں کودے اور ہر میدان میں وہ فاتح اور کامیاب رہے یہ ساری چیزیں ان کے سامنے موجود ہیں مگر باوجود اِس کے وہ گھبراتے ہیں کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوگا حالانکہ یہ جنگ صرف تلوار کی جنگ ہے دلوں کو فتح کرنے کی جنگ نہیں جو تلوار کی جنگ سے بہت زیادہ اہم اور بہت زیادہ کٹھن ہوتی ہے۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ آواز جو اس کے کان میں پڑی اُس نے اُس کے دل میں کیا تغیر پیدا کیا ہوگا مگر اُس نے اس آواز کو ہنسی میں نہیں ڈالا اس نے اسے پاگلانہ خیال نہیں سمجھا، اس نے اسے بیماری کا نتیجہ قرار نہیں دیا بلکہ اس نے اسے خدا ہی کی آواز قرار دیا اور کہا اے خدا! میں حاضر ہوں۔ اس جواب کے بعد اس نے اپنی باقی رات کس طرح گزاری ہوگی اس کا اندازہ دنیا کا کوئی شخص نہیں لگا سکتا۔ ایک بلبلہ جس طرح سمندر کی سطح پر نمودار ہوتا ہے بالکل اسی طرح وہ دنیا کے سامنے ظاہر ہوا بلکہ بلبلہ اور سمندر کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے ایک چھوٹا سا بیج تھا جو بہت بڑے جنگل میں ڈال دیا گیا جہاں خشکی ہی خشکی تھی اور پانی کا ایک قطرہ نہ تھا جہاں ریت ہی ریت تھی اور مٹی کا ایک ذرہ نہ تھا بلکہ وہ بیج جو بیابان میں ڈال دیا جائے ایسے ریگستان میں ڈال دیا جائے جہاں پانی نہیں اور جہاں مٹی کا ایک ذرّہ نہیں اس کیلئے بھی بڑھنے کا کچھ نہ کچھ موقع ہوسکتا ہے اُس بلبلے کو بھی کچھ دیر زندہ رہنے کا موقع مل جاتا ہے جسے سمندر کی ہوائیں اِدھر اُدھر لے جاتی ہیں مگر اِس کے لئے تو اتنی بھی امید نہ تھی جتنی بلبلے کے متعلق سمندر کی لہروں میں اُمید کی جاتی ہے اور اِس کیلئے اتنی بھی امید نہ تھی جتنی اس بیج کے متعلق امید کی جاسکتی ہے جو ایک وسیع ریگستان میں ڈال دیا جائے۔ پھر کوئی شخص نہ تھا جس سے وہ مشورہ کرسکتا اور وہ مشورہ کرتا تو کس سے کرتا۔ یہ

انسانی آواز نہ تھی کہ اس کے متعلق کسی انسان سے مشورہ لیا جاتا اگر انسانی آواز ہوتی تو کسی دوسرے سے مشورہ لیا جاسکتا تھا اور کہا جاسکتا تھا کہ ایک انسان نے مجھے یہ بات کہی ہے تمہارے بھی جذبات چونکہ ایسے ہی ہیں جیسے اس کے اسلئے مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں اور کس طرح دنیا کا مقابلہ کروں مگر یہ آواز خدا کی آواز تھی اِس لئے وہ کسی بندے سے مشورہ نہیں کرسکتا تھا اور نہ کوئی بندہ ایسا تھا جو اُسے مشورہ دے سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب پہلی دفعہ یہ آواز آئی تو اُس وقت آپ کی جو قلبی کیفیت ہوئی اُس کا پتہ حدیثوں سے لگتا ہے احادیث میں آتا ہے کہ اس آواز کے بعد آپ گھر تشریف لائے آپ بہت گھبرائے ہوئے تھے جسم کانپ رہا تھا کندھوں کا گوشت شدت ہیبت سے ہل رہا تھا اور رنگ اُڑا ہوا تھا آپ کی وفادار بیوی حضرت خدیجہؓ نے جب آپ کو اس حال میں دیکھا تو انہوں نے گھبرا کر کہا کہ میں آپ کو کس حال میں دیکھتی ہوں آپ کو یہ کیا ہوگیا ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدیجہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا ہوگیا مجھے یہ آواز آئی ہے کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ [۴]۔ آسمان کے خدا نے مجھے بلایا ہے تا کہ میں اس کے نام کو لوں اور اسے دنیا میں پھیلاؤں میں حیران ہوں کہ میں اس کام کو کس طرح کروں گا خدائی آواز چونکہ اپنے ساتھ یقین کے انوار رکھتی ہے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے بیماری ہوگئی ہے، آپ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ کوئی دماغی عارضہ ہے یا بدہضمی کا نتیجہ ہے بلکہ آپ نے فرمایا کہ یہ ہے تو آسمان کی آواز مگر جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے میں حیران ہوں کہ اسے کس طرح کروں گا۔ حضرت خدیجہ آخر آپ کی صحبت میں ہی رہنے والی تھیں انہوں نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اس کا بہت ہی لطیف جواب دیا وہ ہے تو عورتوں والا جواب مگر بہت ہی ایمان افزاء ہے۔ عورتیں عموماً سامانوں کو نہیں دیکھتیں بلکہ ان کا ایمان ایمان العجائز ہوتا ہے وہ یہ نہیں دیکھتیں کہ سامان بھی میسر ہیں یا نہیں بلکہ وہ کہتی ہیں کہ کام ہوجائے گا کس طرح ہوگا؟ اس کا انہیں کوئی علم نہیں ہوتا۔ خدیجہؓ کا جواب بھی ویسا جواب ہے انہوں نے فرمایا کَلَّا وَاللّٰہِ لَایُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَداً [۵] آپ کیوں گھبراتے ہیں مجھے خدا کی قسم ہے کہ خدا آپ کو کبھی

رُسوانہیں کرے گا جب اس نے آپ کے سپرد ایک کام کیا ہے تو وہ خود آپ کی مدد کرے گا اور آپ کی کامیابی کیلئے سامان مہیا کرے گا۔حضرت خدیجہؓ نے کا یہ فقرہ تاریخ میں محفوظ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ فقرہ یہی نہیں کہ تاریخ میں محفوظ ہے بلکہ ان فقروں میں سے ہے جن کو تاریخ بھی مٹانہیں سکتی۔ کَلَّا وَاللّٰہِ لَایُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَداً وہی ایمان العجائز ہے، وہی یقین اور وہی وثوق ہے بغیر اس کے کہ وہ عواقب کو دیکھتیں، بغیر اس کے کہ وہ سامانوں پر نظر دَوڑاتیں پس اس واقعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی کیفیت کا کسی قدر اندازہ ہوجاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی الہامات نازل ہوئے کہ اُٹھو اور دنیا کو میری طرف بلاؤ اور دنیا میں پھر میرے دین کو قائم کرو ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہی کیفیت آپ کی بھی ہوئی ہوگی۔آپ بھی حیران ہوئے ہوں گے کہ کہاں میں اور کہاں یہ کام۔قادیان جیسی جگہ میں میرے جیسے انسان کو آج خدا یہ کہہ رہا ہے کہ دنیا، مہذب دنیا طاقتور دنیا، سامانوں والی دنیا سمجھ سے دور پڑی ہوئی ہے اتنی دور کہ دنیا اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتی۔جاؤ اوران گناہ کے قلعوں کو پاش پاش کردو جو اسلام کے مقابلہ میں بنائے گئے ہیں اور جاؤ اوران شیطانی حکومتوں کو مٹا دو جو میری حکومت کے مقابلہ میں قائم کی گئی ہیں اور ان تمام بے دینی کے قلعوں اور شیطانی حکومتوں کی جگہ میری حکومت اور دین کی بادشاہت قائم کرو۔اگر کوئی شخص دُور بین نگاہ رکھتا ہے، اگر کوئی شخص حقیقت کو سمجھ سکتا ہے تو میں کہوں گا کہ یہ مطالبہ اس سے بھی زیادہ مشکل تھا جیسے کسی کو چاند دکھایا جائے اور کہا جائے کہ جاؤ اور اِس چاند کو جا کر توڑ ڈالو۔ وہ تو وہاں جا بھی نہیں سکتا پھر اس سے یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس کو توڑ ڈالے۔ اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تو وہاں پہنچ بھی نہ تھی جہاں خدا آپ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ بھلا کونسے ذرائع آپ کے پاس ایسے موجود تھے کہ آپ امرتسر کے لوگوں تک ہی اپنی آواز پہنچا سکتے یالاہور، بمبئی، اورکلکتہ کے لوگوں تک یہ الٰہی پیغام پہنچا سکتے یا کون سے ذرائع آپ کے پاس ایسے موجود تھے کہ آپ عرب کے لوگوں کو بیدار کر سکتے۔آپ انگلستان اور امریکہ تک اپنی آواز پہنچا سکتے۔ ہزاروں آوازیں دنیا میں گونج رہی تھیں، ہزاروں قومیں

دنیا میں موجود تھیں ، بیسیوں حکومتیں دنیا میں پائی جاتی تھیں جن کی نگاہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اتنی بھی تو عزت نہ تھی جتنی دنیاوی حکومت کے سیکرٹریٹ کے چپڑاسی کی ہوتی ہے مگر خدا نے کہا اُٹھ اور دنیا کو میرا پیغام پہنچا دے اور اُس نے کہا اے میرے ربّ! میں حاضر ہوں ۔اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ کام کیونکر ہوگا اس کا جسم کانپا ہوگا ۔ یقیناً اس کے دل پر رعشہ طاری ہوا ہوگا ۔ یقیناً وہ حیران ہوا ہوگا ۔مگر اس نے یہ نہیں پوچھا کہ یہ کام کیونکر اور کس طرح ہوگا اس کے دل کے تقویٰ اور محبت الٰہی نے اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا اور اس کے جذبۂ فدائیت نے یہ پوچھنے ہی نہیں دیا کہ اے میرے رب! یہ کس طرح ہوگا ؟ اُس نے پہلے کہا ہاں اے میرے ربّ! میں حاضر ہوں اور پھر اس نے سوچا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں یہ کام کس طرح ہوگا ؟ یہی وہ حقیقی اطاعت کا جوش ہے جو لبیک پہلے کہلوا دیتا ہے اور فکر پیچھے پیدا ہوتا ہے ۔

صحابہؓ کی مجلس کا ہی ایک واقعہ ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں تعمیل پہلے ہوتی ہے اور فکر بعد میں پیدا ہوتا ہے ۔

اہل عرب شراب کے سخت عادی تھے ایسے عادی کہ بہت کم لوگ ان کی طرح شراب کے عادی ہوتے ہیں ان کا تمام لٹریچر ،شعر ،نثر اور خطبے شراب کے ذکر سے بھرے ہوئے ہوتے تھے مسلمان بھی چونکہ انہی میں سے آئے تھے اس لئے ان میں بھی وہی عادتیں تھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت شروع میں شراب حرام نہیں کی ۔ مکہ کا سارا زمانہ گزر گیا اور شراب حلال رہی ۔ مدینہ میں بھی چند سال اسی طرح گزر گئے اور شراب کی حرمت نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اب شراب حرام کی جاتی ہے آپؐ مسجد میں آئے اور جو لوگ اُس وقت موجود تھے ان سے کہا کہ اب خدا نے شراب حرام کر دی ہے اور ایک شخص سے کہا کہ جاؤ مدینہ کی گلیوں میں شراب کی حرمت کا اعلان کر دو ۔اُس وقت مدینہ میں ایک خوشی کی مجلس منعقد ہو رہی تھی اور حسب دستور اس مجلس میں شراب کے مٹکے رکھے ہوئے تھے لوگ باتیں کرتے ، گاتے بجاتے اور شرابیں پیتے جاتے تھے ایک بہت بڑا مٹکا وہ ختم کر چکے تھے اور دو مٹکے شراب کے ابھی باقی تھے ۔تم سمجھ سکتے ہو

کہ جہاں شراب کا ایک مٹکا ختم ہو چکا ہو وہاں دماغوں کی کیا کیفیت ہوگی۔ اُس وقت وہ لوگ نشہ میں آئے ہوئے تھے اور اُن کے ہوش و حواس بہت کچھ زائل ہو چکے تھے کہ بازار میں سے اس شخص کی یہ آواز آئی کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے۔ انہیں شراب سے مدہوش لوگوں میں سے ایک شخص گھبرا کر اُٹھا اور کہنے لگا میرے کان میں ایک آواز آئی ہے جو یہ کہہ رہی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی ہے میں باہر نکل کر دیکھوں تو سہی یہ آواز کیسی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر اتنے پر ہی بس ہو جاتی تو یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس محبت کا جو صحابہؓ کے دلوں میں تھی۔ معجزانہ نمونہ ہوتا۔ شراب کے نشہ میں بھلا کون دیکھتا ہے کہ کیسی آواز آ رہی ہے۔ عام حالات میں تو وہ ہنستے اور کہتے کہ شراب کو کون حرام کر سکتا ہے۔ پس اگر بات یہیں تک رہتی تب بھی یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک معجز نما ثبوت ہوتی مگر اِسی پر بس نہیں جب اُس نے یہ کہا کہ میں دیکھوں تو سہی یہ آواز کیسی آ رہی ہے تو ایک اور آدمی جو شراب کے نشہ میں مست بیٹھا ہوا تھا اور شراب پی پی کر اُس کے دماغ میں نشہ غالب آ رہا تھا یک دم اس حالت سے بیدار ہوا اور بولا کہ کیا کہا تم نے؟ ہمارے کان میں آوز پڑتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب حرام کر دی اور تم کہتے ہو تحقیق کرو۔ اِس کی بات کہاں تک سچ ہے خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا میں پہلے شراب کا مٹکہ توڑوں گا بعد میں پوچھوں گا یہ کہہ کر اُس نے سونٹا پکڑ کر زور سے مٹکوں کو مارا اور انہیں توڑ دیا اور شراب صحن میں پانی کی طرح بہنے لگی۔ اس کے بعد اس نے دروازہ کھول کر اعلان کرنے والے سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اعلان کر دوں کہ شراب حرام کر دی گئی ہے اُس نے کہا ہم تو پہلے ہی شراب کے مٹکے توڑ چکے ہیں۔ خدا کی رحمتیں ہوں اُس شخص پر۔ اُس نے عشق کا ایک ایسا نمونہ قائم کیا کہ قیس اور مجنوں کا عشق اگر اس میں کوئی حقیقت تھی بھی اس کے عشق کے مقابل پر مرجھا کر رہ جاتا ہے۔ اِس حقیقی محبت کے مظاہرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں دلیلیں نہیں پوچھی جاتیں وہاں انسان پہلے اطاعت کا اعلان کرتا ہے پھر یہ سوچتا ہے کہ میں اس حکم پر کسی طرح عمل کروں۔ یہی کیفیات

انبیاء کی ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ کا پہلا کلام اُتر تا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت ان کے دلوں میں اتنی ہوتی ہے اتنی ہوتی ہے کہ وہ دلیل بازی نہیں کرتے اور جب خدا کی آواز ان کے کانوں میں پہنچتی ہے تو وہ یہ نہیں کہتے کہ اے ہمارے رب کیا تو ہم سے ہنسی کر رہا ہے کہاں ہم اور کہاں یہ کام بلکہ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب بہت اچھا اور یہ کہہ کر کام کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد سوچتے ہیں کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے۔ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رات کیا۔ خدا نے کہا اُٹھ اور دنیا کی ہدایت کیلئے کھڑا ہو اور وہ فوراً کھڑے ہو گئے اور پھر یہ سوچنے لگے کہ اب میں یہ کام کس طرح کروں گا۔

پس آج سے پچاس سال پہلے کی وہ تاریخی رات جو دنیا کے آئندہ انقلابات کیلئے زبردست حربہ ثابت ہونے والی ہے جو آئندہ بننے والی نئی دنیا کیلئے ابتدائی رات اور ابتدائی دن قرار دی جانے والی ہے اگر ہم اس رات کا نظارہ سوچیں تو یقیناً ہمارے دل اِس خوشی کو بالکل اور نگاہ سے دیکھیں۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو یہ سوچتے ہیں کہ یہ خوشی انہیں کس گھڑی کے نتیجہ میں ملی۔ یہ مسرت انہیں کسی پل کے نتیجہ میں حاصل ہوئی اور کس رات کے بعد ان پر کامیابی و کامرانی کا دن چڑھا۔ یہ خوشی اور یہ مسرت اور یہ کامیابی و کامرانی کا دن اُن کو اُس گھڑی اور اس رات کے نتیجہ میں ملا جس میں ایک تن تنہا بندہ جو دنیا کی نظروں میں حقیر اور تمام دنیوی سامانوں سے محروم تھا اُسے خدا نے کہا کہ اُٹھ اور دنیا کی ہدایت کیلئے کھڑا ہو اور اس نے کہا اے میرے ربّ میں کھڑا ہو گیا یہ وہ وفاداری تھی یہ وہ محبت کا صحیح مظاہرہ تھا جسے خدا نے قبول کیا اور اس نے اپنے فضل اور رحم سے اُس کو نوازا۔

رونا اور ہنسنا دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہیں لیکن محبت کی گفتگو میں اور محبت کے کلاموں میں یہ باتیں آ ہی جاتی ہیں۔ پس میں کہتا ہوں اگر خدا کیلئے بھی رونا ممکن ہوتا اگر خدا کیلئے بھی ہنسنا ممکن ہوتا تو جس وقت خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کہ میں تجھے دنیا کی اصلاح کیلئے کھڑا کرتا ہوں اور آپ فوراً کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہ سوچا تک نہیں کہ یہ کام مجھ سے ہوگا کیونکر؟ اگر اُس وقت خدا کیلئے رونا ممکن ہوتا تو میں یقیناً جانتا ہوں

کہ خدا رو پڑتا اور اگر خدا کیلئے ہنسا ممکن ہوتا تو وہ یقیناً ہنس پڑتا۔ وہ ہنستا بظاہر اِس بے وقوفی کے دعویٰ پر جو تمام دنیا کے مقابلہ میں ایک نحیف و ناتواں وجود نے کیا اور وہ رو پڑتا اِس جذبۂ محبت پر جو اس تن تنہا روح نے خدا کیلئے ظاہر کیا یہی سچی دوستی تھی جو خدا کو منظور ہوئی اور اسی رنگ کی سچی دوستی ہی ہوتی ہے جو دنیا میں کام آیا کرتی ہے۔

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہی یہ واقعہ سنا ہوا ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو ہمیشہ یہ نصیحت کیا کرتا تھا کہ تم جلدی لوگوں کو دوست بنا لیتے ہو یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ سچے دوست کا ملنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے اور وہ کہتا کہ آپ کو غلطی لگی ہوئی ہے میرے دوست سب سچے ہیں اور خواہ مجھ پر کیسی ہی مصیبت کا وقت آئے یہ میری مدد سے گریز نہیں کریں گے۔ اُس نے بہتیرا سمجھایا مگر بیٹے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ باپ نے کہا کہ میں ساٹھ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوں مگر مجھے تو اب تک صرف ایک ہی دوست ملا ہے اور وہ بھی فلاں غریب شخص، جسے اس کا بیٹا حقارت سے دیکھا کرتا تھا اور اپنے باپ سے کہا کرتا کہ آپ اتنے بڑے ہو کر اس سپاہی سے کیوں محبت رکھتے ہیں اور باپ ہمیشہ یہی کہتا کہ مجھے تمام عمر اگر کوئی سچا دوست ملا ہے تو یہی ہے۔ آخر ایک دن اس نے اپنے بیٹے سے کہا تم میری بات نہیں مانتے تو تجربہ کرلو اور اپنے دوستوں سے جا کر کہو کہ میرے باپ نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا ہے میرے پاس رہنے کی کوئی جگہ نہیں میرے لئے رہائش اور خوراک کا انتظام کر دو۔ اُس نے کہا بہت اچھا چنانچہ وہ ایک ایک کے پاس گیا مگر جس دوست کے پاس بھی جاتا وہ پہلے تو کہتا کہ آپ نے بڑی عزت افزائی فرمائی سنایئے آپ کا کیسے آنا ہوا؟ اور جب یہ کہتا کہ میرے باپ نے مجھے نکال دیا ہے اب میں آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ میری رہائش وغیرہ کا انتظام کر دیں تو وہ یہ سنتے ہیں کوئی بہانہ بنا کر اندر چلا جاتا۔ غرض اسی طرح اس نے سارے دوستوں کا چکر لگایا اور آخر باپ کے پاس آ کر کہا کہ آپ کی بات ٹھیک نکلی۔ میرے دوستوں میں سے ایک بھی تو نہیں جس نے مجھے منہ لگایا ہو باپ نے کہا اچھا تم نے اپنے دوستوں کا تو تجربہ کر لیا اب آج کی رات میرے دوست کا بھی تجربہ کر لینا۔ چونکہ وہ امیر آدمی تھا اِس لئے وہ اپنے دوست کے مکان پر نہیں جایا کرتا تھا اکثر وہی اس کے مکان پر آجاتا مگر اس رات وہ اچانک

بیٹے کو ساتھ لیکر اپنے دوست کے مکان پر گیا اور دروازہ پر دستک دی۔ آدھی رات کا وقت تھا اُس نے پوچھا کون؟ اُس نے اپنا نام بتایا کہ میں ہوں وہ کہنے لگا بہت اچھا ذرا ٹھہریئے میں آتا ہوں یہ باہر انتظار کرنے لگ گئے مگر کافی وقت گزر گیا اور وہ اندر سے نہ نکلا یہ دیکھ کر بیٹا کہنے لگا جناب! آپ کا دوست بھی آخر ویسا ہی نکلا۔ باپ کہنے لگا ذرا ٹھہرو مایوس نہ ہو دیر لگانے کی کوئی وجہ ہوگی آخر کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد وہ دوست باہر نکلا اس کی حالت یہ تھی کہ اس نے گلے میں تلوار لٹکائی ہوئی تھی ایک ہاتھ میں روپوں کی تھیلی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اُس نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور کہنے لگا معاف کیجئے مجھے دیر ہوگئی اصل بات یہ ہے کہ جب مجھے آپ کی آواز آئی تو میں نے سمجھا کہ ضرور کوئی بڑا کام ہے جس کیلئے آپ رات کو میرے پاس آئے ہیں میں نے سوچا کہ آخر آپ کو مجھ سے اِس وقت کیا کام ہوسکتا ہے اور میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دنیا میں مصیبتیں آتی رہتی ہیں اور بعض دفعہ بڑے بڑے امیر آدمی بھی بلاء میں گرفتار ہو جاتے ہیں پس میں نے سمجھا کہ شاید کوئی بیمار ہے جس کی خدمت کیلئے مجھے بلایا ہے اس لئے میں نے فوراً اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ میرے ساتھ چل ممکن ہے کسی خدمت کی ضرورت ہو۔ پھر میں نے سوچا ممکن ہے کسی دشمن سے مقابلہ ہو جس میں میری جان کی ضرورت ہو سو اِس خیال کے آنے پر میں نے تلوار نکال کر گلے میں لٹکا لی کہ اگر جانی قربانی کی ضرورت ہو تو میں اس کے لئے بھی حاضر ہوں۔ پھر میں نے سوچا کہ آپ امیر تو ہیں ہی مگر بعض دفعہ امراء پر بھی ایسے اوقات آجاتے ہیں کہ وہ روپوں کے محتاج ہو جاتے ہیں پس میں نے سوچا کہ شاید اِس وقت آپ کو روپوں کی ضرورت ہو میں نے ساری عمر تھوڑا تھوڑا جمع کر کے کچھ روپیہ حفاظت سے رکھا ہوا تھا اور اسے زمین میں ایک طرف دبا دیا تھا۔ اس خیال کے آنے پر میں نے زمین کو کھود کر اس میں سے تھیلی نکالی اور اب یہ تینوں چیزیں حاضر ہیں فرمایئے آپ کا کیا ارشاد ہے؟

دنیا کی زبان میں یہ دوستی کی نہایت ہی شاندار مثال ہے اور انسان ایسے جذبات کو دیکھ کر بغیر اس کے کہ وہ اپنے دل میں شدید ہیجان محسوس کرے نہیں رہ سکتا مگر اس دوستی کا اظہار اُس دوستی کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں جو نبی اپنے خدا کیلئے ظاہر کرتے ہیں۔ وہاں

قدم قدم پر قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں اور وہاں قدم قدم پر مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے پس نبیوں کا جواب اپنے خدا کو ویسا ہی ہوتا ہے بلکہ اس سے بہت بڑھ کر جیسے اس غریب آدمی نے امیر آدمی کو دیا۔ بے شک اگر ہم معقولات کی نظر سے اس کو دیکھیں اور منطقی نقطہ نگاہ سے اس پر غور کریں تو اس غریب آدمی کی یہ حرکت ہنسی کے قابل نظر آتی ہے کیونکہ اس امیر کے ہزاروں نوکر چاکر تھے ان کے ہوتے ہوئے اس کی بیوی نے کیا زائد خدمت کر لینی تھی، اسی طرح وہ لاکھوں کا مالک تھا اس کو سَو ڈیڑھ سَو روپیہ کی تھیلی کیا فائدہ پہنچا سکتی تھی اور خود اس کے کئی پہریدار اور محافظ تھے اس کو اس دوست کی تلوار کیا نفع پہنچا سکتی تھی مگر محبت کے جوش میں اس نے یہ نہیں سوچا کہ میری تلوار کیا کام دے گی، میرا تھوڑا سا روپیہ کیا فائدہ دے گا اور میری بیوی کیا خدمت سرانجام دے سکے گی اُس نے اتنا ہی سوچا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ مجھے حاضر کر دینا چاہیے۔ ایسے ہی بے وقوفی کے واقعات میں مجھے بھی اپنا ایک واقعہ یاد ہے کئی دفعہ اس واقعہ کو یاد کر کے میں ہنسا بھی ہوں اور بسا اوقات میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے ہیں مگر میں اِسے بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا کرتا ہوں اور مجھے اپنے زندگی کے جن واقعات پر ناز ہے ان میں وہ ایک حماقت کا واقعہ بھی ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک رات ہم سب صحن میں سو رہے تھے گرمی کا موسم تھا کہ آسمان پر بادل آیا اور زور سے گرجنے لگا اِسی دوران میں قادیان کے قریب ہی کہیں بجلی گر گئی مگر اس کی کڑک اس زور کی تھی کہ قادیان کے ہر گھر کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بجلی شاید ان کے گھر میں ہی گری ہے۔ ہمارے مدرسہ میں ہی ایک واقعہ ہوا جس کو یاد کر کے لڑکے مدتوں ہنستے رہے اور وہ یہ کہ فخر دین ملتانی جو بعد میں مرتد ہو گیا وہ اُس وقت طالبعلم تھا اور بورڈنگ ہاؤس میں رہا کرتا تھا جب بجلی کی زور سے کڑک ہوئی تو اُس نے اپنے متعلق سمجھا کہ بجلی شاید اُس پر گری ہے اور وہ ڈر کے مارے چارپائی کے نیچے چھپ گیا اور زور زور سے آواز دینے لگا کہ بلی بلی۔ بجلی کا لفظ اس کے منہ سے نکلتا ہی نہیں تھا ڈر کے مارے بلی بلی کہنے لگ گیا پہلے تو سارے ہی لڑکے بھاگ کر کمروں میں چلے گئے مگر پھر تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلے تو اسے چارپائی کے نیچے چھپا ہوا پایا اور دیکھا کہ وہ بلی بلی کر رہا ہے۔

آخر پوچھا تو اس کے ہوش ٹھکانے آئے اور کہنے لگا کہ مجھ پر بجلی گر پڑی ہے تو وہ اتنی زور کی کڑک تھی کہ ہر شخص نے یہ سمجھا کہ اسی کے قریب بجلی گری ہے۔ اس کڑک کی وجہ سے اور کچھ بادلوں کی وجہ سے تمام لوگ کمروں میں چلے گئے۔ جس وقت بجلی کی یہ کڑک ہوئی اُس وقت ہم بھی جو صحن میں سور ہے تھے اُٹھ کر اندر چلے گئے مجھے آج تک وہ نظارہ یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب اندر کی طرف جانے لگے تو میں نے اپنے دونوں ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر پر رکھ دیئے کہ اگر بجلی گرے تو مجھ پر گرے ان پر نہ گرے۔ بعد میں جب میرے ہوش ٹھکانے آئے تو مجھے اپنی اس حرکت پر ہنسی آئی کہ ان کی وجہ سے تو ہم نے بجلی سے بچنا تھا نہ یہ کہ ہماری وجہ سے وہ بجلی سے محفوظ رہتے۔ میں سمجھتا ہوں میری وہ حرکت ایک مجنوں کی حرکت سے کم نہیں تھی مگر مجھے ہمیشہ خوشی ہوا کرتی ہے کہ اِس واقعہ نے مجھ پر بھی اُس محبت کو ظاہر کر دیا جو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تھی۔ بسا اوقات انسان خود بھی نہیں جانتا کہ مجھے دوسرے سے کتنی محبت ہے جب اس قسم کا کوئی واقعہ ہو تو اسے بھی اپنی محبت کی وسعت اور اس کی گہرائی کا اندازہ ہو جاتا ہے تو جس وقت محبت کا انتہائی جوش اُٹھتا ہے عقل اُس وقت کام نہیں کرتی محبت پرے پھینک دیتی ہے عقل کو۔ اور محبت پرے پھینک دیتی ہے فکر کو۔ اور وہ آپ سامنے آ جاتی ہے جس طرح چیل جب مرغی کے بچوں پر حملہ کرتی ہے تو مرغی بچوں کو جمع کر کے اپنے پروں کے نیچے چھپا لیتی ہے اور بعض دفعہ تو محبت ایسی ایسی حرکات کرا دیتی ہے کہ دنیا اسے پاگل پنے کی حرکات قرار دیتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جنون دنیا کی ساری عقلوں سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے اور دنیا کی ساری عقلیں اس ایک مجنونانہ حرکت پر قربان کی جاسکتی ہیں کیونکہ اصل عقل وہی ہے جو محبت سے پیدا ہوتی ہے۔

نبی کو بھی جب آواز آتی ہے کہ خدا زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا خدا۔ خدا عزت و شوکت کو پیدا کرنے والا خدا، بادشاہوں کو گدا اور گداؤں کو بادشاہ بنانے والا خدا حکومتوں کو قائم کرنے اور، حکومتوں کو مٹانے والا خدا، دولتوں کے دینے اور دولتوں کو لے لینے والا خد، ارزق کے دینے اور رزق کو چھیننے والا خدا، زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ اور کائنات کا مالک خدا آواز دیتا ہے ایک کمزور و ناتواں اور نحیف انسان کو کہ میں مدد کا محتاج

ہوں میری مدد کرو۔تو وہ کمزور اور ناتواں اور نحیف بندہ عقل سے کام نہیں لیتا وہ یہ نہیں کہتا کہ حضور! کیا فرما رہے ہیں؟ کیا حضور مدد کے محتاج ہیں؟ حضور تو زمین و آسمان کے بادشاہ ہیں میں کنگال غریب اور کمزور آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔ وہ یہ نہیں کہتا بلکہ وہ نحیف ونزار اور کمزور جسم کو لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں کون ہے جو اِن جذبات کی گہرائیوں کا اندازہ کرسکتا ہے سوائے اس کے جسے محبت کی چاشنی سے تھوڑا بہت حصہ ملا ہو۔آج سے پچاس سال پہلے اسی خدا نے پھر یہ آواز بلند کی اور قادیان کے گوشہ تنہائی میں پڑے ہوئے ایک انسان سے کہا کہ مجھے مدد کی ضرورت ہے، مجھے دنیا میں ذلیل کر دیا گیا ہے، میری دنیا میں کوئی عزت نہیں، میرا دنیا میں کوئی نام لیوا نہیں، میں بے یار و مددگار ہوں، اے میرے بندے! میری مدد کر۔اس نے نہیں سوچا کہ کہنے والا کون ہے اور جس سے خطاب کیا جاتا ہے وہ کون ہے اس کی عقل نے یہ نہیں کہا کہ مجھے بلانے والے کے پاس تمام طاقتیں ہیں میں بھلا اس کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔اس کی محبت نے اس کے دل میں ایک آگ لگا دی اور وہ دیوانہ وار جوش میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا میرے ربّ! میں حاضر ہوں، میرے ربّ! میں حاضر ہوں، میرے ربّ! میں بچاؤں گا! میرے ربّ! میں بچاؤں گا یہی تو وہ ساعت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ[6] اس رات پر ہزاروں راتیں قربان ہیں اور چونکہ بار بار ایسی راتیں آجاتی ہیں اس لئے خدا نے خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ کہا ورنہ اگر ایک ہی رات ہوتی تو دنیا کی ساری راتیں اس ایک رات، اس ایک گھنٹے، اس ایک منٹ اور اس ایک سیکنڈ پر قربان کی جاسکتی ہیں ۔ جب ایک کمزور بندہ اپنی محبت کے جوش میں بغیر سوچے سمجھے اور بغیر عواقب پر غور کئے تلوار لے کر کھڑا ہو جاتا اور خدا کے اردگرد پہرہ دینے لگ جاتا ہے وہ کیا ہی شاندار نظارہ ہوتا ہے جب قادر و قدیر خدا، جب زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا خدا، ایک نحیف ونزار جسم کے ساتھ چارپائی پر لیٹا ہوا ہوتا ہے اور ایک نحیف و نزار انسان جو اپنی کمر بھی سیدھی نہیں کرسکتا وہ تلوار لے کر اس کے اِردگرد پہرہ دے رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے میں اسے بچاؤں گا، میں اسے بچاؤں گا۔اس سے

زیادہ محبت کا شاندار نظارہ کبھی نظر نہیں آ سکتا اور کبھی نظر نہیں آ سکتا۔

یہی رات ہمارے زمانہ میں بھی آئی اور خدائے قادر نے آواز دی کہ کوئی بندہ ہے جو مجھے بچائے تب زمین کے گوشوں میں سے ایک کمزور شخص آگے بڑھا اور اس نے کہا اے میرے ربّ! میں حاضر ہوں۔ عقلمند انسان چاہے اسے بے وقوفی قرار دیں اور فلاسفر چاہئے اسے نادانی قرار دیں مگر جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے ہزاروں عقلیں اِس بے وقوفی پر قربان کی جاسکتی ہیں اور ہزاروں فلسفے کے خیالات اِس بظاہر نادانی کے خیال پر قربان کئے جاسکتے ہیں۔ پھر اس کا وہ اعلان محض وقتی اعلان نہ تھا، اِس کا اظہارِ محبت ایک وقتی جوش نہ تھا وہ کھڑا ہوگیا اور کھڑا ہی رہا یہاں تک کہ اس نے اپنے مقصود کو حاصل کرلیا۔

کیا تم نے کبھی گھروں میں نہیں دیکھا کہ وہاں بعض دفعہ کیا تماشہ ہوا کرتا ہے میں نے تو اِس قسم کا تماشہ کئی دفعہ دیکھا اور میں سمجھتا ہوں ہر گھر میں کبھی نہ کبھی ایسا ہو جاتا ہوگا۔ کہ کبھی کبھی مائیں ہنسی کے طور پر کپڑا منہ پر ڈال کر رونے لگ جاتی ہیں اور ''اُوں اُوں'' کرتے ہوئے اپنے کسی بڑے بھائی یا خاوند یا کسی دوسرے عزیز رشتہ دار کا نام لیکر بچے سے کہتی ہیں کہ وہ مجھے مارتے ہیں یہ دیکھ کر وہ ڈیڑھ سال کا بچہ کود کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنا ہاتھ اُٹھا لیتا ہے گویا وہ اس شخص کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے جس کے متعلق اس کی ماں کہتی ہے کہ وہ مجھے مارتا ہے حالانکہ ماں کو بچانا تو الگ رہا بعض دفعہ وہ اپنا ہاتھ بھی اچھی طرح نہیں اُٹھا سکتا مگر جانتے ہو یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ محبت کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ بچہ یہ نہیں دیکھتا میں کمزور اور ناتواں ہوں بلکہ ماں جب اسے آواز دیتی ہے تو وہ اپنی کمزور حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس کی مدد کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہی حالت اُس رات اس گھڑی، اس سیکنڈ اور اُس پل میں نبیوں کی ہوتی ہے خدا تعالیٰ کہتا ہے اے میرے بندے! میں چھوڑ دیا گیا اے میرے بندے! مجھے دنیا نے دھتکار دیا اور مجھے اپنے گھر سے نکال دیا، کوئی ہے جو مجھے بچائے۔ اور وہ ناتواں اور نحیف بندہ چھوٹے سے نادان بچے کی طرح مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے میں بچاؤں گا میں بچاؤں گا۔ پھر وہ صرف کہتا ہی نہیں بلکہ اس کو بچانے میں لگ جاتا ہے اس بچے کا تو عشق کامل نہیں ہوتا۔ اگر واقعہ میں جو شخص ہنسی کر رہا ہوتا

ہے وہ اس بچے کو تھپڑ مارے۔تو اس نے ماں کو تو کیا بچانا ہے وہ خود ماں سے لپٹ جائے گا اور دوڑ کر اس کی گود میں چلا جائیگا مگر یہ شخص ایسا ہوتا ہے کہ دنیا اسے مارتی ہے ہاتھوں سے بھی لاتوں سے بھی اور دانتوں سے بھی اور چاروں طرف سے اُس پر لعنت اور پھٹکار ڈالی جاتی ہے مگر وہ اپنے جسم کو ہلاتا نہیں، وہ چیختا نہیں، وہ چلاتا نہیں بلکہ برابر مقابلہ کئے جاتا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہونے لگتی ہیں اور ایک ایک کر کے۔ایک ایک کر کے، ایک ایک کر کے بندوں کو وہ خدا تعالیٰ کے دربار میں لانا شروع کر دیتا ہے وہ کمزور بازو طاقت پکڑنے لگ جاتے ہیں، وہ لڑکھڑانے والی زبان مضبوط ہونے لگ جاتی ہے، وہ دبی ہوئی آواز طاقت وقوت پکڑتی جاتی ہے اور وہ نہایت ہی ذلیل نظر آنے والا وجود اپنے اندر ایسی ہیبت پیدا کر لیتا ہے کہ لوگ اُس سے کانپنے اور اس کے سامنے کھڑا ہونے سے لرزتے ہیں اور وہ قربانی کرتا چلا جاتا ہے کرتا چلا جاتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ ایک جماعت کو لا ڈالتا ہے اور زمین و آسمان کا خدا جسے لوگوں نے اپنے گھروں میں سے نکال دیا تھا اُس کیلئے نئے نئے محلات بننے لگ جاتے ہیں کوئی یہاں، کوئی وہاں کوئی اِدھر کوئی اُدھر اور وہ خدا جو مسیحؑ کی طرح اپنے نبی کو یہ آواز دیتا ہے کہ اے میرے بندے! لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر میرے لئے تو سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں ؎ اس کے لئے وہ سب سے پہلے اپنے دل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور کہتا ہے اے میرے ربّ یہ گھر حاضر ہے پھر وہ اور گھروں کے تالے کھولتا ہے اور دیوانہ وار مجنونانہ کھولتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک گھر کی بجائے خدا کے کئی گھر ہو جاتے ہیں اور خدا کی حکومت زمین پر اسی طرح قائم ہو جاتی ہے جس طرح وہ آسمان پر قائم ہے۔ پھر یہ سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے بڑھتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے جب خدا اپنے بندے سے کہتا ہے کہ میرے بندے تو نے! بہت خدمت کر لی اور میں سمجھتا ہوں تو نے اپنی خدمت کا حق ادا کر دیا پس جس طرح تو نے اپنے دل کو میرے لئے کھولا تھا اور اپنے دل کو میرا گھر بنایا تھا اسی طرح آج میں تجھ کو اپنے گھر میں بلاتا ہوں آ اور میرے پاس بیٹھ۔ پس خدا اس کو اپنے پاس بلا لیتا ہے اور وہ دنیا کی تکلیفوں شورشوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اس نبی کے بلائے جانے کے بعد دنیا میں جو بھی بیج بوئے ہوئے ہوتے ہیں وہ پھرنئی جدو جہد شروع کر دیتے ہیں نبوت خلافت کا جامہ پہن لیتی ہے اور خلاف کے ذریعہ پھر خدا کیلئے نئے قلوب کی فتح شروع ہو جاتی ہے۔ یہی اِس زمانہ میں ہوا اور جب ہم نے ایک جشن منایا، ایک خوشی کی تقریب سرانجام دی تو کسان کی زبان میں ہم نے یہ کہا کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی مگر کیا جانتے ہو کہ دوسرے لفظوں میں ہم نے کیا کہا؟ دوسرے لفظوں میں ہم نے یہ کہا کہ آج سے پچاس سال پہلے جو ایک بیج بویا گیا تھا اُس بیج کی فصل ہم نے کاٹ لی اب ہم ان بیجوں سے جو پہلی فصل سے تیار ہوئے تھے ایک نئی فصل بونے لگے ہیں۔ اس عظیم الشان کام کے آغاز کے بعد تم سمجھ سکتے ہو کہ تم پر کتنی عظیم الشان ذمہ داریاں عائد ہوگئی ہیں۔ تم نے اب اپنے اوپر یہ ذامہ داری عائد کی ہے کہ جس طرح ایک بیج بڑھ کر اتنی بڑی فصل ہو گیا اسی طرح اب تم ان بیجوں کو بڑھاؤ گے جو اس فصل پر تم نے بوئے ہیں اور اسی رنگ میں بڑھاؤ گے جس رنگ میں پہلی فصل بڑھی۔ پس ہم نے جشن مسرت منا کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ جس طرح ایک بیج سے لاکھوں نئے بیج پیدا ہو گئے تھے اسی طرح اب ہم ان لاکھوں بیجوں کو از سرِ نو زمین میں بوتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ پچھلے پچیس یا پچاس سال میں جس طرح سلسلہ نے ترقی کی ہے اسی طرح اتنے ہی گنے اگلے پچیس یا پچاس سال میں ہم آج کی جماعت کو بڑھا دیں گے یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں جو تم نے اپنے اوپر عائد کی۔ گزشتہ پچاس سال میں ایک بیج سے لاکھوں بیج بنے تھے اب جب تک اگلے پچاس سال میں ان لاکھوں سے کروڑوں نہیں بنیں گے۔ اس وقت تک ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے اگر ہم جشن نہ مناتے اگر ہم یہ نہ کہتے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کا زمانہ آ گیا تو ہم اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا زمانہ بھی پیچھے ڈال سکتے تھے مگر جب ہم نے جشن منا لیا اور پہلی فصل کاٹ لی تو بالفاظِ دیگر ہم نے دوسری فصل کو بو دیا اور ہمارا کام از سرِ نو شروع ہو گیا اور جب کہ ایک بیج سے اتنے دانے نکلے تھے تو کیا اب ہمارا فرض نہیں کہ ہم ان بیجوں کو اتنے گنے بڑھائیں جتنے گنے وہ ایک بیج بڑھا اور پھولا اور پھلا پس یقیناً اس جشن کے بعد ہم پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو چکی ہے۔ کیونکہ کیا بالحاظ جانی قربانیوں کے، کیا بلحاظ مالی

قربانیوں کے، کیا بلحاظ علمی ترقیات کے، کیا بلحاظ تبلیغ کے، کیا بلحاظ تعلیم و تربیت کے، اور کیا بلحاظ کثرتِ تعداد اور زیادتِ نفوس کے غرض ہر رنگ میں ہم نے پہلی فصل کے کاٹنے اور دوسری فصل کے بونے کا اعلان کیا ہے مگر پہلی فصل صرف ایک بیج سے شروع ہوئی تھی اور اس دوسری فصل کی ابتداء لاکھوں بیجوں سے ہوتی ہے اس لئے جب تک ہم یہ ارادہ نہ کر لیں کہ ان لاکھوں بیجوں کو اتنی ہی تعداد سے ضرب دیں گے جتنی تعداد سے اس ایک بیج نے ضرب کھائی تھی اُس وقت تک ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیا ہے۔ مالی لحاظ سے وہ فصل خالی خزانے سے شروع ہوئی تھی اور لاکھوں تک پہنچ گئی مگر یہ فصل اب لاکھوں سے شروع ہوئی ہے اس طرح وہ فصل ایک کلمہ سے شروع ہوئی تھی اور سینکڑوں کتابوں تک پہنچ گئی اور یہ فصل سینکڑوں کتابوں سے شروع ہوئی ہے پس جب تک اب لاکھوں روپیہ سے کروڑوں روپیہ اور سینکڑوں کتابوں سے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں نہ بن جائیں اس وقت تک ہمارا کام ختم نہیں ہوسکتا۔

غرض اس جشن کے منانے سے ہم نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ اور نئے سرے سے اس سے حاصل شدہ بیجوں کو زمین میں ڈال دیا۔ میرا تو جسم کا ذرہ ذرہ کانپ جاتا ہے جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کتنی اہم ذمہ داری ہے جو جماعت نے اپنے اوپر عائد کی۔ اگر ہم پہلی فصل نہ کاٹتے تو ہمارے ذمہ داریاں کم رہتیں مگر جب ہم نے اس فصل کو کاٹ کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی ذامہ داریوں کی ادائیگی کا سامان بھی ہمیں مہیا کرنا پڑا۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو اُن کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اس جلسہ کے نتیجہ میں ہم نے لاکھوں نئے بیج زمین میں بو دیئے ہیں اب ہمارا فرض ہے کہ اگلے پچیس یا پچاس سال میں ہم جماعت میں حیرت انگیز طور پر تغیر پیدا کریں۔ کیا بلحاظ آدمیوں کی تعداد کے اور کیا بلحاظ مالی قربانی کے اور کیا بلحاظ تبلیغ کے اور کیا بلحاظ تربیت کے اور کیا بلحاظ تعلیم کے۔ آج سے مثلاً پچیس یا پچاس سال کے بعد اگر ہم نئی فصل کے ویسے ہی شاندار نتائج نہ دکھائیں جیسے پہلی پچاس سالہ فصل کے نتائج نکلے تو ہماری اَلْحَمْدُ بے معنی اور ہماری اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ جھوٹی ہو جاتی ہے۔ پس

میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس جلسہ کے بعد ان کو اپنی نئی ذمہ داریاں بہت جوش اور توجہ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ اب ہماری پہلی فصل کے جو نتائج رونما ہوئے ہیں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنے ہی گنے نتائج نئی فصل کے ضرور رونما کر دیں اور اگر پہلے ایک سے لاکھوں ہوئے تو آج سے پچاس سال کے بعد وہ کروڑوں ضرور ہو جائیں۔ اگر آج سے پچیس سال پہلے جماعت دس بارہ گنے بڑھی تھی تو اگلے پچیس سال میں کم سے کم دس بارہ گنے ضرور بڑھ جانی چاہیے۔ مگر یہ کیونکر ہوسکتا ہے جب تک ہر احمدی کیا مرد اور کیا عورت اور کیا بچہ اور کیا بوڑھا اور کیا کمزور اور کیا مضبوط اپنے ذمہ یہ فرض عائد نہ کرلے کہ میں احمدیت کی ترقی کیلئے اپنے اوقات صرف کروں گا اور اپنی زندگی کا اوّلین مقصد اشاعت دین اور اشاعت احمدیت سمجھوں گا اسی طرح علمی طور پر کب ترقی ہوسکتی ہے جب تک ہماری جماعت کا ہر فرد دین سیکھنے اور دینی باتیں سننے اور پڑھنے کی طرف توجہ نہ کرے۔ اسی طرح مالی قربانی میں کب ترقی ہوسکتی ہے جب تک ہماری جماعت نہ صرف قربانیوں میں بیش از بیش ترقی کرے بلکہ اپنے اخراجات میں بھی دیانت داری سے کام لے۔

مال ہمیشہ دونوں طرح سے بڑھتا ہے زیادہ قربانیوں سے بھی بڑھتا ہے اور زیادہ دیانت داری سے خرچ کرنے سے بھی بڑھتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک شخص کو ایک دینار دیا اور فرمایا جا کر قربانی کیلئے کوئی عمدہ سا بکرا لا دو۔ اس نے کہا بہت اچھا تھوڑی دیر کے بعد وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!** یہ بکرا موجود ہے اور ساتھ ہی اُس نے دینار بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہوئے اور فرمایا یہ کس طرح؟ وہ کہنے لگا **یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!** مدینہ میں شہر کی وجہ سے چیزیں گراں ملتی ہیں میں دس بارہ میل باہر نکل گیا وہاں آدھی قیمت پر بکرے فروخت ہو رہے تھے میں نے ایک دینار میں دو بکرے لے لئے اور واپس چل پڑا۔ جب میں آ رہا تھا تو رستہ میں ایک شخص مجھے ملا اسے بکرے پسند آئے اور کہنے لگا کہ اگر فروخت کرنا چاہو تو ایک بکرا مجھے دے دو میں نے ایک بکرا ایک دینار میں اسے دے دیا پس اب بکرا بھی حاضر ہے اور

دینار بھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت ہی خوش ہوئے اور آپؐ نے اس کیلئے دعا فرمائی کہ خدا تجھے برکت دے صحابہؓ کہتے ہیں اِس دعا کے نتیجہ میں اسے ایسی برکت ملی کہ اگر وہ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا تو وہ سونا بن جاتی اور لوگ بڑے اصرار سے اپنے روپے اُسے دیتے اور کہتے کہ یہ روپیہ کہیں تجارت میں لگا دو۔ غرض کروڑوں کروڑ روپیہ اسے آیا۔ تو اچھی طرح خرچ کرنے سے بھی مال بڑھتا ہے مال بڑھنے کی صرف یہی صورت نہیں ہوتی کہ ایک کے دو بن جائیں بلکہ اگر تم ایک روپیہ کا کام اٹھنی میں کرتے ہو تو بھی تمہارے دو بن جاتے ہیں بلکہ اگر تم روپیہ کا کام اٹھنی میں کرتے ہو اور ایک روپیہ زائد بھی کما لیتے ہو تو تمہارے دو نہیں بلکہ چار بن جائیں گے پس صرف یہی کوشش نہیں ہونی چاہیے کہ مالی قربانیوں میں زیادتی ہو بلکہ اخراجات میں کفایت کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ اور میں کارکنوں کو بالخصوص اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایک روپے کا کام اٹھنی میں کرنے کی کوشش کیا کریں۔ غرض اب جو ہمارے پاس جماعت موجود ہے، اب جو ہمارے پاس روپیہ ہے، اب جو ہمارے پاس تبلیغی سامان ہے، اب جو ہمارے دنیا میں مشن قائم ہیں، اب جو ہماری تعلیم اور اب جو ہماری تربیت ہے ان سب کو نیا بیج تصور کر کے آئندہ پچاس سال میں ہمیں جماعت کی ترقی کیلئے سرگرم جدوجہد کرنی چاہیے تاکہ آئندہ پچاس سال میں موجودہ حالت سے ہماری تعداد بھی بڑھ جائے، ہمارا علم بھی بڑھ جائے، ہماری تبلیغ بڑھ جائے اور اسی نسبت سے بڑھے جس نسبت سے وہ پہلے پچاس سال میں بڑھا۔ اگر ہم اس رنگ میں کوشش نہیں کریں گے تو اس وقت تک ہماری نئی فصل کبھی کامیاب نہیں کہلا سکتی۔ مگر یہ کام ویسا ہی ناممکن ہے جیسے آج سے پچاس سال پہلے نظر آتا تھا۔ پھر اُس وقت خدا کا ایک نبی کھڑا تھا۔ بے شک اُس وقت کوئی احمدی نہ تھا مگر خدا کا نبی دنیا میں موجود تھا جو اس پیغام کو لے کر دنیا میں کھڑا تھا مگر آج وہ نبی ہم میں موجود نہیں اور اس وجہ سے ہماری آواز میں وہ شوکت نہیں جو اُس کی آواز میں شوکت تھی۔ پس آج ہمیں اس سے زیادہ آواز بلند کرنا پڑے گی اور ہمیں اس سے زیادہ قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ اس کیلئے دعائیں بھی کرو اور اللہ تعالیٰ کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ اور یاد رکھو کہ جب تک جماعت دعاؤں پر یقین رکھے گی جب تک تم ہر

بات میں اللہ تعالیٰ سے امداد کے طالب رہو گے اُس وقت تک تمہارے کاموں میں برکت رہے گی مگر جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ کام تم نے کیا۔ جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ نتائج تمہاری محنت سے نکلے اور جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ ترقی تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے اُس دن تمہارے کاموں میں سے برکتیں بھی جاتی رہیں گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج دنیا میں تم سے بہت زیادہ طاقت ورقومیں موجود ہیں مگر ان سے کوئی نہیں ڈرتا اور تم سے سب لوگ ڈرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ تمہاری مثال اس تار کی سی ہے جس کے پیچھے بجلی کی طاقت ہوتی ہے اب اگر تار یہ خیال کرے کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں تو یہ اُس کی حماقت ہوگی کیونکہ لوگ تار سے نہیں بلکہ اس بجلی سے ڈرتے ہیں جو اُس تار کے پیچھے ہوتی ہے جب تک اس میں بجلی رہتی ہے ایک طاقتور آدمی بھی اگر تار پر ہاتھ رکھے تو وہ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی لیکن اگر بجلی نہ رہے تو ایک کمزور انسان بھی اس تار کو توڑ پھوڑ سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھو اور اس بجلی کو اپنے اندر سے نکلنے نہ دو بلکہ اسے بڑھاؤ اور اسے ترقی دو تبھی اور تبھی تم کامیابی کو دیکھ سکتے ہو اور نئی فصل زیادہ شان اور زیادہ عمدگی کیساتھ پیدا کر سکتے ہو۔ لیکن اگر یہ بجلی نکل گئی تو پھر تم کچھ بھی نہیں رہو گے۔ ہاں اگر یہ بجلی رہی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور اس صورت میں تمہارا یہ عزم کہ تم اگلے پچاس سال میں تمام دنیا پر چھا جاؤ ناممکن نہیں ہوگا کیونکہ کام خدا نے کرنا ہے اور خدا کیلئے کوئی چیز ناممکن نہیں؟

(الفضل ۲۵ جنوری ۱۹۴۰ء)

---

۱ الفاتحہ: ۵

۲،۳ بخاری کتاب التفسیر۔تفسیر سورة الفتح باب قوله لیغفر لک الله (الخ)

۴ العلق: ۳۲

۵ بخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی (الخ)

۶ القدر: ۶

۷ متی باب ۸ آیت ۲۰۔ پاکستان بائبل سوسائٹی مطبوعہ ۱۹۹۴ء

فتنہ غیر مبائعین کی مختصر تاریخ

(فرمودہ ۱۲/اپریل ۱۹۴۰ء)

تشہد ،تعوّ ذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی کہ غیر مبائعین جہاں بھی ہوں ان کے ناموں اور پتوں سے مرکز سلسلہ کو اطلاع دی جائے اور خود بھی ہر جگہ ایسے سیکرٹری مقرر کئے جائیں جن کا کام غیر مبائعین میں تبلیغ اور ان کے خیالات کی اصلاح کرنا ہو۔ میری اِس تحریک پر بعض جماعتوں نے اس امر کی طرف توجہ کی ہے اور انہوں نے غیر مبائعین کے پتے بھجوانے شروع کر دیئے ہیں ۔ لیکن بعض جماعتوں نے ابھی تک اس طرف توجہ نہیں کی یا ممکن ہے ان کی رپورٹیں میرے سامنے پیش نہ ہوئی ہوں کیونکہ کچھ رپورٹیں براہِ راست شاید دعوت وتبلیغ کو بھی جارہی ہیں ۔ بہرحال یہ کام شروع ہوگیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ جماعت اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اس کام کو اِس عمدگی کے ساتھ انجام تک پہنچائے گی کہ ہمارے مخالفین کو یہ محسوس ہو جائے گا کہ حق کا مقابلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں ہوتی اور جس طرح گزشتہ ایام میں جب بھی ان لوگوں نے ہماری جماعت کا مقابلہ کیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ہی فتح حاصل ہوئی اور ہم ہی ان کے آدمیوں کی کھینچ کر لے آئے۔ اسی طرح اب بھی یہ سبق دوبارہ ان کے لیے تازہ ہو جائے گا۔

مجھے افسوس ہے کہ ہماری جماعت کے بعض دوست پرانے لٹریچر کو نہیں پڑھتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض باتوں کا جواب اگرچہ بار ہا دیا جا چکا ہے مگر وہ اس شبہ میں رہتے ہیں کہ شائد اِن

باتوں کا جواب ابھی تک ہماری طرف سے نہیں دیا گیا حالانکہ سب باتوں کا جواب پوری تفصیل کے ساتھ ہماری طرف سے دیا جاچکا ہے۔ آج اِسی سلسلہ میں میں جماعت کے دوستوں کی راہنمائی کے لئے انہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ درحقیقت یہ اختلاف مذہبی بعد میں بنا ہے پہلے یہ صرف دنیوی اختلاف تھا۔ یعنی صدرانجمن احمدیہ کے بعض ممبروں کا خیال تھا کہ حضرت خلیفۂ اوّل کی خلافت غاصبانہ ہے اوران کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ خلافت کے عہدہ پر متمکن ہوتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحیح جانشین اور قائم مقام صدر انجمن احمدیہ ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو اِس زمانہ کے ہیں ان کومعلوم ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد جو پہلا جلسہ سالانہ ہوا اُس میں متواتر صدرانجمن احمدیہ کےممبروں کی تقریروں میں اِس بات پرزور دیا جاتا رہا کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ جانشین اور خلیفہ صدرانجمن احمدیہ ہے اور باربار اپنے لیکچروں میں اِس کا ذکر کیا جاتا۔غرض ۱۹۰۸ء میں دسمبر کے ایام میں جو جلسہ سالانہ ہوااورجس کا انتظام مدرسہ احمدیہ کے صحن میں کیا گیا تھا اُس وقت کے واقف لوگ جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس جلسہ کی تقریروں میں بڑے زور سے اس بات کو دُہرایا کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ جانشین صدرانجمن احمدیہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے مامور کی قائم مقام صدرانجمن حمدیہ ہے۔ خدا تعالیٰ کے مامور کی خلیفہ صدرانجمن احمدیہ ہےاوراس کی اطاعت تمام جماعت کے لئے ضروری ہے۔ حضرت مولوی صاحب ہمارے پیر ہیں لیکن خلیفہ صدرانجمن احمدیہ ہے جس کے وہ صدر ہیں لیکن ان کی یہ تقریریں اب ان کے لئے فائدہ بخش نہیں ہوسکتی تھیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد سب سے پہلے انہی لوگوں نے حضرت خلیفۂ اوّل کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ آپ خلافت کے بوجھ کو اُٹھائیں اور پھرانہیں لوگوں نے یہ اعلان کیا جو اُس وقت کے اخبارات میں شائع ہوا کہ ’’مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اوّل المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اَعْلَم وَ اَتْقٰی ہیں اورحضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اورقدیمی دوست

ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اُسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر اَز نورِ یقین بودے

سے ظاہر ہے کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔''[1]

اس اعلان کے بعد وہ جماعت جو صداقت کی شیدا تھی جس نے بڑی بڑی قربانیوں اور اپنے رشتہ داروں کو خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑنے کے بعد ایمان کی دولت حاصل کی تھی کب ان لوگوں کی باتوں سے متاثر ہوسکتی تھی۔ چنانچہ جتنا زیادہ یہ لوگ اس بات کو دُہراتے کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ خلیفہ اور جانشین صدر انجمن احمدیہ ہے اُتنا ہی زیادہ جماعت میں جوش پیدا ہوتا چلا جاتا کیونکہ وہ حیران تھی کہ پہلے انہیں لوگوں نے یہ کہا تھا کہ خلافت کا انتخاب الوصیت کے مطابق ہے اور اب یہی کہہ رہے ہیں کہ اصل جانشین اور خلیفہ صدر انجمن احمدیہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے ہاتھ پہلے ہی کاٹ کر رکھ دیئے تھے۔ ممکن ہے اگر انہوں نے یہ اعلان نہ کیا ہوا ہوتا تو جماعت کو ان کی تقریروں کی وجہ سے ٹھوکر لگ جاتی۔ مگر چونکہ یہ لوگ خود ایک اعلان شائع کر چکے تھے اس لئے اب جو اس کے خلاف انہوں نے تقریریں کیں تو لوگوں میں جوش پید ہوا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ ان کی اصل غرض حضرت خلیفہ اوّل کو خلافت سے جواب دینا ہے اور ان کی نیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تعلیم کو جماعت میں قائم کرنا نہیں بلکہ فتنہ وفساد اور تفرقہ پیدا کرنا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاء جب وفات پاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے بعد نشان کے طور پر خلافت کو قائم کیا کرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جس طرح اس نے نبی کی شخصی زندگی کو الہام سے شروع کیا اسی طرح وہ اس کی قومی زندگی کو بھی الہام سے شروع کرے۔ یہی وجہ ہے کہ

جب کوئی نبی فوت ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کا مخفی الہام قوم کے دلوں کو اس زندگی کی تفصیلات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی ان لوگوں کے دل اس قدر مرعوب اور خائف ہو گئے تھے کہ اس وقت یہ یقینی طور پر سمجھتے تھے کہ اب کسی خلیفہ کے بغیر جماعت کا اتحاد اور اس کی ترقی ناممکن ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفہ اوّل کا انتخاب عمل میں آیا۔ یوں منہ سے ان لوگوں کا اپنے آپ کو یا صدر انجمن احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین کہنا اور بات ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ انجمن کے یہ ممبر جو اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ اور جانشین قرار دیتے تھے وہ دل گردہ کہاں سے لاتے جو خداوند تعالیٰ کے خلیفہ کے لئے ضروری ہے۔ منہ سے تو ہر شخص جو جی چاہے دعویٰ کر سکتا ہے خواہ حقیقت اس کے اندر کوئی ہو یا نہ ہو۔

کہتے ہیں کوئی شخص تھا جسے بہادری کا بہت بڑا دعویٰ تھا ایک دفعہ اس نے اپنی بہادری کے نشان کے طور پر اپنے بازو پر شیر گودوانا چاہا۔ وہ گودنے والے کے پاس گیا اور کہنے لگا میرے بازو پر شیر گود دو۔ اس نے کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اس نے سوئی جو ماری تو اسے درد ہوا اور کہنے لگا یہ کیا کرنے لگے ہو؟ اس نے کہا شیر گودنے لگا ہوں۔ وہ کہنے لگا شیر کا کون سا حصہ؟ اس نے بتایا کہ دایاں کان۔ اس نے کہا کہ اگر دایاں کان نہ ہو تو شیر رہتا ہے یا نہیں؟ وہ کہنے لگا رہتا کیوں نہیں۔ اس نے کہا اچھا تو پھر اس دائیں کان کو چھوڑ و اور آگے گودو۔ اُس نے پھر دوسرا کان بنانے کے لئے سوئی ماری تو اسے پھر درد ہوا اور یہ پھر چلا کے کہنے لگا اسے چھوڑ و اور آگے چلو۔ اُس نے اُسے بھی چھوڑا۔ اس کے بعد جس کسی عضو کے بنانے کے لئے وہ سوئی مارتا تو یہ شخص چلا کر اسے منع کر دیتا آخر گودنے والے نے سوئی رکھ دی اور جب اُس نے پوچھا کہ کام کیوں نہیں کرتے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں کان گودنے لگا تو تم نے کہا اس کو چھوڑ دو، پھر سر گودنے لگا تو تم نے کہا اس کو چھوڑو، منہ گودنے لگا تو تم نے کہا اِس کو چھوڑو، پیٹھ گودنے لگا تو تم نے کہا اس کو چھوڑو، ٹانگیں گودنے لگا تو تم نے کہا اس کو چھوڑو۔ جب تمام چیزیں میں نے چھوڑتے ہی چلے جانا ہے تو شیر کا باقی کیا رہ گیا۔ تو منہ سے دعویٰ کرنا اور بات ہے اور اللہ تعالیٰ سے طاقت اور قوت کا ملنا بالکل اور بات ہے۔ جو شخص

خدا تعالیٰ کا سچا خلیفہ تھا وہ تو دلیر اور بہادر تھا اور ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ قدم قدم پر ان لوگوں کے دل ڈرتے تھے۔ ایک طرف انہیں یہ ڈر تھا کہ جماعت میں ہمارے خلاف کوئی جوش پیدا نہ ہو جائے دوسری طرف یہ ڈر تھا کہ کہیں حضرت خلیفہ اوّل ان سے ناراض نہ ہو جائیں۔

تیسری طرف وہ اس بات سے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں اس کے نتیجہ میں یہ تو نہیں ہو گا کہ نہ ہم اِدھر کے رہیں اور نہ اُدھر کے اور نہ احمدی رہیں نہ غیر احمدی۔ غرض بات بات پر ان کا دل ڈرتا تھا کیونکہ ان کے دل میں خدا نہیں بول رہا تھا بلکہ نفسیاتی خواہشات جوش مار رہی تھیں اور نفسیاتی خواہشات حوصلے بڑھایا نہیں کرتیں بلکہ حوصلوں کو پست کیا کرتی ہیں۔ گویا ان لوگوں کی جرأت اور پھر خلافت کے دعوے کی مثال ایسی ہی تھی جیسے بنیا جب کسی سے لڑتا ہے تو پنسیری اُٹھا کر کہتا ہے میں یہ مار کر تیرا سر پھوڑ دوں گا۔ مگر یہ کہنے کے ساتھ ہی بجائے اس کے کہ وہ دو قدم آگے بڑھے دو قدم پیچھے کود کر چلا جاتا ہے۔ جس سے صاف پتا لگ جاتا ہے کہ جب اُس نے یہ کہا کہ میں پنسیری مار کر تیرا سر پھوڑ دوں گا تو اُس وقت اُس کا دل نہیں بول رہا تھا بلکہ صرف زبان بول رہی تھی۔ ورنہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو کوئی یہ کہے کہ میں مار کر تیرا سر پھوڑ دونگا اور دوسری طرف وہ بجائے آگے بڑھنے کے کود کر دو قدم پیچھے چلا جائے۔

اسی طرح یہ لوگ بھی ایک طرف تو یہ کہتے تھے کہ ہم خلیفہ ہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صدر انجمن احمدیہ کو ہی اپنا جانشین قرار دیا ہے اور دوسری طرف ڈرتے تھے کہ خبر نہیں کہیں جماعت ناراض نہ ہو جائے۔ کہیں حضرت مولوی صاحب ہم پر ناراضگی کا اظہار نہ کر دیں۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی کوئی ایسے سامان نہ ہو جائیں جو ہمیں اپنی کوششوں میں ناکام و نامراد کر دیں۔ غرض قدم قدم پر ان لوگوں کو خوف و ہراس نے گھیر رکھا تھا۔ مگر بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد اِن لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کی اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے ان لوگوں نے اخباراتِ سلسلہ میں ایک اعلان شائع کرایا جس میں لکھا کہ ہم نے الوصیت کی ہدایات کے مطابق خلافت کا

انتخاب کیا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت پر ابھی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ خواجہ کمال الدین صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کے سامنے مجھ سے سوال کیا کہ میاں صاحب! خلافت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا آپ کا اس سوال سے کیا منشاء ہے؟ کہنے لگے یہی کہ خلیفہ کے کیا اختیارات ہیں؟ میں نے کہا خواجہ صاحب وہ دن گئے اب اختیارات کے فیصلہ کا کوئی وقت نہیں۔ اختیارات کے فیصلے کا وقت وہ تھا جب ہم نے حضرت خلیفہ اوّل کی ابھی بیعت نہیں کی تھی مگر جب ہم نے آپ کی بیعت کر لی تو اب بیعت کرنے کے بعد ہمارا کیا حق ہے کہ ہم خلیفہ کے اختیارات پر بحث کریں۔ جب خلافت کا انتخاب عمل میں آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کون شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانشین بننے کا اہل ہے تو اس کے بعد ہمارا یہی کام ہے کہ ہم آپ کی اطاعت کریں یہ کام نہیں کہ آپ کے اختیارات پر بحث کریں۔

میرے اِس جواب پر انہوں نے فوراً اپنی بات کا رُخ بدل لیا اور کہا کہ بات تو ٹھیک ہے میں نے تو یونہی علمی طور پر یہ بات دریافت کی تھی اور ترکوں کی خلافت کا حوالہ دے کر کہا کہ چونکہ آجکل لوگوں میں اس کے متعلق بحث شروع ہے اس لئے میں نے بھی آپ سے اِس کا ذکر کر دیا، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپ کی کیا رائے ہے اور اِس پر ہماری گفتگو ختم ہوگئی۔ لیکن بہرحال اِس سے مجھ پر ان کا عندیہ ظاہر ہو گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں حضرت خلیفہ اوّل کا کوئی ادب اور احترام نہیں اور یہ چاہتے ہیں کسی طرح خلافت کے اس طریق کو مٹا دیں جو ہمارے سلسلہ میں جاری ہوا ہے۔

پس اصل اختلاف یہاں سے شروع ہوا مگر جب انہوں نے محسوس کیا کہ جماعت نے چونکہ حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کی ہوئی ہے اور اس وجہ سے اسے بیعت سے منحرف کرنا آسان کام نہیں تو انہوں نے دوسرا قدم یہ اُٹھایا کہ لوگوں میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت خلیفہ اوّل تو بڑے بزرگ انسان ہیں ان سے جماعت کو کوئی خطرہ نہیں۔ ہاں اگر کل کوئی بچہ خلیفہ ہو گیا تو پھر کیا ہو گا اور اس بچہ سے مراد میں تھا مگر مجھے اُس وقت اس بات کا کوئی علم

نہیں تھا۔

جماعت میں جب یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ کچھ لوگ تو یہ کہنے لگے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقرر کردہ جانشین انجمن ہے اور کچھ اس پر اعتراض کرنے لگے تو میر محمد اسحاق صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل کی خدمت میں بعض سوالات لکھ کر پیش کئے۔ جن میں خلافت کے مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی درخواست کی گئی تھی مگر مجھے اِن سوالات کا کوئی علم نہیں تھا۔ اِسی دوران میں میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا مکان ہے اور اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ تو مکمل ہے اور دوسرا نامکمل۔ نامکمل حصے پر چھت پڑ رہی ہے، بالے رکھے ہوئے ہیں مگر ابھی اینٹیں یا تختیاں رکھ کر مٹی ڈالنی باقی ہے۔ رؤیا میں میں نے دیکھا کہ چھت کے ننگے حصہ پر ہم چار پانچ آدمی کھڑے ہیں اور عمارت دیکھ رہے ہیں۔ اِنہیں میں ایک میر محمد اسحاق صاحب بھی ہیں اور وہ بھی ہمارے ساتھ مل کر عمارت دیکھ رہے ہیں کہ وہاں کڑیوں پر ہمیں کچھ بھوسا پڑا دکھائی دیا۔ میر محمد اسحاق صاحب کے ہاتھ میں ایک دیا سلائی کی ڈبیہ تھی اُنہوں نے اس میں سے ایک دیا سلائی نکال کر کہا میرا دل چاہتا ہے کہ میں اِس بھس کو جلا دوں۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ بھوسا جلایا تو جائے گا ہی مگر ابھی وقت نہیں آیا۔ آپ بھس کو مت جلائیں کڑیاں بھی ننگی ہیں ایسا نہ ہو کہ بھس کے ساتھ ہی بعض کڑیوں کو بھی آگ لگ جائے۔ مگر وہ کہتے ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس بھس کو جلا دوں۔ میں پھر انہیں روکتا ہوں اور کہتا ہوں ایسا نہ کرنا۔ اس پر وہ پھر کہنے لگے میں چاہتا ہوں اس بھس کو ضرور آگ لگا دوں۔ مگر میں نے پھر اُنہیں روکا اور یہ سمجھ کر کہ اب میر صاحب اس بھس کو آگ نہیں لگائیں گے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن چند ہی لمحہ کے بعد مجھے کچھ شور سا معلوم ہوا۔ میں منہ پھیر کر کیا دیکھتا ہوں کہ میر محمد اسحاق صاحب دیا سلائی کی تیلیاں نکال کر اس کی ڈبیہ سے جلدی جلدی رگڑتے ہیں مگر وہ جلتی نہیں۔ ایک کے بعد دوسری تیلی نکال کر اس کو جلانے کی کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد اس بھس کو آگ لگا دیں۔ میں یہ دیکھ کر ان کی طرف دوڑا مگر میرے پہنچنے سے پہلے پہلے انہوں نے بھس کو آگ لگا دی۔ میں یہ دیکھ کر آگ میں کود پڑا اور جلدی سے اسے بجھا دیا مگر اس عرصہ میں چند کڑیوں کے سرے جل

گئے ۔ میں نے جب یہ رؤیا دیکھا تو حیران ہوا کہ نہ معلوم اس کی کیا تعبیر ہے ۔اُن دنوں میں حضرت خلیفہ اوّل سے بخاری پڑھا کرتا تھا اور مسجد مبارک کو گلی میں سے جو سیڑھیاں چڑھتی ہیں اُن کے پاس ہی آپ دروازہ کے پاس مسجد میں بیٹھا کرتے تھے ۔ میں نے ایک خط لکھ کر حضرت خلیفہ اوّل کے سامنے پیش کیا جس میں لکھا کہ رات میں نے یہ عجیب خواب دیکھا ہے جو جماعت کے متعلق معلوم ہوتا ہے مگر ہے منذر مجھے معلوم نہیں اس کی کیا تعبیر ہے ۔ حضرت خلیفہ اوّل نے اس خواب کو پڑھتے ہی میری طرف دیکھ کر فرمایا ۔خواب تو پوری ہوگئی ۔ میں حیران ہوا کہ خواب کس طرح پوری ہوگئی چنانچہ میں نے عرض کیا کس طرح ؟ آپ فرمانے لگے میاں ! تمہیں معلوم نہیں اور یہ کہہ کر کاغذ کی ایک سلپ پر آپ نے لکھا ۔ میر محمد اسحاق نے کچھ سوالات لکھ کر دیئے ہیں ۔ وہ سوال میں نے باہر جماعتوں کو بھجوا دیئے ہیں میں سمجھتا ہوں اس سے خوب آگ لگے گی ۔ مجھے اس پر بھی کچھ معلوم نہ ہوا کہ میر محمد اسحاق صاحب نے کیا سولات کئے ہیں لیکن میں نے ادب کی وجہ سے دوبارہ آپ سے دریافت نہ کیا ۔البتہ بعد میں شیخ یعقوب علی صاحب اور بعض اور دوستوں سے پوچھا تو اُنہوں نے ان سوالات کا مفہوم بتایا ۔ بعد میں جب جماعتوں کی طرف سے ان کے جوابات آ گئے اور بعض میں نے دیکھے تو اُس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ سوالات خلافت کے متعلق تھے اور اُن میں اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی درخواست کی گئی تھی ۔

میر صاحب کے اِن سوالات کی وجہ سے جو گویا بھس میں آگ لگانے کے مترادف تھے جماعت میں ایک شور پیدا ہوگیا اور چاروں طرف سے ان کے جوابات آنے شروع ہوگئے ۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر انہیں یہ تو معلوم ہی ہوگیا تھا کہ جماعت کو بیعت کرنے کے بعد خلافت سے پھرانا مشکل ہے اس لئے اب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی خیالات (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) حضرت خلیفہ اوّل کے ہیں ۔اور کہتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فتنہ ابھی ظاہر ہوگیا اور سب کو معلوم ہوگیا کہ ایک بچہ کو خلیفہ بنا کر بعض لوگ جماعت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں ۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے بے نفس آدمی کے وقت میں یہ سوال پیدا ہوا جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ میری

ویسی ہی اطاعت کرتا ہے جیسے نبض حرکت قلب کی کرتی ہے۔ ایسے بے نفس آدمی کے زمانہ میں اس سوال کا پیدا ہو جانا بڑی بابرکت بات ہے۔ ان کے بعد ہوتا تو نہ معلوم کیا فساد کھڑا ہوتا۔ گویا جماعت کو یہ یقین دلایا جانے لگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل جانشین انجمن ہی ہے اور یہ کہ ان خیالات میں حضرت خلیفہ اوّل بھی ان سے متفق ہیں۔

لاہور میں تو خصوصیت سے خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے مکان پر ایک جلسہ کیا جس میں تمام جماعت لاہور کو بلایا گیا اور لوگوں کو سمجھایا گیا کہ سلسلہ پر یہ ایک ایسا نازک وقت ہے کہ اگر دُور اندیشی سے کام نہ لیا گیا تو سلسلہ کی تباہی کا خطرہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل جانشین انجمن ہی ہے اور اگر یہ بات نہ رہی تو جماعت (نَعُوْذُبِاللّٰہ) تباہ ہو جائے گی اور سب لوگوں سے اس بات پر دستخط لئے گئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان کے مطابق انجمن ہی آپ کی جانشین ہے اور لاہور کی جماعت نے انہی تاثرات کی وجہ سے کہ حضرت خلیفہ اول کے بھی ہی خیالات ہیں اس پر دستخط کر دیئے صرف حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم نے اُن کی اِس بات کو بالکل ردّ کر دیا اور کہا ہم تمہارے کہنے سے اِس پر دستخط نہیں کر سکتے۔ یہ تمہارے خیالات ہیں حضرت خلیفہ اوّل کے خیالات نہیں اور ہم ایسے محضر نامہ پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم جب ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں اور وہ ہم سے زیادہ عالم اور زیادہ خشیت اللہ رکھنے والا ہے تو جو کچھ وہ کہے گا وہی ہم کریں گے۔ تمہارے خیالات کی ہم تصدیق نہیں کریں گے۔ چنانچہ ان کی دیکھا دیکھی ایک دو اور دوست بھی رُک گئے مگر بہرحال لاہور کی اکثریت جماعت نے دستخط کر دیئے۔

آخر حضرت خلیفہ اوّل نے ایک تاریخ مقرر کی جس میں بیرونی جماعتوں کے نمائندگان کو بھی بلایا اور ہدیت فرمائی کہ اُس دن مختلف جماعتوں کے قائم مقام قادیان میں جمع ہو جائیں تا سب سے اس کے متعلق مشورہ لے لیا جائے۔ چنانچہ لوگ جمع ہوئے۔ اس دن صبح کی نماز کے وقت میں بیتُ الفِکر کے پاس کے دالان میں نماز کے انتظار میں ٹہل رہا تھا مسجد بھری ہوئی تھی اور حضرت خلیفہ اوّل کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا کہ میرے کان میں شیخ رحمت اللہ صاحب کی آواز آئی کہ وہ مسجد میں بڑے جوش سے کہہ رہے ہیں کہ ہم کسی بچے کی بیعت کس

طرح کر لیں ایک بچہ کے لئے جماعت میں فتنہ پیدا کیا جا رہا ہے اور لوگ چاہتے ہیں کہ اسے خلیفہ بنا کر جماعت کو تباہ کر دیں۔ میں اس وقت ان حالات سے اتنا ناواقف تھا کہ میں ان کا یہ فقرہ سن کر سخت حیران ہوا اور میں سوچنے لگا کہ یہ بچے کا ذکر کیا شروع ہو گیا ہے اور وہ کون سا بچہ ہے جسے لوگ خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق بھی مجھے بعد میں حضرت خلیفہ اوّل سے ہی معلوم ہوا کہ بچہ سے ان کی کیا مراد ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اُس روز صبح کی نماز کے بعد میں بھی بعض باتیں لکھ کر حضرت خلیفہ اوّل کے پاس لے گیا اور گفتگو کے دوران میں میں نے ذکر کیا کہ خبر نہیں آج مسجد میں کیا باتیں ہو رہی تھیں کہ شیخ رحمت اللہ صاحب بلند آواز سے کہہ رہے تھے ایک بچہ کی ہم بیعت کس طرح کر لیں۔ ایک بچہ کی وجہ سے جماعت میں یہ تمام فتنہ ڈالا جا رہا ہے۔ نہ معلوم یہ بچہ کون ہے؟ حضرت خلیفہ اوّل میری اِس بات کو سن کر مسکرائے اور فرمانے لگے تمہیں معلوم نہیں وہ بچہ کون ہے؟ وہ تمہیں تو ہو۔

خیر اِس کے بعد میٹنگ ہوئی اس میٹنگ کے متعلق بھی میں نے ایک رؤیا دیکھا جو حضرت خلیفہ اوّل کو میں نے سنا دیا تھا اور دراصل یہی رؤیا بیان کرنے کے لئے میں صبح کے وقت حضرت خلیفہ اوّل کے پاس گیا تھا۔

میں نے رؤیا میں دیکھا کہ مسجد میں جلسہ ہو رہا ہے اور حضرت خلیفہ اوّل تقریر فرما رہے ہیں مگر آپ اُس حصہ مسجد میں کھڑے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بنوایا تھا۔ اُس حصہ مسجد میں کھڑے نہیں ہوئے جو بعد میں جماعت کے چندہ سے بنوایا گیا تھا۔ آپ تقریر مسئلہ خلافت پر فرما رہے ہیں اور میں آپ کے دائیں طرف بیٹھا ہوں۔ آپ کی تقریر کے دوران میں خواب میں ہی مجھے رِقت آ گئی اور بعد میں کھڑے ہو کر میں نے تقریر کی جس کا خلاصہ تقریباً اِس رنگ کا تھا کہ آپ پر اِن لوگوں نے اعتراض کر کے آپ کو سخت دکھ دیا ہے مگر آپ یقین رکھیں کہ ہم نے آپ کی سچے دل سے بیعت کی ہوئی ہے اور ہم آپ کے ہمیشہ وفادار رہیں گے۔ پھر خواب میں مجھے انصار کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب ان میں سے ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ **یَارَسُوْلَ اللّٰہ!** ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکے

گا جب تک وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے[۲]۔ اسی رنگ میں میں بھی کہتا ہوں کہ ہم آپ کے وفادار ہیں اور لوگ خواہ کتنی بھی مخالفت کریں ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے اور آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے اور دشمن آپ کے پاس اُس وقت تک نہیں پہنچ سکے گا جب تک وہ ہم پر حملہ کر کے پہلے ہمیں ہلاک نہ کر لے۔ قریباً اِسی قسم کا مضمون تھا جو رؤیا میں میں نے اپنی تقریر میں بیان کیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ جب حضرت خلیفہ اوّل تقریر کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو اُس وقت میرے ذہن میں سے یہ رؤیا بالکل نکل گیا اور بجائے دائیں طرف بیٹھنے کے بائیں طرف بیٹھ گیا۔ حضرت خلیفہ اوّل نے جب مجھے اپنے بائیں طرف بیٹھے دیکھا تو فرمایا میرے دائیں طرف آ بیٹھو پھر خود ہی فرمانے لگے تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہیں دائیں طرف کیوں بٹھایا ہے؟ میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہیں اپنی خواب یاد نہیں رہی تم نے خود ہی خواب میں اپنے آپ کو میرے دائیں طرف دیکھا تھا۔

اس وقت تک ان لوگوں نے جماعت پر مسلسل یہ اثر ڈالنے کی کوشش کی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر کا فیصلہ کیا ہوا ہے کہ میرے بعد انجمن جانشین ہوگی اور یہ کہ حضرت خلیفہ اوّل بھی اس سے متفق ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض لوگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل ہوا کہ:۔

انجمن کی جانشینی کا سوال ایسے بےنفس آدمی کے زمانہ میں اُٹھا آج مولوی صاحب فوراً یہ فیصلہ کر دیں گے کہ اصل خلیفہ انجمن ہی ہے۔ بعد میں اُٹھتا تو نہ معلوم کیا مشکلات پیش آتیں اور اس قسم کے پروپیگنڈا سے ان کی غرض لوگوں کو یہ بتانا تھی کہ حضرت خلیفہ اوّل ان کے خیالات سے متفق ہیں۔

بہر حال حضرت خلیفہ اوّل تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا تم نے اپنے عمل سے مجھے اتنا دکھ دیا ہے کہ میں اس حصہ مسجد میں بھی کھڑا نہیں ہوا جو تم لوگوں کا بنایا ہوا ہے بلکہ میں اپنے پیر کی مسجد میں کھڑا ہوا ہوں۔ لوگوں نے حضرت خلیفہ اوّل کے منہ سے جب یہ خیالات معلوم کئے تو گو جماعت کے بہت سے دوست جو ان کے ہم خیال بن کر آئے

ہوئے تھے مگر ان پر اپنی غلطی واضح ہوگئی اور انہوں نے رونا شروع کر دیا چنانچہ جو لوگ اُس وقت کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ مجلس اُس وقت ایسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسے شیعوں کی مرثیہ کی مجالس ہوتی ہے۔ اُس وقت لوگ اتنے کرب اور درد سے رو رہے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسجد ماتم کدہ بنی ہوئی ہے اور بعض تو زمین پر لیٹ کر تڑپنے لگ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا۔

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا کام صرف نماز پڑھانا یا جنازہ یا نکاح پڑھا دینا یا پھر بیعت لے لینا ہے یہ کام تو ایک مُلّاں بھی کر سکتا ہے اس کے لئے کسی خلیفہ کی ضرورت نہیں اور میں اس قسم کی بیعت پر تھوکتا بھی نہیں۔ بیعت وہی ہے جس میں کامل اطاعت کی جائے اور جس میں خلیفہ کے کسی ایک حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔

آپ کی اس تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے دل صاف ہوگئے اور ان پر واضح ہوگیا کہ خلافت کی کیا اہمیت ہے۔ تقریر کے بعد آپ نے خواجہ کمال الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ وہ دوبارہ بیعت کریں۔ اسی طرح آپ نے فرمایا میں ان لوگوں کے طریق کو بھی پسند نہیں کرتا جنہوں نے خلافت کے قیام کی تائید میں جلسہ کیا ہے اور فرمایا جب ہم نے لوگوں کو جمع کیا تھا تو ان کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ الگ جلسہ کرتے۔ ہم نے ان کو اس کام پر مقرر نہیں کیا تھا پھر جب کہ مجھے خود خدا نے یہ طاقت دی ہے کہ میں اِس فتنہ کو مٹا سکوں تو انہوں نے یہ کام خود بخود کیوں کیا۔ چنانچہ شیخ یعقوب علی صاحب سے جو اس جلسے کے بانی تھے انہیں بھی آپ نے فرمایا کہ آپ دوبارہ بیعت کریں۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور شیخ یعقوب علی صاحب سے دوبارہ بیعت لی گئی۔ میں نے اُس وقت یہ سمجھ کر کہ یہ عام بیعت ہے اپنا ہاتھ بھی بیعت کیلئے بڑھا دیا مگر حضرت خلیفہ اوّل نے میرے ہاتھ کو پرے کر دیا اور فرمایا یہ بات تمہارے متعلق نہیں۔ اس موقع پر دو چار سَو آدمی جمع تھے اور تمام لوگوں نے یہ واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے مگر ان لوگوں کی دیانت اور ایمانداری کا یہ حال ہے کہ خواجہ صاحب نے بعد میں لوگوں سے بیان کیا کہ ہم سے جو دوبارہ بیعت لی گئی تھی یہ بیعت ارشاد تھی جو پیر اُس وقت لیتا ہے جب وہ اپنے مرید کے اندر اعلیٰ درجے کے

روحانی کمالات دیکھتا ہے۔ گویا حضرت خلیفہ اوّل نے یہ بیعت ان کی روحانی ترقی کی بناء پر خاص طور پر ان سے لی اور یہ بیعت ''بیعت ارشاد'' تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے تو بیعت ارشاد لی گئی مگر جب میاں نے بھی بیعت کرنی چاہی تو ان کو ہٹا دیا۔ یہ بالکل ویسی ہی بات جیسے کہتے ہیں کہ کسی انگریز کا کوئی باورچی تھا جو کھانا بہت خراب پکایا کرتا تھا مگر وہ جہاں کہیں بیٹھتا بڑیں ہانکنی شروع کر دیتا اور کہتا کہ میں اتنا لذیذ کھانا پکاتا ہوں کہ بس یہی جی چاہتا ہے کہ انسان کھائے چلا جائے۔ ایک دفعہ اس نے اپنے آقا کے لئے کھانا جو پکایا تو وہ اسے سخت بدمزہ معلوم ہوا اور اس نے باورچی کو کمرے کے اندر بلا کر خوب چپتیں لگائیں۔ باورچی نے سمجھا کہ اب میں باہر نکلوں گا تو میری بڑی ذلّت ہوگی اس لئے کوئی ایسا طریق سوچنا چاہئے جس سے لوگوں کا ذہن کسی اور طرف منتقل ہو جائے چنانچہ وہ باہر نکلا اور اس نے بڑے زور سے قہقہے لگانے شروع کر دیئے ساتھ ہی وہ ہاتھ پر ہاتھ مارتا چلا جائے۔ لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا کہ آج تو کھانا اتنا لذیذ تھا کہ صاحب ہاتھ پر ہاتھ مارتا تھا اور کہتا تھا اتنا مزیدار کھانا میں نے آج تک کبھی نہیں کھایا۔ گویا انگریز نے تو اسے چپتیں لگائیں اور اس نے یہ فسانہ بنا لیا کہ انگریز ہاتھ پر ہاتھ مارتا تھا اور کہتا تھا کہ آج خوب کھانا پکایا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ یہ بھی جب یہاں سے نکلے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ہم سے تو بیعت ارشاد لی گئی تھی جو پیر اپنے مرید سے اُس وقت لیتا ہے جب وہ اعلیٰ درجے کی منازل روحانی طے کر لیتا ہے اور یہ بیعت ہمیں نصیب ہوئی میاں کو نصیب نہیں ہوئی۔ حالانکہ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے اور ہر شخص جو واقعات کو جانتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ بیعت ارشاد تھی یا نہیں۔ لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ بیعت ارشاد تھی تو پھر یہ بیعت ارشاد تو شیخ یعقوب علی صاحب سے بھی لی گئی تھی۔ ان پر یہ لوگ کیوں ٹوٹے پڑتے تھے۔ بہر حال جلسہ ختم ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے مگر یہ لوگ جو حضرت خلیفہ اوّل کی دوبارہ بیعت کر چکے تھے اپنے دلوں میں اور زیادہ منصوبے سوچنے لگے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہماری اِس قدر ہتک کی گئی ہے اب ہم قادیان میں نہیں ٹھہر سکتے۔

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم اُس وقت ان لوگوں سے خاص تعلق رکھتے تھے اور مولوی محمد علی صاحب کو وہ جماعت کا ایک بہت بڑا استون سمجھتے تھے۔ایک دفعہ میں حضرت خلیفہ اوّل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس طرح گھبرائے ہوئے آئے کہ گویا آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور آتے ہی سخت گھبراہٹ کی حالت میں حضرت خلیفہ اوّل سے کہا کہ بڑی خطرناک بات ہوگئی ہے آپ جلدی کوئی فکر کریں۔حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا کیا بات ہے۔انہوں نے کہا مولوی محمد علی صاحب کہہ رہے ہیں کہ میری یہاں سخت ہتک ہوئی ہے اور میں اب قادیان میں نہیں رہ سکتا آپ جلدی سے کسی طرح اُن کو منوالیں ایسا نہ ہو کہ وہ قادیان سے چلے جائیں۔حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا ڈاکٹر صاحب! میری طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو جا کر کہہ دیں کہ اگر انہوں نے کل جانا ہے تو آج ہی قادیان سے تشریف لے جائیں۔ڈاکٹر صاحب جو سمجھتے تھے کہ مولوی محمد علی صاحب کے جانے سے نہ معلوم کیا ہوجائے گا آسمان ہل جائے گا یا زمین لرز جائے گی۔انہوں نے جب یہ جواب سنا تو ان کے ہوش اُڑ گئے اور انہوں نے کہا میرے نزدیک تو پھر بڑا فتنہ ہوگا۔حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا ڈاکٹر صاحب! میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اگر فتنہ ہوگا تو میرے لئے ہوگا آپ کیوں گھبراتے ہیں۔آپ انہیں کہہ دیں کہ وہ قادیان سے جانا چاہتے ہیں تو کل کی بجائے آج ہی چلے جائیں۔

غرض اسی طرح یہ فتنہ بڑھتا چلا گیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ اس طرح ہماری دال نہیں گلتی تو انہوں نے غیروں میں تبلیغ کرنی شروع کردی اور سمجھا کہ عزت اور شہرت کے حاصل کرنیکا یہ ذریعہ زیادہ بہتر ہوگا۔اِس تبلیغ کے سلسلہ میں کہیں انہوں نے نبوت کے مسائل میں ایسا رنگ اختیار کرنا شروع کردیا جس سے غیر احمدی خوش ہوجائیں۔کہیں کفرواسلام کے مسئلہ میں انہوں نے مداہنت سے کام لینا شروع کردیا چنانچہ یہ نبوت اور کفرواسلام وغیرہ مسائل ۱۹۱۰ء کے شروع میں پید ہوئے ہیں۔بلکہ ان مسائل نے اصل زور ۱۹۱۰ءاور ۱۹۱۱ء میں پکڑا ہے۔اس سے پہلے ۱۹۰۸ء میں اور ۱۹۰۹ء میں صرف خلافت کا جھگڑا تھا۔کفرواسلام اور نبوت وغیرہ کے مسائل باعث اختلاف نہیں تھے۔اُس وقت ان

لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک شخص کو خلیفہ مان کر اور اس کی اطاعت کا اقرار کر کے ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ اب کسی طرح اس غلطی کو مٹانا چاہئے تا جماعت دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرے۔

اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال ہے جو ہماری جماعت کے دوستوں کو یاد رکھنا چاہئے اور ہمیشہ ان لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہنا چاہئے اور وہ یہ کہ یہی لوگ جو آج کہتے ہیں کہ الوصیت سے خلافت کا کہیں ثبوت نہیں ملتا ان لوگوں نے اپنے دستخطوں سے ایک اعلان شائع کیا ہوا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کے وقت انہوں نے کیا۔ اس اعلان میں ان لوگوں نے صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ ''مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اوّل المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اَعْلَم اور اَتْقٰی ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمت نورِ دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

سے ظاہر ہے کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا''۔

پس جماعت کے دوستوں کو ان لوگوں سے یہ سوال کرنا چاہئے اور پوچھنا چاہئے کہ تم ہمیں ''الوصیت'' کا وہ حکم دکھاؤ جس کے مطابق تم نے حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کی تھی۔ اس کے جواب میں یا تو وہ یہ کہیں گے کہ ہم نے جھوٹ بولا اور یا کہیں گے کہ الوصیت میں ایسا حکم موجود ہے اور یہ دونوں صورتیں ان کے لئے کھلی شکست ہیں۔ یعنی یا تو وہ یہ کہیں گے کہ ایسا حکم الوصیت میں موجود ہے ایسی صورت میں ہم ان سے کہہ سکتے ہیں کہ جب الوصیت

میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظام خلافت کی تائید کی ہے تو تم اِس نظام کے کیوں مخالف ہو اور یا پھر یہ کہیں گے کہ ہم نے اُس وقت گھبرا کر اور دشمنوں کے حملے سے ڈر کر حضرت خلیفہ اوّل کی بیعت کر لی تھی ہمیں معلوم تو یہی تھا کہ صدر انجمن خلیفہ ہے اور ہمیں یقین اِسی بات کا تھا کہ خدا تعالیٰ کے مامور کی مقرر کردہ جانشین انجمن ہی ہے مگر ہم نے سمجھا دشمن اِس وقت زور میں ہے اور وہ احمدیت پر تیر چلا رہا ہے بہتر یہی ہے کہ ان تیروں کے آگے حضرت مولوی صاحب کو کھڑا کر دیا جائے چنانچہ وہ کھڑے ہو گئے اور جب ہم نے دیکھا کہ امن قائم ہو گیا ہے تو ہم اپنا حصہ لینے کیلئے آ گئے۔ جیسے قرآن کریم میں بعض لوگوں کے متعلق آتا ہے کہ جب انہیں جہاد میں شامل ہونے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ بھاگ جاتے ہیں لیکن جب مسلمانوں کو فتح ہو جاتی ہے اور وہ مالِ غنیمت لے کر میدانِ جنگ سے واپس لوٹتے ہیں تو وہ بھی دوڑ کر ان کے ساتھ آ ملتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بھی تمہارے ساتھی ہیں ہمیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ ملنا چاہئے۔ بہرحال کوئی صورت ہو ہر حال میں ان کو شکست ہی شکست ہے۔ اگر الوصیت میں خلافت کے متعلق کوئی حکم پایا جاتا ہے اور جیسا کہ ان لوگوں نے اپنے دستخطوں سے اعلان کیا کہ پایا جاتا ہے تو پھر اس حکم سے ان کا انحراف ان پر حجت قائم کرنے کیلئے کافی ہے اور اگر کوئی حکم نہ پائے جانے کے باوجود انہوں نے حضرت خلیفہ اوّل کو آگے کر دیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب حملے کا وقت تھا اُس وقت تو یہ پیچھے بیٹھے رہے مگر جب حملے کا وقت گزر گیا اور امن قائم ہو گیا تو اُس وقت یہ لوگ یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ ہمیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ ملنا چاہئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اسی کو عزت دیتا ہے جو قربانیوں کے میدان میں بھی آگے سے آگے قدم بڑھاتا ہے مگر ان لوگوں نے قربانیوں میں تو کوئی حصہ نہ لیا اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عزت کے حصے بخرے کرنے میں مشغول ہو گئے۔

یہ سوال ہے جو بار بار اِن لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور ان سے پوچھنا چاہئے کہ وہ بتائیں ''الوصیت'' میں وہ کون سے الفاظ ہیں جن کے مطابق حضرت خلیفہ اوّل کو خلیفہ منتخب کر کے ان کی بیعت کی گئی تھی اور جس کے ماتحت حضرت خلیفہ اوّل کی اطاعت ویسی ہی

ضروری تھی جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت ضروری تھی۔ کیونکہ اس اعلان میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت مولوی صاحب کا فرمان ہمارے لئے آئندہ ایسا ہی ہوگا جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہوا کرتا تھا۔ پس ان سے پوچھنا چاہئے کہ ''الوصیت'' کے ہمیں وہ الفاظ دکھائیں۔ اور پھر ان سے یہ پوچھنا چاہئے کہ اب ہمیں ''الوصیت'' سے وہ دوسرے احکام دکھاؤ جن میں یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل کے بعد پہلا حکم منسوخ ہو جائے گا۔ دوسری بات جو اِن کے سامنے پیش کرنی چاہئے اور جس کے متعلق ان کا دعویٰ بھی سب سے زیادہ ہے وہ قرآن شریف کا ترجمہ ہے اوران لوگوں کو ہمارے مقابلہ میں سب سے زیادہ اگر کسی بات کا دعویٰ ہے تو وہ یہ ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ کیا ہے حالانکہ قرآن کا یہ ترجمہ انجمن کے روپیہ اور اُن تنخواہوں کو وصول کر کے کیا گیا ہے جو سلسلہ کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو دی جاتی تھیں۔ پھر سلسلہ کی طرف سے مولوی محمد علی صاحب کو صرف تنخواہ ہی نہیں ملتی تھی بلکہ پہاڑ پر جانے کے اخراجات بھی انہیں ملتے تھے اور پھر تنخواہ اور پہاڑ پر جانے کے اخراجات ہی مولوی محمد علی صاحب کو نہیں دیئے جاتے تھے بلکہ ہزاروں روپیہ کی کتب بھی سلسلہ کی طرف سے ان کو منگا کر دی گئیں تا کہ وہ ان کی مدد سے ترجمہ تیار کر سکیں اور جیسا کہ اُس وقت کے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے ترجمہ اور قرآن کریم کے نوٹس قریباً مکمل ہو چکے تھے کیونکہ اس کی اشاعت کے لئے چندہ کی تحریک شروع کر دی گئی تھی۔ پس تقریباً تمام کا تمام ترجمہ اور تفسیر وہی ہے جو صدر انجمن احمدیہ سے کئی سال تک تنخواہیں وصول کرنے اور ہزاروں روپیہ کتب پر صرف کرانے کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے کیا۔ بعد میں سوائے اس کے کہ انہوں نے کچھ پالش کر دی ہو اور کچھ نہیں کیا۔ ترجمہ اور تفسیر کا کام درحقیقت حضرت خلیفہ اوّل کی زندگی میں ہی ختم ہو چکا تھا اور بعد میں صرف چند مہینے انہوں نے کام کیا ہے۔ شاید دو چار مہینے ورنہ اصل کام جس قدر تھا وہ اس سے پہلے ختم ہو چکا تھا اور چار سال تک مولوی محمد علی صاحب کو اِس کے عوض صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے تنخواہ ملتی رہی تھی۔ پس یہ ترجمہ صدر انجمن احمدیہ کا تھا اور صدر انجمن احمدیہ ہی اِس کی مالک تھی مگر اب یہ ترجمہ مولوی محمد علی

صاحب کی ذاتی ملکیت بن چکا ہے اور اس کی آمد میں سے نہ صرف ان کو حصہ ملتا ہے بلکہ شاید انہوں نے اپنے بیوی بچوں کے حق میں بھی اس کی وصیت کر دی ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ سلسلہ کے ایک مال پر تصرف کرنے کا مولوی محمد علی صاحب کو کہاں سے حق حاصل ہو گیا اور یہ کہاں کا تقویٰ ہے کہ ایک ترجمہ وہ صدر انجمن احمدیہ سے سالہا سال تک تنخواہ وصول کر کے کریں اور پھر وہ ان کی ذاتی ملکیت بن جائے۔ وہ ہم پر ہزاروں قسم کے اعتراضات کرتے ہیں، وہ ہماری مخفی زندگی کے عیوب بھی تلاش کر کر کے لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں جو بات ہم پیش کر رہے ہیں وہ تو بالکل کھلی اور واضح ہے۔ وہ کسی کی مخفی زندگی کے متعلق نہیں بلکہ ایک ایسی بات ہے جو رجسٹروں میں آ چکی ہے جو پبلک کے سامنے پیش ہو چکی ہے۔ پس وہ بتائیں کہ سلسلہ احمدیہ نے ترجمۂ قرآن پر اپنا جو روپیہ خرچ کیا تھا اس کے متعلق مولوی محمد علی صاحب کو یہ کہاں سے حق حاصل تھا کہ وہ اس کو اپنی ذاتی جائیداد تصور کر لیتے۔

بعض پیغامی اِس کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ اس روپیہ میں جو مولوی محمد علی صاحب کو بطور تنخواہ ملا کرتا تھا ہمارا چندہ بھی شامل تھا اور اس وجہ سے ہم نے علیحدگی پر ضروری سمجھا کہ اپنے چندہ کے معاوضہ کے طور پر ترجمہ قرآن کو بھی ساتھ لیتے آئیں کیونکہ جو روپیہ اس پر خرچ ہوا اس میں ہمارا بھی حصہ تھا۔ حالانکہ اوّل تو اصولاً یہ بات ہی غلط ہے کہ جس کے ہاتھ کوئی چیز لگے وہ اس بہانہ کی آڑ لے کر اسے ہتھیا لے کہ چونکہ میں بھی چندہ دیا کرتا تھا اس لئے میرے لئے جائز ہے کہ میں یہ چیز اپنے گھر لے جاؤں۔ لیکن اگر یہ اصول درست ہے تو کیا وہ پسند کریں گے کہ جو لوگ ان میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہو گئے ہیں اور جو اُس زمانہ میں جب کہ وہ ان کے ساتھ شامل تھے انہیں سینکڑوں روپے بطور چندہ دیتے رہے ہیں وہ اب اُن کی انجمن کی چیزیں اُٹھا کر لے آئیں اور دلیل یہ دیں کہ چونکہ ہم غیر مبائعین کو ایک زمانہ میں کافی چندہ دیتے رہے ہیں اور ان چیزوں پر ہمارا چندہ بھی خرچ ہوا ہے اس لئے ہمیں حق حاصل ہے کہ ان میں سے ہمیں جو چیز پسند آئے وہ اُٹھا لے جائیں۔ مثلاً لاہور میں ہی پندرہ بیس احمدی غیر مبائعین میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں۔ میں نے ایک پچھلے خطبہ میں ہی ان میں سے بعض کے نام بھی لئے تھے جیسے ملک غلام محمد صاحب ہیں۔

اسی طرح ملک غلام محمد صاحب کے تین جوان لڑکے ان کے ساتھ شامل رہے ہیں۔ پھر ڈاکٹر غلام حیدر صاحب بھی انہیں لوگوں میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو غیر مبائعین کو کافی چندہ دیتے رہے ہیں۔ پس کیا یہ جائز ہوگا کہ یہ لوگ غیر مبائعین کی انجمن کے دفتر میں سے چیزیں اُٹھا کر لے آئیں۔ اگر وہ اسے جائز تسلیم نہیں کریں گے تو ان کی یہ دلیل کیونکر معقول سمجھی جا سکتی ہے کہ چونکہ اس ترجمۂ قرآن میں ہمارے چندہ کا روپیہ بھی شامل تھا اس لئے اگر ترجمہ ہم اپنے ساتھ لے آئے تو کیا بُرا ہوا۔

مجھے یاد ہے مولوی محمد علی صاحب جس وقت ترجمہ قرآن اور کئی ہزاروں روپیہ کا سامان کتب وغیرہ کی شکل میں ساتھ لے کر قادیان سے گئے تو اُس وقت قاضی امیر حسین صاحب مرحوم تو اِس قدر جوش کی حالت میں تھے کہ وہ بار بار پنجابی میں کہتے تھے ''نیک بختو ایہہ سلسلہ دا مال لے چلیا ہے میں سچ کہنداں ہاں اس نے پھر مڑ کے نہیں آناں'' اور میں انہیں جواب دیتا تھا کہ قاضی صاحب! اگر یہ لے جاتے ہیں تو لے جانے دیں آپ کو اس موقع پر صبر سے کام لینا چاہئے اور انہیں یہ ترجمہ اور سامان وغیرہ اپنے ساتھ لے جانے سے نہیں روکنا چاہئے کیونکہ اگر ہم نے کہا کہ ترجمہ اور کتابیں وغیرہ اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو یہ ساری دنیا میں شور مچاتے پھریں گے کہ انہوں نے قرآن کریم کے ترجمہ میں روک ڈالی۔ پس کتابوں اور ترجمہ وغیرہ کا کیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں یہ چیزیں پھر دے دیگا لیکن اِس وقت اگر ہم نے ان کو روکا تو یہ سارے جہاں میں ہمیں یہ کہہ کر بدنام کرتے رہیں گے کہ انہوں نے قرآن کے ترجمہ میں روک ڈالی۔ پھر میں نے انہیں وہ مثال دی جو حضرت خلیفہ اوّل سنایا کرتے تھے کہ ایک بیوہ عورت تھی مگر تھی بڑی محنتی۔ ہمیشہ چرخہ کاتتی اور چرخہ کات کات کر گزارہ کرتی۔ ایک دفعہ اس نے کئی سال تک محنت مزدوری کرنے اور تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کرنے کے بعد سونے کے کنگن بنوائے اور اپنے ہاتھوں میں پہن لئے۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کے مکان میں رات کے وقت کوئی چور آ گیا اور اُس نے اُس عورت کو مار پیٹ کر اور ڈرا دھمکا کر اس کے کنگن اُتار لئے اور چھین کر چلا گیا۔ وہ کنگن چونکہ اُس عورت نے کئی سال کی محنت مزدوری کے بعد پیسہ پیسہ جمع کر کے بنوائے تھے اِس لئے وہ چور اُسے بھولتا نہیں تھا

اور ہر وقت آنکھوں کے سامنے اس کی شکل پھرتی رہتی تھی۔ اس کے بعد پانچ سات سال کا عرصہ اور گزر گیا اور اُس عورت نے پھر تھوڑا بہت جمع کر کے سونے کے کنگن بنوا لئے۔ ایک دن وہ اِسی طرح چرخہ کات رہی تھی کہ اُس نے پھر اُسی چور کو کہیں پاس سے گزرتے دیکھا۔ اُس نے ایک لنگوٹی باندھی ہوئی تھی اور کسی کام کیلئے جا رہا تھا۔ عورت نے جونہی اسے دیکھا آواز دے کر اُسے کہنے لگی بھائی ذرا بات سن جانا۔ اُس نے خیال کیا کہ کہیں یہ مجھے پولیس کے سپرد نہ کرا دے اس لئے اس نے تیز تیز قدم اُٹھا کر وہاں سے غائب ہو جانا چاہا اِس پر اس عورت نے پھر اُسے آواز دی اور کہا بھائی میں کسی سے نہیں کہتی تم میری ایک بات سن جاؤ۔ چنانچہ وہ شخص آ گیا۔ عورت اپنا ہاتھ نکال کر اُسے کہنے لگی۔ دیکھ لو ان ہاتھوں میں تو پھر سونے کے کنگن پڑ گئے ہیں اور تمہارے جسم پر کنگن چرا کر بھی لنگوٹی کی لنگوٹی ہی رہی تو میں نے کہا قاضی صاحب! آپ گھبرائیں نہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے اور بہت کچھ دے گا لیکن آپ سمجھ لیں کہ ہم کتنے خطرناک الزام کے نیچے آ سکتے ہیں اگر ہم انہیں یہ سامان لے جانے سے روک دیں۔ کل کو لوگوں میں یہ کہتے پھریں گے کہ صرف دو مہینے کے لئے ترجمہ قرآن کرنے کی خاطر میں یہ کتابیں اور سامان اپنے ساتھ لے چلا تھا مگر ان لوگوں نے دو مہینے کے لئے بھی یہ چیزیں نہ دیں اور اس طرح ترجمہ قرآن میں انہوں نے روک ڈالی۔ پس اگر ہم یہ سامان لے جانے سے انہیں روکیں گے تو ساری عمر کے لئے ہماری پیشانی پر داغ لگ جائے گا اور اگر مولوی صاحب ان چیزوں کو واپس نہیں کریں گے تو وہ الزام کے نیچے آ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اور سامان دے دیگا۔ تو قاضی صاحب کو اِس موقع پر بڑا طیش آیا مگر میں نے انہیں سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا لیکن بات اُن کی ٹھیک نکلی کہ وہ کئی ہزار روپے کا سامان ترجمہ قرآن کے نام سے اپنے ساتھ لے گئے۔ پس اگر یہ اصول درست ہے کہ چونکہ چندہ میں ان کا بھی حصہ تھا اس لئے اُن کو اِس بات کا حق حاصل تھا کہ وہ ترجمہ قرآن اور دوسرا سامان اپنے ساتھ لے جاتے تو پھر وہ اس بات کی بھی اجازت ہمیں دے دیں تا ہماری جماعت کے وہ دوست جو ان میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوئے ہیں اور جو انہیں ایک لمبے عرصہ تک چندے دیتے رہے ہیں وہ ان کی انجمن کی چیزیں

اُٹھا اُٹھا کر لے آئیں چونکہ ان چیزوں کی تیاری میں ان کے چندہ کا بھی دخل ہے اور اگر وہ اس بات کی اجازت نہیں دیں گے تو دنیا جان لے گی کہ انہوں نے جو جواب دیا ہے وہ غلط ہے اور انہیں اس بات کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں تھا کہ وہ انجمن کی کسی چیز کو اس طرح لے جاتے اور اگر وہ اس بات کو جائز سمجھتے ہیں تو اس کا اعلان کر دیں۔ میں ان لوگوں کی ایک لسٹ پیش کر دوں گا جو ان میں سے نکل کر ہمارے ساتھ شامل ہوئے اور کافی رقوم انہیں چندے میں دیتے رہے ہیں۔ میں ان تمام کو ایک وفد کی صورت میں ان کے پاس بھیجنے کے لئے تیار ہوں وہ اپنی انجمن کے دروازے ان کے لئے کھول دیں تا کہ وہ جس چیز کو اپنے لئے ضروری سمجھیں اُٹھالیں کیونکہ ان کے چندہ میں وہ بھی حصہ دار رہ چکے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس بات کے لئے تیار نہیں تو پھر ان کا یہ کہنا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ چونکہ ہمارے چندے بھی قادیان میں آتے تھے اس لئے ہم اپنے چندہ کے عوض ترجمہ قرآن اور دوسرا سامان لے آئے۔

پھر میں کہتا ہوں ایک منٹ کے لئے اگر اِس بات کو فرض بھی کر لیا جائے کہ اس وجہ سے سلسلہ کا ایک مال اپنے قبضہ میں کر لینا ان کے لئے جائز تھا تو سوال یہ ہے کہ یہ مال تو سلسلہ کا تھا مولوی محمد علی صاحب کو اس بات کی کس نے اجازت دی کہ وہ اس مال کو اپنی ذاتی جائیداد قرار دے لیں۔ مان لیا کہ وہ ترجمہ قرآن اور کتب وغیرہ اس چندہ کے بدلہ میں لے گئے جو شیخ رحمت اللہ صاحب دیا کرتے تھے۔ مان لیا کہ وہ ترجمہ قرآن اور کتب وغیرہ اس چندہ کے بدلہ میں لے گئے جو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب دیا کرتے تھے۔ مان لیا کہ وہ ترجمہ قرآن اور کتب وغیرہ اس چندہ کے بدلہ میں لے گئے جو ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب دیا کرتے تھے۔ ہم نے ان تمام باتوں کو تسلیم کر لیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ دنیا کا وہ کونسا قانون ہے جس کے مطابق قوم کے چندہ اور قوم کے روپیہ سے تیار ہونے والی چیز مولوی محمد علی صاحب کی ذاتی ملکیت بن جائے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ ایک شخص باغ سے انگور کا ٹوکرا اُٹھا کر گھر کو لئے جا رہا تھا کہ باغ کے مالک کی اس پر نظر پڑ گئی اور اُس نے پوچھا کہ تم میرے باغ سے انگور توڑ کر

اور ٹوکرے میں بھر کر کس کی اجازت سے اپنے گھر لئے جا رہے ہو وہ کہنے لگا پہلے میری بات سن لیجئے اور پھر اگر کوئی الزام مجھ پر عائد ہو سکتا ہو تو بے شک مجھ پر عائد کیجئے۔ مالک آدمی تھا شریف اُس نے کہا بہت اچھا پہلے اپنی بات سناؤ وہ کہنے لگا بات یہ ہے کہ میں راستہ میں چلا جا رہا تھا کہ ایک بگولہ آیا اور اس نے اُڑا کر مجھے آپ کے باغ میں لا ڈالا۔ اب بتائیے اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مالک بہت رحم دل تھا اس نے کہا کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں بلکہ مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ وہ کہنے لگا، آگے سنیئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جہاں میں گرا وہاں جا بجا انگوروں کی بیلیں لگی ہوئی تھیں ایسے وقت میں آپ جانتے ہیں کہ انسان اپنی جان بچانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارا کرتا ہے۔ میں نے بھی ہاتھ پاؤں مارے اور انگوروں نے گرنا شروع کر دیا۔ بتائیے اِس میں میرا کوئی قصور ہے؟ وہ کہنے لگا قصور کیسا اگر تمہاری جان بچانے کے لئے میرا سارا باغ بھی اجڑ جاتا تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ پھر وہ کہنے لگا کہ جب انگور گرنے لگے تو نیچے ایک ٹوکرا پڑا تھا انگور ایک ایک کر کے اس ٹوکرے میں اکٹھے ہو گئے۔ فرمائیے اس میں میرا کیا قصور ہے مالک نے کہا یہ تم عجیب بات کہتے ہو۔ میں نے مانا کہ بگولہ تمہیں اُڑا کر میرے باغ میں لے گیا، میں نے مانا کہ تم ایسی جگہ گرے جہاں انگور کی بیلیں تھیں، میں نے مانا کہ تم نے اپنی جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے تو انگور گرنے لگے، میں نے مانا کہ اُس وقت وہاں کوئی ٹوکرا پڑا تھا جس میں انگور اکٹھے ہوتے چلے گئے۔ مگر تمہیں یہ کس نے کہا تھا کہ ٹوکرا سر پر اُٹھا کر اپنے گھر کی طرف لے جاؤ۔ وہ کہنے لگا بس یہی بات میں بھی سوچتا آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ تو میں نے مان لیا کہ یہ لوگ چندہ دیا کرتے تھے، میں نے مان لیا کہ ان چندوں کی وجہ سے اِن لوگوں کو اِس بات کا حق حاصل تھا کہ انجمن کی ایک چیز کو غاصبانہ طور پر اپنے ساتھ لے جائیں۔ مگر مولوی محمد علی صاحب کے ہاتھ میں وہ ترجمہ دے کر انہیں یہ کس نے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر لے جائیں۔

اگر ترجمہ قرآن کی تمام آمد انجمن اشاعت اسلام لاہور کے کاموں پر خرچ ہوتی اور مولوی محمد علی صاحب کو اس سے ایک حبہ بھی نہ ملتا تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ انجمن کی چیز تھی اور انجمن کے پاس ہی رہی۔ مگر وہ ترجمہ قرآن جس کے حقوقِ ملکیت یا تو ہمیں حاصل تھے یا

بطریق تنزل انجمن اشاعت اسلام لاہور کو۔ اس کے حقوق مولوی محمد علی صاحب کو کیونکر مل گئے اور ان کے لئے یہ کیونکر جائز ہو گیا کہ وہ اس کی آمد کو اپنے آپ پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں۔ یہ سوال ہے جو غیر مبائعین کے سامنے پیش کرنا چاہیے کہ دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے تم اپنے گھر کا تو جائزہ لو اور بتاؤ کہ مولوی محمد علی صاحب کو کس طرح یہ حق حاصل تھا کہ وہ ترجمہ قرآن اُٹھا کر اپنے گھر لے جاتے۔ اور پھر ساتھ ہی ان سے یہ بھی پوچھ لو کہ آیا ہمیں بھی اس بات کی اجازت حاصل ہے کہ جو لوگ ہماری جماعت میں تم میں سے نکل کر شامل ہوئے ہیں اور تمہیں سینکڑوں روپے بطور چندہ دیتے رہے ہیں وہ تمہارا مال اُٹھالیں اور کیا تم اس پر بُرا تو نہیں مناؤ گے اور کیا اسی قانون کے مطابق انہیں غیر مبائعین کی چیزیں ہتھیا لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

اِسی طرح ان کے جو نئے دوست مصری صاحب پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق بھی جماعت کو بعض ضروری باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ مصری صاحب اب دراصل انہیں کی پارٹی میں ہیں۔ گو ظاہر وہ یہ کرتے ہیں کہ ان کا غیر مبایعین کے عقائد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پیغامی لوگ بھی انکی باتیں اپنے اخبارات کے ذریعہ خوب پھیلاتے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق ''فاروق'' میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جو بہت ہی لطیف ہے۔ سید احمد علی صاحب مولوی فاضل اس مضمون کے لکھنے والے ہیں۔ اس میں انہوں نے دو حوالے ایسے جمع کر دیئے ہیں جو بہت ہی کارآمد ہیں اور جماعت کے دوستوں کو چاہئے کہ وہ ان حوالوں کو یاد رکھیں۔ ان میں سے ایک حوالہ میں انہوں نے غیر مبائعین کو غلطی پر قرار دیا ہے اور دوسرے حوالہ میں انہوں نے ہمیں غلطی پر قرار دیا ہے۔ اب جب کہ مصری صاحب کے نزدیک ہم بھی غلطی پر ہوئے اور غیر مبائعین بھی غلطی پر ہوئے تو سوال یہ ہے کہ پھر سچائی پر کون قائم ہے اور وہ کونسی جماعت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام کی صحیح تعلیم کی حامل ہے؟ اس صورت میں تو گویا نہ ہماری جماعت اُس تعلیم پر قائم ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام نے دی اور نہ غیر مبائعین اُس تعلیم پر قائم ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام نے دی۔ صرف مصری صاحب اور ان کے بیٹے ہی باقی رہ جاتے ہیں اور

غالباً ان کے نزدیک وہی ہیں جو سچائی پر قائم ہیں۔
پس یہ سوال بھی نہایت اہم ہے اور اِس قابل ہے کہ اُن سے دریافت کیا جائے کہ آخر وہ کون سی جماعت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قائم کر کے گئے تھے اور جو آپ کے بتائے ہوئے صحیح راستہ پر چل رہی ہے۔ جب ایک طرف وہ ہمیں غلطی پر قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف غیر مبائعین کو غلطی پر قرار دے چکے ہیں تو وہ کون سی جماعت رہ گئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت ہے اور وہ جس کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ وہ سچائی پر قائم ہے۔ یا تو وہ یہ کہیں کہ اب دلائل سے انہیں معلوم ہوگیا ہے کہ غیر مبائعین ہی حق پر ہیں اور نبوت وغیرہ مسائل کے متعلق جو عقائد وہ پہلے رکھتے تھے وہ درست نہیں تھے اور اس صورت میں بے شک وہ سوال قائم نہیں رہیگا جو موجودہ حالت میں ان پر عائد ہوسکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں مومنوں کی طرح دلیری سے کام لیتے ہوئے انہیں کہہ دینا چاہئے کہ پہلے میں غلطی پر تھا۔ اب مجھے پتہ لگ گیا کہ غیر مبائعین ہی حق پر ہیں۔ ہمارے متعلق تو وہ بار بار کہتے ہیں کہ میں مومنانہ جرأت کی وجہ سے ان باتوں کو چھپا نہیں سکتا جو میرے علم میں آئیں۔ پھر کیوں یہی مؤمنانہ جرأت غیر مبائعین کے متعلق ان سے ظاہر نہیں ہوتی۔
پس اگر وہ سمجھتے ہیں کہ غیر مبائعین کے عقائد درست ہیں اور وہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحیح تعلیم کے حامل ہیں تو وہ جرأت سے کام لیتے ہوئے ایسا اعلان کردیں۔ مگر جب تک وہ ایسا اعلان نہیں کرتے یہ سوال بدستور قائم رہے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کونسی جماعت ہے جو صحیح رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کو پورا کر رہی ہے۔ کوئی اِس بات کو اچھا کہے یا بُرا یہ ایک حقیقت ہے اور اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ پیغامی کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ بعض علاقوں میں انہوں نے اپنے مبلغ بھی بھیجے ہوئے ہیں۔ لٹریچر اور کتابیں بھی شائع کرتے رہتے ہیں اور تبلیغ اسلام کے لئے بھی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہم ہیں ہم پر بھی کوئی لاکھ اعتراض کرے ہمارے کام کو اچھا کہے یا بُرا یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم بھی کچھ نہ کچھ کام کر رہے ہیں۔ ہم نے اپنے مبلغ دنیا کے مختلف ممالک میں بھجوائے ہوئے ہیں۔ کوئی چین میں تبلیغ کر رہا ہے،

کوئی جاپان میں تبلیغ کر رہا ہے، کوئی یورپ میں تبلیغ کر رہا ہے، کوئی امریکہ میں تبلیغ کر رہا ہے۔ اِسی طرح ہم اپنا لٹریچر اور کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ یہ کام اچھا ہے یا بُرا اس سے قطع نظر دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اس وقت دو جماعتیں ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ کام کر رہی ہیں مگر یہ دونوں مصری صاحب کے نزدیک غلط راہ پر ہیں۔ چنانچہ غیر مبائعین کے متعلق وہ آج سے اٹھارہ سال قبل کہہ چکے ہیں کہ وہ خوارج کے گروہ کی طرح ہیں۔ اور ہمارے متعلق انہوں نے اب کہا ہے کہ یہ بھی خوارج کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ پس جب دونوں جماعتیں ہی صحیح راستہ سے منحرف ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ پھر دنیا میں صرف ایک ہی جماعت رہ گئی جو صداقت پر قائم ہے اور وہ مصری صاحب اور ان کے بیٹے ہیں۔

پس ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے اسلام کی اشاعت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کو پھیلانے کے لئے کیا کیا۔ مصری صاحب جب سے علیحدہ ہوئے ہیں ان کا سارا زور ہمارے خلاف صرف ہو رہا ہے۔ نہ وہ آریوں کے خلاف لکھتے ہیں' نہ وہ عیسائیوں کے خلاف لکھتے ہیں، نہ وہ ہندوؤں کے خلاف لکھتے ہیں، نہ وہ پیغامیوں کے خلاف لکھتے ہیں۔ گویا آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) کوئی نام لیوا دنیا میں باقی نہیں اور جو مصریوں کی شکل میں باقی ہیں وہ بھی اسلام کی خدمت کا کوئی کام سرانجام نہیں دے رہے۔ مصری صاحب کہہ سکتے ہیں کہ میرا یہ بھی کام ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک مومن کو اپنی نگاہ ہر طرف رکھنی چاہئے۔

پس اگر انہیں ہم میں نقائص دکھائی دیتے ہیں تو وہ بے شک ہم پر اعتراض کریں کیونکہ میرے نزدیک اگر ہم انہیں یہ کہیں کہ ہم پر اعتراض نہ کرو احرار پر کرو، یا ہم پر اعتراض نہ کرو عیسائیوں پر کرو، یا ہم پر اعتراض نہ کرو آریوں پر کرو تو یہ کسی صورت میں درست نہیں ہوگا۔ مومن کا کام ہے کہ وہ ہر طرف توجہ رکھے۔ پس ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ ہم پر اعتراض نہ کریں بلکہ اگر وہ ہمیں غلطی پر سمجھتے ہیں تو یقیناً ان کا حق ہے کہ وہ ہمارے خلاف جدوجہد کریں۔ لیکن ایک سوال ہے جس کو وہ کبھی حل نہیں کر سکتے کہ کیا یہ فتنہ جو مصری صاحب کے نزدیک بڑا فتنہ ہے یہ تو اس بات کا حق رکھتا ہے کہ مصری صاحب اپنی تمام کوششیں اس کو

مٹانے کیلئے وقف کر دیں مگر وہ فتنے جنہیں خدا اور اس کے رسول نے بڑا قرار دیا ہے ان کو مٹانے کے لئے مصری صاحب کے لئے کسی قسم کی جد و جہد کرنا جائز نہیں۔ کیا مصری صاحب کو کبھی آریوں کے خلاف کچھ لکھنے کی بھی توفیق ملی؟ یا عیسائیوں کے خلاف بھی انہوں نے کچھ لکھا؟ یا احرار کے متعلق ہی کبھی انہوں نے دو چار مضمون لکھے؟ انہوں نے کبھی آریوں کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔ انہوں نے کبھی عیسائیوں اور احرار وغیرہ کے خلاف کچھ نہیں لکھا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ان کے خلاف لکھا تو ان کی جتھہ بندی ٹوٹ جائے گی اور وہ مدد جو انہیں احرار اور پیغامیوں سے مل رہی ہے وہ جاتی رہے گی۔ مگر کیا خدا اور رسول کا یہ حق نہیں کہ جن فتنوں کو انہوں نے بڑا قرار دیا ہے انہیں بڑا سمجھا جائے۔ اور کیا یہ مصری صاحب کو ہی حق حاصل ہے کہ جس فتنہ کو وہ بڑا سمجھیں وہ بڑا بن جائے۔ قرآن کریم نے دجالی فتنہ کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے حتیٰ کہ قرآن کریم میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ قریب ہے اِس فتنہ سے آسمان پھٹ جائے زمین تہہ و بالا ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں[۲]۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے دجالی فتنہ سے بڑا فتنہ کوئی نہیں ہوا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰہ والسلام نے آریوں کے فتنہ کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے لیکن وہ کبھی آریوں کے خلاف نہیں لکھتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر میں نے آریوں کے خلاف کچھ لکھا تو قادیان کے آریوں سے جو مدد مجھے مل رہی ہے وہ بند ہو جائے گی۔ اسی طرح وہ کبھی عیسائیوں اور ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے خلاف نہیں لکھتے اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس غرض کے لئے دنیا میں مبعوث فرمائے گئے تھے وہ آج کہیں پوری نہیں ہو رہی کیونکہ مصری صاحب کے نزدیک ہم بھی گمراہ اور مصری صاحب کے نزدیک غیر مبائعین بھی گمراہ اور پھر خود مصری صاحب بھی گمراہ۔ کیونکہ ان کی توجہ اس کام کی طرف ہے ہی نہیں جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصری صاحب کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی وفات کے بعد جو کچھ چھوڑا وہ گمراہی ہی گمراہی تھی جو قادیان میں بھی ظاہر ہوئی، جو لاہور میں بھی ظاہر ہوئی، اور جو مصری صاحب کے گھر میں بھی ظاہر ہوئی۔

کیا کوئی بھی معقول انسان تسلیم کرسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی نوحؑ نے خبر دی، خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی ابراہیمؑ نے خبر دی، خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی موسیٰؑ نے خبر دی، خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی عیسیٰؑ نے خبر دی، خدا تعالیٰ کا وہ مسیح جس کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، جس کی یاد میں ہزاروں نہیں لاکھوں ائمہ دین اور صلحاء واولیاء دعائیں کرتے ہوئے اِس جہان سے سے گزر گئے۔ وہ اس جہان میں آیا اور چلا گیا اور سوائے گمراہی اور ضلالت کے دنیا میں کچھ چھوڑ نہیں گیا۔

پس یا تو غیر مبائعین مصری صاحب سے یہ اعلان کروادیں کہ انہوں نے پیغامیوں کے متعلق جو کچھ لکھا تھا وہ صحیح نہیں تھا اور یہ کہ اب انہیں غور کرنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ پیغامی ہی حق پر ہیں۔ اس صورت میں بے شک ان کا پہلو مضبوط ہوسکتا ہے اور وہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس جماعت کو سچائی پر قائم کیا اور جو صحیح معنوں میں آپ کی جماعت کہلاسکتی ہے وہ غیر مبائعین کی ہے۔ لیکن جب تک وہ یہ اعلان نہیں کرتے کہ پیغامی حق پر ہیں اُس وقت تک گویا ان کے نزدیک اس وقت روئے زمین پر کوئی جماعت بھی ایسی نہیں جو صداقت اور راستی پر قائم ہو۔ کیونکہ غیر مبائعین کی گمراہی کے متعلق ان کا پہلا عقیدہ اب تک قائم ہے اور گمراہی کے متعلق ان کے موجودہ اعلانات موجود ہیں اور ان کی اپنی گمراہی اس طرح ظاہر ہے کہ وہ اپنا سارا زور اس فتنہ کے مٹانے کیلئے صرف کر رہے ہیں جو ان کے نزدیک بڑا ہے مگر جنہیں خدا اور اس کے رسول نے بڑا فتنہ قرار دیا ہے ان کے استیصال اور اسلام کی اشاعت کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس غرض کے لئے مبعوث نہیں فرمایا تھا کہ آپ کے ذریعہ پہلے ایک جماعت قائم کرے اور پھر آپ کی وفات کے ساتھ ہی اس میں بگاڑ پیدا کر دے اور کچھ عرصہ کے بعد اس کی اصلاح کے لیے کسی کو کھڑا کر دے۔ کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا بھی ہوا کرتا ہے جو مکان بنائے اور پھر توڑ ڈالے اور توڑنے کے بعد پھر اُسے بنانا شروع کر دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض صرف یہ تھی کہ آپؑ دنیا کی اصلاح کریں اور یہی کام ہے جو آپؑ کی جماعت کے سپرد ہے۔ پس جب ہم بھی گمراہ ہیں۔ جب

غیر مبائعین بھی گمراہ ہیں اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحیح تعلیم پر صرف مصری صاحب اور ان کے بیٹے ہی قائم ہیں تو کیا ان کا فرض نہیں تھا کہ وہ اس تین سالہ عرصہ میں عیسائیوں کے خلاف لکھتے، آریوں کے خلاف لکھتے، مذاہب باطلہ کا ردّ کرتے اور اسلام کی شوکت اور عظمت ان پر ظاہر کرتے۔ مگر کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ اس تین سال کے عرصہ میں انہوں نے کیا اصلاح کی اور کتنے آریوں اور عیسائیوں پر اتمام حجت کی۔ یا کیا وہ اب اس بات کے لئے تیار ہیں کہ آریوں اور احرار وغیرہ کے خلاف لکھیں گے؟ تو یقیناً وہ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان کے اس فتنہ کی بنیاد ہی آریوں اور احرار کی مدد پر ہے اور وہ جانتے ہیں کہ وہ انہیں کی مدد پر جی رہے ہیں۔ اگر وہ ان کے خلاف لکھیں تو ان کا خدا ہی مر جائے۔ پس ان کے خلاف لکھنے کی وہ کبھی جرأت نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آج دنیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لائی ہوئی تعلیم کے ماتحت کوئی جماعت بھی کام نہیں کر رہی۔ ہم نہیں کر رہے کیونکہ مصری صاحب کے نزدیک ہم گمراہ ہیں۔ غیر مبائعین نہیں کر رہے کیونکہ مصری صاحب کے نزدیک وہ بھی گمراہ ہیں اور میں بتا چکا ہوں خود مصری صاحب بھی یہ کام نہیں کر رہے پس وہ بھی گمراہ ہوئے اور جب تمام کے تمام گمراہی پر قائم ہیں تو سوال یہ ہے کہ وہ کون سی جماعت ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قائم کی تھی اور جسے آپ کی بتائی ہوئی تعلیم کے ماتحت دنیا میں کام کرنا چاہیئے تھا۔

غرض یہ وہ باتیں ہیں جو جماعت کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنی چاہئیں اور وقتاً فوقتاً ان لوگوں کے سامنے انہیں پیش کرتے رہنا چاہیئے۔ پھر اس امر کو بھی مدنظر رکھنا چاہیئے کہ مخالف کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے دلائل پر پوری طرح غور کر لیا جائے اور سوچ سمجھ کر اور فکر سے کام لے کر سوالات کا جواب دیا جائے۔ بعض دفعہ غور سے کام نہیں لیا جاتا اور یونہی جواب دے دیا جاتا ہے۔ یہ درست طریق نہیں۔ مثلاً آجکل ذرّیت مبشرہ کے متعلق بحث ہو رہی ہے۔ میرے نزدیک سب سے پہلی چیز یہ تھی کہ لغت کے لحاظ سے اس پر بحث کی جاتی۔ اگر ہماری جماعت کے دوست لغت کے لحاظ سے اس پر بحث کرتے تو اس بحث کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔ اسی طرح بعض اور سوالات کا جواب دیتے وقت بھی میرے نزدیک پرانے لٹریچر کو

نہیں پڑھا گیا۔اسی طرح ایک اور بحث بھی ہے مگر میں اُس کا نام نہیں لینا چاہتا تا کہ مخالف ہوشیار نہ ہو جائے۔مگر اس کے متعلق بھی ایسے رنگ میں بحث کی جاسکتی تھی کہ مخالف اپنے منہ سے آپ ہی مجرم بن جاتا۔

پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہر گناہ ہوتے ہیں اور ایک مخفی گناہ۔ جو گناہ کسی کے باطن سے تعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق شریعت نے ہمیں یہ ہدایت دے دی ہے کہ ہم ان کے بارہ میں جستجو نہ کیا کریں لیکن جو ظاہر گناہ ہوتے ہیں وہ چونکہ ہر ایک کو دکھائی دیتے ہیں اس لئے ان کے بارہ میں تجسس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب دیکھو کیا یہ عجیب نہیں کہ یہ نئی پارٹی جو ہمارے خلاف نکلی ہے اسی طرح جو پیغامی ہمارے خلاف مضامین لکھتے رہتے ہیں ان میں سے اکثر ڈاڑھی مُنڈے ہوتے ہیں۔اب بتاؤ کیا اللہ اور اس کے رسول کی حمایت کا جوش انہیں لوگوں میں زیادہ ہوا کرتا ہے جو شریعت کی اس طرح کھلے طور پر ہتک کرنے والے ہوں۔وہ اصلاح کا دعویٰ کرتے ہوئے اُٹھے ہیں مگر ان کے اپنے بیٹے اور رشتہ دار اور دوسرے قریبی سب ڈاڑھیاں مُنڈواتے ہیں۔وہ ہمارے خلاف جب لکھنے پر اُترتے ہیں تو وہ ہمارے ان گناہوں کے متعلق بھی لکھ جاتے ہیں جو مخفی ہوتے ہیں اور جن کے متعلق شریعت انہیں یہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ ان کا ذکر کریں مگر کیا انہوں نے اپنا منہ کبھی شیشہ میں نہیں دیکھا اور کیا مصلح ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ممکن ہے وہ کہہ دیں کہ ہم نے کبھی شیشہ استعمال نہیں کیا مگر خدا نے ان کو آنکھیں تو دی ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں اور دوسرے رشتہ داروں کی کیا صورت ہے اور کیا ایسی صورتیں ہی لوگوں کی اصلاح کیا کرتی ہیں۔

پھر ان لوگوں کے اخلاق کی حالت یہ ہے کہ میں ابھی سندھ میں ہی تھا کہ وہاں مجھے ایک رسالہ ملا جس میں لکھنے والے نے یہ ذکر کیا تھا کہ میں نے ایک رجسٹرڈ خط آپ کو بھجوایا تھا جس میں فلاں بات میں نے بیان کی تھی مگر اس کا مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔حقیقت یہ ہے کہ وہ خط دفتر نے میرے سامنے پیش ہی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ جیسا کہ انہوں نے مجھے بتایا انہوں نے اس کے پیش کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور دفتر متعلقہ میں بھجوا دیا۔ بہرحال وہ

رسالہ شیخ غلام محمد صاحب کا تھا جو اِنہیں پیغامیوں میں سے الگ ہو کر آجکل مصلح موعود ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ میں اُن دنوں چونکہ قدرے فارغ تھا اس لئے میں نے اس رسالہ کو کھولا اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس رسالہ میں لکھا ہوا تھا کہ ایک پیغامی ڈاکٹر یہ بیان کرتا ہے کہ میں مرزا محمود احمد صاحب سے قادیان ملنے کیلئے گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے شراب پی ہوئی ہے اور جب انہیں پتہ لگا کہ میں ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں تو وہ ڈرے کہ نشہ چڑھا ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ اسے پتہ لگ جائے۔ چنانچہ انہوں نے ملاقات میں دو تین گھنٹے دیر لگا دی اور کہہ دیا کہ میں ابھی نہیں مل سکتا۔ دو تین گھنٹے انتظار کے بعد انہوں نے مجھے بلوایا اور میں نے جاتے ہی فوراً پہچان لیا کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی کیونکہ ان کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ مگر انہوں نے اس بات کو چھپانے کے لئے عطر مل رکھا تھا۔ شیخ غلام محمد صاحب نے اس رسالہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے اس مضمون کا رجسٹری خط امام جماعت احمدیہ کو بھجوایا تھا مگر مجھے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ اب میں انہیں اس رسالہ کے ذریعہ توجہ دلاتا ہوں اور بتاتا ہوں کہ پیغامیوں کے حلقہ میں آپ کے متعلق یہ بات زور سے پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے پرائیویٹ سیکرٹری کو ہدایت دی کہ آپ اس پیغامی ڈاکٹر کو ایک رجسٹرڈ خط لکھیں جس میں اُن سے دریافت کریں کہ یہ بات جو شائع ہوئی ہے کہاں تک درست ہے۔ ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم خود بخود یہ فیصلہ کر لیں کہ آپ نے واقعہ میں یہ کہا ہوگا۔ چونکہ یہ بات شائع ہو چکی ہے اس لئے آپ ہمیں بتائیں کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط میری غرض یہ تھی کہ اگر اُنہوں نے جواب دیا تو اصل بات خود ان کی زبان سے معلوم ہو جائے گی اور اگر جواب نہ دیا تو یہ اِس بات کا ثبوت ہوگا کہ انہوں نے واقعہ میں یہ بات کہی ہے۔ ایک مہینہ گزرنے کے بعد میں نے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب سے دریافت کیا کہ کیا ان کا کوئی جواب آیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ کوئی جواب نہیں آیا۔ اِس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کی اخلاقی حالت کس قدر گری ہوئی ہے۔

حالانکہ واقعہ صرف یہ تھا کہ شیخ محمد نصیب صاحب کو اپنے ہمراہ لے کر وہ میری ملاقات کے لئے آئے۔ پرائیویٹ سیکرٹری نے کہا کہ آجکل ملاقاتیں تو بند ہیں مگر چونکہ آپ خاص

طور پر ملاقات کے لئے ہی آئے ہیں اس لئے میں اطلاع کرا دیتا ہوں۔ انہوں نے مجھے اطلاع کی اُس وقت میری بیوی ایک خادمہ کے ساتھ مل کر کمروں کی صفائی کر رہی تھی اور گرد وغبار اُڑ رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر برآمدہ میں بھی ہم بیٹھے تو مٹی اور گرد کی وجہ سے انہیں تکلیف ہوگی اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلے کمروں کی صفائی کر لی جائے۔ چنانچہ میں نے انہیں کہا کہ کمروں کی صفائی ہو رہی ہے اور اِس وقت گرد وغبار اُڑ رہا ہے صفائی ہو لے تو میں ان کو بلوا لوں گا۔ انہیں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے جا کر یہ بات کہی تو کہنے لگے کہ اچھا اس دوران میں ہم مقبرہ بہشتی وغیرہ دیکھ آتے ہیں چنانچہ وہ چلے گئے اور میں نے ساتھ مل کر جلدی جلدی مکان کو صاف کیا اور پھر گھنٹی بجائی۔ پرائیویٹ سیکرٹری آئے تو میں نے انہیں کہا کہ اب انہیں ملاقات کیلئے لے آیئے۔ وہ کہنے لگے ابھی تو وہ آئے نہیں جب آئیں گے تو میں اطلاع کر دوں گا چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ آ گئے اور میں نے انہیں ملاقات کے لئے بلا لیا اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک ان سے باتیں کرتا رہا مگر باوجود اِس کے کہ میں نے ان سے اُن دنوں میں ملاقات کی جب کہ سب دوستوں سے ملاقاتیں بند ہیں اور باوجود اس کے کہ میں نے ان کیلئے اپنے وقت میں سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ قربان کیا اور باوجود اس کے کہ میں نے ان ہی کی خاطر جلدی جلدی مکان کو صاف کرایا اور خود بھی اس صفائی میں شریک ہوگیا اور گرد وغبار میں میں نے انہیں اس لئے نہ بلایا کہ انہیں تکلیف ہوگی اُنہوں نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کہ چونکہ ملاقات کرنے میں انہوں نے دیر لگائی تھی اس لئے معلوم ہوا کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی۔ اگر یہ اصول درست ہے تو اس کے بعد ہمارا بھی حق ہوگا کہ مولوی محمد علی صاحب سے اگر کوئی مبائع ملنے کے لئے جائے اور وہ نہ ملیں یا ملنے میں دیر لگا دیں تو ہم کہہ دیں گے کہ مولوی محمد علی صاحب نے شراب پی ہوئی تھی اس لئے انہوں نے ملاقات میں دیر لگا دی۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس سنت پر کہ آپ عطر ملا کرتے تھے[۳۲] عطر کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ وہ مجھے بہت ہی محبوب ہے، عمل کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ عطر لگانے والے نے شراب پی ہوتی ہے تو پھر ہمارا بھی حق ہوگا کہ ہم مولوی محمد علی صاحب کو جب عطر لگائے ہوئے دیکھیں کہہ دیں کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی جس

کی بو کو دور کرنے کے لئے انہوں نے عطر لگا لیا۔ حالانکہ عطر وہ چیز ہے جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے دنیا میں جو چیزیں محبوب ہیں ان میں ایک عطر بھی ہے۔[۴]

مجھے بھی عطر بڑا محبوب ہے اور میں ہمیشہ کثرت کے ساتھ عطر لگایا کرتا ہوں۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں بخاری ہاتھ میں لئے حضرت خلیفہ اوّل سے پڑھنے کے لئے جا رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے دیکھ لیا اور فرمایا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت مولوی صاحب سے بخاری پڑھنے جا رہا ہوں۔ فرمانے لگے مولوی صاحب کو میری طرف سے کہنا کہ ایک حدیث میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نئے کپڑے بدلتے اور عطر لگایا کرتے تھے اِس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اپنی سادگی میں بعض دفعہ بغیر کپڑے بدلے جمعہ کے لئے تشریف لے آیا کرتے تھے۔ میں نے جا کر اِسی رنگ میں ذکر کر دیا۔ حضرت مولوی صاحب یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمانے لگے حدیث تو ہے مگر یوں ہی کچھ غفلت ہو جاتی ہے۔ تو عطر لگانا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے مگر ان کے نزدیک جو شخص عطر ملتا ہے وہ اس بات کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ گویا اس نے شراب پی ہوئی تھی جس کی بو کو زائل کرنے کیلئے اس نے عطر لگا لیا۔ ایسے لوگوں کو ملاقات کا موقع دینا میرے نزدیک ظلم ہے کیونکہ عقلمند لوگ کہا کرتے ہیں کہ جو لوگ اہل نہ ہوں ان پر احسان بھی نہیں کرنا چاہئے۔ پس یہ لوگ اس قسم کے اخلاق کے مالک ہیں کہ ان کے ساتھ شرافت اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا بھی اپنا نقصان آپ کرنا ہے۔

ذرا غور کرو کہ ملاقاتیں بند تھیں میں اپنی جماعت کے دوستوں سے بھی نہیں ملتا تھا۔ گھر میں صفائی ہو رہی تھی، گرد اُڑ رہی تھی سامان اِدھر اُدھر بکھرا ہوا تھا اور میں محض اس لئے کہ ایک پیغامی دوست ملنے کے لئے آئے ہیں جلدی جلدی صفائی کروانے لگا اور خود بھی اس صفائی میں شریک ہوا اور جب ان صاحب کو ملاقات کا موقع دیا تو وہ گھر جا کر کہنے لگ گئے کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی تبھی ملنے میں دیر لگائی۔ یہ لوگ اگر دنیا کی اصلاح کرنے والے ہیں تو پھر اصلاح ہو چکی۔ مگر اس قسم کے صرف چند لوگ ہی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ

سارے غیر مبائعین ایسے ہی ہوں آخر ان میں شریف اور نیک لوگ بھی ہیں تبھی بعض شریف الطبع لوگ ان سے علیحدہ ہو کر ہم میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ پس اس قسم کی عداوت رکھنے والے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو بڑے بڑے معاندین کو بھی ہدایت نصیب ہو جاتی ہے۔

ابھی سیالکوٹ میں ایک دوست احمدیت میں داخل ہوئے ہیں۔ شیخ روشن الدین صاحب تنویر ان کا نام ہے اور وکیل ہیں۔ جب مجھے ان کی بیعت کا خط آیا تو میں نے سمجھا کہ کالج کے فارغ التحصیل نوجوانوں میں سے کوئی نوجوان ہوں گے مگر اب جو وہ ملنے کے لئے آئے اور شوریٰ کے موقع پر میں نے انہیں دیکھا تو ان کی داڑھی میں سفید بال تھے۔ میں نے چوہدری اسد اللہ خان صاحب سے ذکر کیا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ نوجوان ہیں اور ابھی کالج میں سے نکلے ہیں مگر ان کی تو داڑھی میں سفید بال آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ تو دس بارہ سال کے وکیل ہیں۔ پہلے احمدیت کے سخت مخالف ہوا کرتے تھے مگر احمدی ہو کر تو اللہ تعالیٰ نے انکی کایا ہی پلٹ دی ہے۔

اِسی طرح قادیان کا ہی ایک واقعہ ہے جو حافظ روشن علی صاحب نے سنایا وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے ایام میں مدرسہ احمدیہ کی طرف سے آرہا تھا کہ میں نے دیکھا ایک چھوٹی سی ٹولی جس میں چار پانچ آدمی ہیں مہمان خانے کی طرف سے آرہی ہے اور دوسری طرف ایک بڑی ٹولی جس میں چالیس پچاس آدمی ہیں باہر کی طرف سے آرہی ہے وہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھہر گئیں اور پھر انہوں نے آگے بڑھ کر آپس میں لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ پر اِس نظارے کا عجیب اثر ہوا اور میں نے آگے بڑھ کر اُن سے پوچھا کہ تم روتے کیوں ہو؟ اس پر وہ جو زیادہ تھے انہوں نے بتایا کہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو آپ کو تھوڑے نظر آرہے ہیں یہ ہمارے گاؤں میں سب سے پہلے احمدی ہوئے۔ ہم لوگوں کو ان کا احمدیت میں داخل ہونا اتنا بُرا معلوم ہوا اتنا بُرا معلوم ہوا کہ ہم نے ان پر ظلم کرنے شروع کر دیئے اور یہاں تک ظلم کئے کہ یہ اپنی جائیدادیں اور مکان وغیرہ چھوڑ کر دور کسی اور شہر میں جا بسے۔ کچھ عرصہ کے بعد ہمیں بھی خدا تعالیٰ نے ہدایت دی اور ہم بھی

احمدیت میں داخل ہو گئے لیکن نہ ہمیں ان کی خبر تھی کہ یہ کہاں ہیں اور نہ اِنہوں نے پھر ہمارے متعلق کوئی خبر حاصل کی ۔ آج جلسہ سالانہ پر ہم آئے ہوئے تھے کہ اِدھر سے ہم آ نکلے اور اُدھر سے یہ آ نکلے اور ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ ہمیں ان کو دیکھ کر وہ وقت یاد آ گیا جب ہم ان پر ظلم وستم کیا کرتے تھے اور جب خدا کی آواز پر لبیک کہنے کی وجہ سے ہم نے ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا اور انہیں بھی وہ زمانہ یاد آ گیا جب ہم نے انہیں دُکھ دیئے تھے اور ہم دونوں بیتاب ہو کر رونے لگ گئے ۔ تو بڑے بڑے دشمن ہدایت پا جاتے ہیں اور بڑے بڑے مخالف راہِ راست پر آ جاتے ہیں پس تم یہ مت سمجھو کہ چونکہ غیر مبائعین تمہارے دشمن ہیں اِس لئے انہیں ہدایت نہیں مل سکتی ۔ ہدایت خدا تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل جب نازل ہو تو تمام کدورتیں دل سے چلی جاتیں ہیں ۔ ہاں بے شک انہوں نے جماعت میں تفرقہ پیدا کیا ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو انہوں نے اپنے اوپر ناراض کیا ہے ۔ مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی بخشش وسیع ہے اور اس کی رحمتوں کا کوئی شمار نہیں ۔

پس تم نا امید مت ہو اور تبلیغ میں لگے رہو اور صداقت ان کے سامنے متواتر پیش کرتے رہو تا ان میں سے جو سعید روحیں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو کھینچ کر ہماری طرف لے آئے اور اس فتنہ کو جس کے متعلق یہ مقدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ اور کسی نہ کسی صورت میں ضرور قائم رہیگا ، جس حد تک کم ہو سکتا ہو کم کر دے تا ہدایت کو قبول کرنے کے راستہ میں جو روکیں حائل ہیں وہ زیادہ سے زیادہ دور ہو جائیں اور ہدایت کی تائید میں جو سامان ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کر جائیں ۔

(الفضل ۲۱ ؍اپریل ۱۹۴۰ء)

---

۱ البدر ۲ ؍جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶

۲ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا مریم: ۹۱

۳ بخاری کتاب اللباس باب الطیب فی الراس واللحیة

۴ مسند احمد بن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۲۸ دار الفکر بیروت

خلافت کے مخالفین کا ذکر

خطبہ جمعہ ۷ جون ۱۹۴۰ء میں حضور نے اپنے ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے خلافت کے مخالفین کا ذکر کیا آپ فرماتے ہیں:۔

''میں نے ایک خواب دیکھا پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے مگر اب میں سمجھتا ہوں کہ شائد یہ ان کے اور ان کی قماش کے دوسرے لوگوں کے متعلق ہو۔ میں نے دیکھا کہ ایک چارپائی ہے جس پر میں بیٹھا ہوں۔ سامنے ایک بڑھیا عورت جو بہت ہی کریہہ النظر ہے کھڑی ہے اس نے دو سانپ چھوڑے ہیں جو مجھے ڈسنا چاہتے ہیں۔ وہ چارپائی کے نیچے ہیں اور سامنے نہیں آتے تا جب میں نیچے اتروں تو پیچھے سے کود کر ڈس لیں۔ میرا احساس یہ ہے کہ ان میں سے ایک چارپائی کے ایک سرے پر ہے اور دوسرا دوسرے سرے پر تا میں جدھر سے جاؤں حملہ کرسکیں۔ میں کھڑا ہوگیا ہوں اور جلدی جلدی کبھی پائنتی کی طرف جاتا ہوں اور کبھی سرہانے کی طرف۔ میں خیال کرتا ہوں کہ جب میں پائنتی کی طرف جاؤں گا تو سرہانے کی طرف کا سانپ اس طرف دوڑے گا اور جب سرہانہ کی طرف آؤں گا تو پائنتی والا اس طرف آئے گا اور اس طرح میں ان کو جھانسہ دے کر نکل جاؤں گا۔ پانچ سات مرتبہ اس طرح کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اب دونوں سانپ ایک ہی طرف ہیں اور میں دوسری طرف سے کود پڑا۔ جب نیچے اترا تو میں نے دیکھا کہ واقعی وہ دونوں دوسری طرف تھے۔ میں فوراً ان کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوگیا۔ ان میں سے ایک نے مجھ پر حملہ کیا اور میں نے اسے مار دیا پھر دوسرے نے حملہ کیا اور میں نے اسے مارا۔ مگر میں سمجھتا ہوں ابھی وہ کچھ زندہ سا ہی ہے۔ اس جگہ کے پہلو میں ایک علیحدہ جگہ ہے میں ہٹ کر اس کی طرف چلا گیا ہوں۔ وہاں ایک نہایت خوبصورت نوجوان ہے۔

جو میں سمجھتا ہوں فرشتہ ہے اور گویا میری مدد کے لئے آیا ہے۔ وہ عورت چاہتی ہے کہ اس سانپ کو پکڑ کر مجھ پر پھینکے۔ مگر وہ نوجوان میرے آگے آ گیا اور میری حفاظت کرنے لگا۔ عورت نے نشانہ تاک کر اس پر مارا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی فوق العادت طاقت کا ہے۔ اس نے اسے سر سے پکڑ لیا اور چاقو نکال کر اس کی گردن کاٹ دی۔ اس عورت نے پھر اس کٹی ہوئی گردن کو اُٹھایا اور ہماری طرف پھینکنا چاہتی ہے۔ کبھی اس کی طرف نشانہ باندھتی ہے اور کبھی میری طرف۔ مگر اس فرشتہ نے مجھے پیچھے کر دیا اور خود آگے ہو گیا اور اسے پھینکنے کا موقع نہیں دیتا۔ آخر ایک دفعہ اس عورت نے پھینکا مگر فرشتہ آگے سے ایک طرف ہو گیا۔ سامنے کچی دیوار تھی وہ اس دیوار میں لگا اور اس میں سوراخ ہو گیا وہ اس سوراخ کے اندر ہی گھس گیا۔ میری پیٹھ اس طرف ہے۔ وہ فرشتہ ایک کمرہ کی طرف جو پہلو میں ہے اشارہ کر کے مجھ سے کہتا ہے کہ تم ادھر ہو جاؤ اس سوراخ میں سے یہ سانپ پھر نکلیں گے (گویا ان کی موت مجازی تھی اور جسمانی موت نہ تھی۔ اور ابھی وہ حقیقتاً زندہ تھے)۔ میں نے دیکھا کہ کبھی وہ اس سوراخ میں سے سر نکالتا ہے اور کبھی زبان ہلاتا ہے کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر رُخ کرتا ہے۔ گویا چاہتا ہے کہ ہم ذرا غافل ہوں تو حملہ کر دے۔ جونہی وہ سر نکالتا ہے فرشتہ اس کو ڈراتا ہے اور وہ جھٹ اندر چلا جاتا ہے۔ اتنے میں یکدم یوں معلوم ہوا کہ ایک کی بجائے دو سانپ ہیں اور گویا دوسرا سانپ جسے میں نے مردہ سمجھا تھا وہ بھی درحقیقت زندہ تھا۔ چنانچہ پہلے تو ایک ہی سوراخ تھا مگر یکدم ایک اور نمودار ہو گیا اور دونوں سانپ ان سوراخوں میں سے کودے اور زمین پر گرتے ہی آدمی بن گئے۔ جو بڑے **قَوِیُّ الْجُثّہ** ہیں۔ اس پر فرشتہ نے کسی عجیب سی زبان میں کوئی بات کی جسے میں نہیں سمجھ سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس نے کسی زبان میں جسے میں نہیں جانتا دعائیہ الفاظ کہے ہیں اور وہ الفاظ ''ہا کی پا کی'' کے الفاظ سے مشابہہ ہیں۔ مگر چونکہ وہ غیر زبان ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہی الفاظ ہیں یا ان سے ملتے جلتے کوئی اور الفاظ۔ اس کے دعائیہ الفاظ کا اس کی زبان سے جاری ہونا تھا کہ میں نے دیکھا دونوں حملہ آور قید ہو گئے اور ان میں سے جو میرے قریب تھا میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھے اور ان میں ہتھکڑیاں

پڑ گئیں مگر اس طرح کہ ایک کلائی دوسری کے اوپر ہے اور دایاں ہاتھ بائیں طرف کر دیا گیا ہے اور بایاں دائیں طرف کر دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ ایک کمان دونوں ہاتھوں پر رکھی گئی ہے اور اس کے ایک سرے سے ایک ہاتھ کی انگلیاں اور دوسرے سرے سے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں باندھ دی گئی ہیں ۔ دوسرے آدمی کو کس طرح قید کیا گیا ہے میں اچھی طرح نہیں دیکھ سکا۔ پھر فرشتہ نے مجھے اشارہ کیا کہ باہر آ جاؤ۔ یہ خواب جب میں نے دیکھا یہ لوگ ابھی پوشیدہ تھے اور اندر ہی اندر اتحاد عالمین کے نام سے اپنی گدی بنانے کی سکیمیں بنا رہے تھے۔ ان کے اندر خود پسندی اور خود ستائی تھی اور اپنی ولایت بگھارتے پھرتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم سے دعائیں کراؤ۔ حالانکہ خلافت کی موجودگی میں اس قسم کی گدیوں والی ولایت کے کوئی معنی ہی نہیں ۔

جیسے گوریلا وار کبھی جنگ کے زمانہ میں نہیں ہوا کرتی ۔ چھاپے اسی وقت مارے جاتے ہیں جب باقاعدہ جنگ کا زمانہ نہ ہو۔ خلفاء کے زمانہ میں اس قسم کے ولی نہیں ہوتے ۔ نہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں کوئی ایسا ولی ہوا۔ نہ حضرت عمرؓ یا عثمانؓ یا حضرت علیؓ کے زمانہ میں ۔ ہاں جب خلافت نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے ولی کھڑے کئے کہ جو لوگ ان کے جھنڈے تلے جمع ہوسکیں انہیں کرلیں تا قوم بالکل ہی تِتّر بِتّر نہ ہو جائے ۔ لیکن جب خلافت قائم ہو اس وقت اس کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ جیسے جب منظّم فوج موجود ہو تو گوریلا جنگ نہیں کی جاتی ۔

(الفضل ۱۶؍جون ۱۹۴۰ء)

خلیفۂ وقت کے مقرر کردہ عہدیداروں کی اطاعت بھی ضروری ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ستمبر ۱۹۴۰ء بمقام قادیان)

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

نظام جہاں اپنے اندر بہت سی برکات رکھتا ہے اور دینی اور دُنیوی ترقیات کے لئے ایک نہایت ضروری چیز ہے وہاں اس میں بہت سی پیچیدگیاں بھی ہوتی ہیں اور جتنا نظام بڑھتا چلا جاتا ہے اتنی ہی اس میں پیچیدگیاں بھی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں جتنی کوئی چیز منفرد اور اکیلی ہو اتنی ہی وہ سادہ ہوتی ہے۔ پس جہاں نظام کے ذریعہ قوموں اور مذہبوں کو فوائد پہنچتے ہیں وہاں اس کی وجہ سے بعض دفعہ غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور جو لوگ نظام سے سچا فائدہ اُٹھانا چاہیں ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ان غلطیوں کی وہ اصلاح کریں اور اصلاح کرتے چلے جائیں۔ اگر ان غلطیوں کی وہ اصلاح نہ کریں تو آہستہ آہستہ وہی نظام جو نہایت مفید ہوتا ہے کسی وقت لوگوں کے لئے عذاب بن جاتا ہے۔ یہ جو آجکل ڈکٹیٹرشپ، نازی ازم اور فیسی ازم رائج ہیں۔

یہ بھی نظام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں یہ جو کمیونزم اور بالشوزم کہلاتے ہیں یہ بھی نظام کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ ہیں وہ نظام ہی لیکن ان کی کل ٹیڑھی چل گئی اور کل کے بگڑ جانے کی وجہ سے ان میں ایسی خرابیاں پیدا ہو گئیں کہ وہ دنیا کے لئے مصیبت اور عذاب بن گئے۔ اسلام نے بھی ایک نظام قائم کیا ہے اور ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ نہایت ہی اعلیٰ نظام ہے۔ مگر جس طرح باقی نظام پیچیدہ ہیں ویسے ہی وہ بھی پیچیدہ ہے۔ چنانچہ اُمت مسلمہ میں

سے ہی وہ ایک گروہ کو اٹھاتا ہے اور اسے اٹھا کر دوسروں کے لئے ان کی اطاعت واجب کر دیتا ہے۔ بعض لوگ غلط فہمی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف خلیفہ ہی واجب الاطاعت ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے صاف طور پر ایسا نظام بتایا ہے جس میں صرف خلیفہ ہی نہیں بلکہ خلیفہ کے مقرر کردہ عہدیدار بھی واجب الاطاعت ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ [1] اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جیسا کہ کئے گئے ہیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کے بعد اُولِي الْاَمْرِ کی مگر اس کے معنی یہ بھی ہیں بلکہ قریب ترین معنی یہی ہیں کہ تم اللہ کی اطاعت کرو۔ تم رسول کی اطاعت کرو اور تم اس زمانہ کے اُولِي الْاَمْرِ کی بھی اطاعت کرو گویا اللہ بھی موجود اور رسول بھی موجود ہے اور اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت بھی ضروری ہے اور یہ وہ معنی ہیں جن کی قرآن کریم کی متعدد آیات سے تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً جہاں خبروں کے پھیلانے کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ کیوں تم ان لوگوں تک خبریں نہیں پہنچاتے جو بات کو سمجھنے کے اہل ہیں اور جن کے سپرد اس قسم کے امور کی نگرانی ہے گویا وہ ایک جماعت تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھی اور لوگوں کو حکم تھا کہ بجائے پبلک میں غیر ذمہ دارانہ طور پر خبریں پھیلانے کے اسے پہنچائی جائیں۔ پس یہ آیت بتاتی ہے کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو عام لوگوں سے ایک امتیاز رکھتے تھے اور لوگوں کو حکم تھا کہ وہ ضروری باتیں ان تک پہنچائیں۔ پھر ایک اور دلیل اس بات پر کہ اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت اللہ اور رسول کی موجودگی میں ہی ضروری ہے یہ ہے کہ اللہ کے بعد رسول کی اطاعت نہیں ہوتی۔ بلکہ اُس کی موجودگی میں ہی رسول کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نَعُوْذُبِاللّٰه فوت ہو جائے تو تم رسول کی اطاعت کرو اور رسول فوت ہو جائے تو اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت کرو بلکہ اللہ کی موجودگی میں رسول کی اطاعت کا حکم ہے۔ اسی طرح رسول کی موجودگی میں ہی اُولِي الْاَمْرِ کی اطاعت اور ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی اعتراض کر دے کہ رسول کی اطاعت کا تو حکم ہوا۔ مگر خلیفہ کی اطاعت

کا کہاں حکم ہے؟ سو ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ خلیفہ رسول کا قائم مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ خلیفہ کے معنی نائب کے ہیں مگر وہ نائب اور قائم مقام اُولِی الْاَمْرِ کا نہیں بلکہ رسول کا ہوتا ہے۔ پس قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور جب رسول فوت ہو جائے تو تم اس کے خلیفہ کی اطاعت کرو۔ اور اس زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ کی بھی اطاعت کرو۔ کیونکہ کوئی نظام اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک خلیفہ کے مقرر کردہ عہدیداروں کی اطاعت لوگ اپنے لئے ضروری خیال نہ کریں اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ یعنی جس نے میرے مقرر کردہ حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی کیونکہ میں ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے لازماً کام کو عمدگی سے چلانے کے لئے اپنے نائب مقرر کرنے پڑیں گے۔ اور لوگوں کے لئے ضروری ہوگا کہ ان کی اطاعت کریں اگر وہ اطاعت نہیں کریں گے تو نظام ٹوٹ جائے گا۔ پس ان کی اطاعت درحقیقت میری اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی میری نافرمانی۔ تو اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ میں ایک ایسا مکمل نظام پیش کیا گیا ہے جس کے تحت ایک ہی زمانہ میں اللہ کی اطاعت بھی ضروری ہے رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اگر رسول نہ ہو تو اس کے خلیفہ کی اطاعت ضروری ہے اور اس زمانہ میں اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ اللہ ایک ہے رسول ایک ہے خلیفہ بھی ایک ہی ہوگا۔ لیکن اُولِی الْاَمْرِ کئی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اُولِی الْاَمْرِ میں جمع کا صیغہ رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کئی ہوں گے اور گو خلیفہ ایک ہوگا مگر اس کے تابع بہت سے عہدیدار ہوں گے۔

یہ اسلامی نظام ہے جسے قرآنِ کریم پیش کرتا ہے اور وہ اُمت محمدیہ کو حکم دیتا ہے کہ اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت کرو۔ لیکن اس میں بعض دفعہ ایک بگاڑ بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ غلطی سے اُولِی الْاَمْرِ یہ خیال نہیں کرتے کہ لوگوں پر ان کی جو اطاعت فرض ہے وہ اُولِی الْاَمْرِ ہونے میں ہے زید اور بکر ہونے میں نہیں۔ زید اور بکر ہونے میں تو رسول کی

اطاعت بھی نہیں۔ یوں تو رسول کا مقام ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہی حکم دیتا ہے۔ کہ اس کی اطاعت کرو۔ مگر خدا نے انہیں جو حق دیا ہے۔ وہ ہر بات میں نہیں اور نہ ہر بات میں انہوں نے کبھی اپنے حق کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو یہ حق نہیں تھا۔ اور نہ آپ نے کبھی ایسا کیا کہ کسی کی بیٹی کا اپنی مرضی سے کسی دوسرے سے نکاح کر دیں۔ اسی طرح آپ نے کبھی کسی سے نہیں کہا کہ اپنا مکان فلاں کو دے دو۔ بلکہ آپ نے ان امور میں ان کے اختیارات کو بحال رکھا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے زمانہ میں ایک لڑکی جو غلام تھی اور اس کا خاوند بھی غلام تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد آزاد ہوئی تو اسے شریعت کے ماتحت اس امر کا اختیار دیا گیا کہ چاہے تو وہ اپنے غلام خاوند کے نکاح میں رہے اور چاہے تو نہ رہے۔ اتفاق کی بات ہے بیوی کو اپنے خاوند سے شدید نفرت تھی اور ادھر خاوند کی یہ حالت تھی کہ اس کو بیوی سے عشق تھا۔ جب وہ آزاد ہوئی اور غلام نہ رہی تو اس نے کہا کہ میں اب اس کے پاس نہیں رہ سکتی۔ خاوند کو چونکہ اس کے ساتھ شدید محبت تھی اس لئے جہاں وہ جاتی وہ پیچھے پیچھے چلا جاتا۔ اور رونا شروع کر دیتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اسے اس حالت میں دیکھا تو آپؐ کو رحم آیا اور آپ نے اس لڑکی سے کہا کہ تم اس کے پاس رہو تمہارا کیا حرج ہے۔ اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہ!** یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ۔ آپ نے فرمایا مشورہ ہے حکم نہیں کیونکہ اب تم آزاد ہو چکی ہو اور شریعت کی طرف سے تمہیں اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ چاہو تو تم اپنے غلام خاوند کے پاس رہو اور چاہو تو نہ رہو۔ اس نے کہا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہ!** اگر یہ آپ کا مشورہ ہے۔ تو پھر میں اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے اس سے نفرت ہے تو ذاتی معاملات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کبھی دخل نہیں دیتے تھے۔ اسی طرح خلفاء نے بھی کبھی ذاتی معاملات میں دخل نہیں دیا۔ خود میرے پاس کئی لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی کا آپ جہاں چاہیں نکاح پڑھا دیں۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مگر باوجود اس کے کہ آج تک مجھے سینکڑوں لوگوں نے ایسا کہا ہوگا۔ میں نے کسی ایک کی بات بھی نہیں مانی میں نے ہمیشہ کہا ہے کہ کہ مجھ پر کیا آگے ذمہ داریاں کم ہیں کہ اب میں اور ذمہ داریوں کو بھی اُٹھا لوں۔

ممکن ہے میں انتخاب میں کوئی غلطی کر جاؤں اور اس طرح قیامت کے روز خدا تعالیٰ کے حضور مجھے جواب دہ ہونا پڑے۔ پس میں کیوں اس بوجھ کو برداشت کروں۔ شاید ماں باپ یہ سمجھتے ہوں کہ لڑکیوں کا نکاح کرتے وقت ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ مگر میرے نزدیک والدین پر بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور ان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر اور دعاؤں سے کام لینے کے بعد اپنی لڑکیوں کا نکاح کیا کریں۔ اگر وہ بے احتیاطی سے کام لیں گے تو یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوں گے پس جبکہ نکاح کرانا ایک خاص ذمہ داری کا کام ہے تو بالکل ممکن ہے مجھ سے کسی کے معاملہ میں کوئی بے احتیاطی ہو جائے اور قیامت کے دن باپ تو آزاد ہو جائے اور میں اس کا جواب دہ ٹھہر جاؤں۔ پس باوجود اس کے کہ میرے زمانہ خلافت میں سینکڑوں لوگوں نے مجھے یہ کہا ہوگا کہ آپ جہاں چاہیں میری لڑکیوں کا نکاح کر دیں۔ مجھے اس وقت ایک مثال بھی ایسی یاد نہیں جس میں میں نے دخل دیا ہو اور اپنی مرضی سے ان کی لڑکیوں کا کہیں نکاح کر دیا ہو۔ میں ہمیشہ انہیں یہی جواب دیتا ہوں کہ جب مجھے کسی رشتہ کا علم ہوا تو آپ کو اطلاع دے دوں گا۔ آگے یہ ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ غور کر لیں کہ وہ یہ رشتہ ان کے لئے موزوں ہے یا نہیں۔ ایسے موقع پر بعض لوگ اصرار بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں میں نے اپنی لڑکیوں کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا ہے۔ مگر میں یہی کہتا ہوں کہ میں اس کے لئے تیار نہیں۔ ہاں جب بھی مجھے رشتوں کا علم ہوگا۔ میں لڑکے آپ کے سامنے پیش کرتا چلا جاؤں گا۔ آپ کو پسند آئیں تو لیتے جائیں اور اگر پسند نہ آئیں تو ردّ کرتے جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اُولِی الْاَمْرِ کو جو حکومت دی ہے وہ ذاتی معاملات میں نہیں قومی معاملات میں ہے۔ رسول کو بھی اور خلیفہ کو بھی اور اُولِی الْاَمْرِ کو بھی یہ قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ ذاتی معاملات میں لوگوں پر رُعب جتائیں۔ مثلاً مجھے یہ حق نہیں کہ میں جماعت کے کسی آدمی سے یہ کہوں کہ میں چونکہ خلیفہ ہوں اس لئے تم میری نوکری کرو اور جو تنخواہ میں دوں وہ قبول کرو۔

یہ خلافت کا کام نہیں بلکہ ایک دنیوی کام ہے اور دوسرے شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے چاہے یہی کہے کہ میں نوکر نہیں ہونا چاہتا اور چاہے یہ کہے

کہ جو تنخواہ آپ دیتے ہیں وہ مجھے منظور نہیں اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ شریعت نے ان معاملات میں اسے آزادی بخشی ہے۔ یا فرض کرو میں اپنا مکان بنانے کے لئے کسی دوست سے کوئی زمین خریدنا چاہتا ہوں تو ہر شخص کا حق ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے۔ مثلاً یہی کہہ دے کہ جو قیمت آپ دینا چاہتے ہیں۔ اس پر میں زمین فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یا یہ کہہ دے کہ میں زمین بیچنا ہی نہیں چاہتا۔ بہرحال یہ اس کا حق ہے جسے وہ استعمال کرسکتا ہے۔ یہی حال اُولِی الْاَمْرِ کا ہے۔ ہماری جماعت میں بھی کچھ ناظر ہیں اور کچھ ناظروں کے ماتحت عہدیدار مقرر ہیں۔ ان ناظروں اور عہدیداروں کو بھی وہی محدود اختیارات حاصل ہیں۔ جو جماعتی نظام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں ایسے کاموں کا سوال آجائیگا۔ جو نظام جماعت سے تعلق نہیں رکھتے وہاں اگر بعض لوگ ان کے کرنے سے انکار کر دیں۔ تو یہ ان کا حق سمجھا جائے گا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے پاس ایسی رپورٹیں پہنچتی رہتی ہیں کہ بعض آدمی ذاتی کام لیتے وقت اپنے عہدہ کے جتانے کے عادی ہیں۔ اور وہ بات کرتے وقت دوسروں سے کہہ دیتے ہیں کہ تم جانتے ہو میں کون ہوں میں ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر تعلیم وتربیت ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں یا فلاں عہدیدار ہوں۔ اس قسم کے الفاظ کا دہرانا یقیناً اس ذمہ داری کے ادا کرنے کے خلاف ہے جس کا اسلام ان سے مطالبہ کرتا ہے۔ ہر شخص جسے خدا نے بعض معاملات میں آزادی دے رکھی ہے۔ اس کے متعلق ہم یہ حق نہیں رکھتے کہ اس کی آزادی کو سلب کریں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی مثال موجود ہے۔ آپ نے ذاتی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیا۔ آپ نے بریرہ سے یہ نہیں کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تم میری بات مان لو۔ بلکہ فرمایا کہ یہ میرا ذاتی مشورہ ہے اسے ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار کی بات ہے۔ اسی طرح بعض سودے ہوئے جن کے متعلق آپ نے صحابہؓ سے یہی فرمایا کہ لوگوں سے مشورہ کرلو۔ اور جو کچھ صحیح سمجھو اس کے مطابق کام کرو۔

تو جماعت کے ذمہ دار کارکنوں کو میں ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اپنے عہدے لوگوں کو ڈرانے کے لئے استعمال نہ کیا کریں۔ جو شخص کسی جھگڑے کے موقع پر یہ کہتا ہے کہ تم جانتے

ہو میں کون ہوں میں ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر تعلیم وتربیت ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں وہ اپنے عمل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نظارت کو دوسرے معاملات میں بالا سمجھتا ہے۔ حالانکہ نظارت کا اپنا ایک محدود دائرہ ہے۔ اس دائرہ سے باہر اس کے اختیارات نہیں یا سلسلہ کا کوئی مربی اور کارکن ایسے مواقع پر اگر یہ کہتا ہے کہ تم جانتے ہو میں کون ہوں میں سلسلہ کا مربی ہوں یا سلسلہ کا کارکن ہوں تو وہ اپنے عہدے کا ناجائز استعمال کرتا ہے۔ مثلاً دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے ہوں تو اگر ایک ایسا شخص جسے نظام نے لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر نہیں کیا وہاں جا کر کہتا ہے کہ میں سلسلہ کا مربی ہوں یا سلسلہ کا کارکن ہوں تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنا عہدہ دوسروں پر رُعب جتانے کے لئے استعمال کیا ہے کیونکہ مربی کا کام لوگوں کی تربیت واصلاح کرنا ہے نہ کہ جھگڑوں کا فیصلہ کرنا۔ اس کا یہ ہرگز حق نہیں کہ وہ لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرے یا اپنا فیصلہ لوگوں سے منوائے۔ ہاں اگر کوئی قاضی ہو تو وہ ایسا کہہ سکتا ہے اور اپنا فیصلہ بھی اس جھگڑے کے متعلق دے سکتا ہے تو یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ پس میں جماعت کے تمام عہدیداروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ اس بارہ میں احتیاط ملحوظ رکھیں اور عَلَی الْاِعْلَان خطبہ جمعہ میں میں نے اس کا اظہار اس لئے کیا ہے تا دوسرے لوگ بھی نگران رہیں اور جب سلسلہ کے کارکنوں میں سے کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کی فوری طور پر میرے پاس رپورٹ کریں۔

میں اس بارہ میں اپنا ہی ایک واقعہ سنا دیتا ہوں جس میں میرا نام ایک موقع پر ناجائز طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ مگر جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے اس افسر کو سختی سے ڈانٹا۔ وہ واقعہ یہ ہے جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے ہم قادیان کے اِردگرد دیہات میں اپنے لئے زمینیں خریدتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ہماری طرف سے ایک زمین کا سودا ہوا۔ مگر ابھی یہ سودا ہو ہی رہا تھا کہ ننگل کے ایک شخص نے ہم سے زیادہ قیمت دے کر اس زمین کو خرید لینا چاہا۔ اس پر ہمارے مختار نے اُسے کہا کہ تم خلیفۃ المسیح ثانی کا مقابلہ کرتے ہو یہ تمہارے لئے اچھی بات نہیں۔ مجھے جب اس بات کا علم ہوا تو میں نے انہیں ڈانٹا اور کہا کہ اس میں خلیفۃ المسیح کا

کیا تعلق ہے یہ سودا خلیفۃ المسیح سے نہیں بلکہ مرزا محمود احمد سے ہو رہا تھا اور دوسرا فریق اس بات کا حق رکھتا تھا کہ اگر وہ چاہے تو سودے سے انکار کر کے کسی دوسرے سے سودا شروع کر دے۔

یہ زمیندارہ معاملہ ہے اور اس میں دوسرا شخص اختیار رکھتا ہے کہ وہ چاہے تو مان لے اور چاہے تو نہ مانے اس میں خلافت یا خلیفۃ المسیح کا کوئی سوال نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے نے خلیفۃ المسیح کا مقابلہ کیا۔ گو اخلاقی طور پر میرے نزدیک دوسرے فریق کی غلطی تھی کیونکہ جب کوئی شخص سودا کر رہا ہو تو دوسرے کو اس میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ مگر شریعت میں چونکہ یہ بھی مسئلہ ہے کہ جب تک کچھ پیشگی رقم نہ دے دی جائے اس وقت تک سودا مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوسرے کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو سودے سے انکار کر دے اور کسی دوسرے شخص کو زیادہ قیمت پر دے دے۔ بہرحال ہمارے ملک میں چونکہ عام طور پر لوگوں کو اپنے عہدے جتانے کی عادت ہے جیسے تحصیل دار کہہ دیا کرتے ہیں کہ تم جانتے ہو ہم کون ہیں ہم تحصیلدار ہیں یا ڈپٹی کمشنر کہہ دیا کرتے ہیں تم جانتے ہو ہم کون ہیں ہم ڈپٹی کمشنر ہیں۔ اسی طرح انہوں نے بھی دھمکی دے دی اور کہا کہ تم جانتے ہو یہ سودا خلیفۃ المسیح کر رہے ہیں پس تم کسی اور سے نہیں بلکہ خلیفۃ المسیح کا مقابلہ کر رہے ہو حالانکہ یہ زمین خلیفۃ المسیح نہیں بلکہ مرزا محمود احمد خرید رہا تھا اور مرزا محمود احمد کے مقابلہ میں ایسے معاملات میں ہر شخص خواہ وہ احمدی ہو یا نہ ہو اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ اگر چاہے تو انکار کر دے۔ غرض اخلاقی طور پر گو اس سے غلطی ہوئی۔ مگر میں نے پسند نہ کیا کہ میں واقف ہو کر اس کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھالوں۔ تو لوگ بلاوجہ اپنے عہدوں سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں اسی طرح جو عہدیدار ہیں۔ ان کی عورتوں کے متعلق میرے پاس شکایت آتی رہتی ہے کہ وہ بھی دوسروں پر رُعب جمانا چاہتی ہیں گویا جو احترام ناظر امور عامہ کو حاصل ہے وہی ناظر امور عامہ کی بیوی بھی حاصل کرنا چاہتی ہے اور جس طرح ملکہ کو ایک حق حاصل ہوتا ہے اسی طرح وہ بھی اپنا حق جتانا چاہتی ہے حالانکہ ناظر امور عامہ کی بیوی کو کوئی حق نہیں کہ وہ لوگوں پر رُعب جمائے وہ جماعت میں محض ایک فرد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر جماعت سے لوگ اس

لحاظ سے کہ اس کا خاوند قوم کا ایک خادم ہے۔ اس کی عزت کریں تو یہ ایک اچھی بات ہے لیکن محض اس وجہ سے کہ وہ ناظر امور عامہ کی بیوی ہے یا ناظر امور خارجہ کی بیوی ہے یا ناظر ضیافت کی بیوی ہے یا ناظر بیت المال کی بیوی ہے یا ناظر تعلیم وتربیت کی بیوی ہے یا ناظر اعلیٰ کی بیوی ہے اس کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں پر رُعب جتائے۔ وہ جماعت کا ایک ویسا ہی فرد ہے جیسے کوئی معمولی سے معمولی شخص کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بعض لوگوں کو رتبہ دیا ہے وہ کام کے لحاظ سے دیا ہے اور ان سے تعلق رکھنے والوں کو یہ قطعاً حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے رتبہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں پر رُعب جتانا شروع کر دیں۔ میری جب وصیت شائع ہوئی تو بعض انگریزی اخبارات کے نمائندے مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ اُن کے آنے کی بڑی غرض یہ تھی کہ وہ مجھ سے یہ کہلوانا چاہتے تھے کہ میرے بعد یا تو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب خلیفہ ہونگے یا میرا بیٹا ناصر احمد۔ وہ بار بار اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے پھر یہی سوال میرے سامنے پیش کر دیتے اور کہتے کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ کیا چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ہونگے یا ناصر احمد۔ میں نے اُنہیں کہا کہ خلافت تو خدا تعالیٰ کی ایک دین ہے اس میں چوہدری ظفر اللہ خان اور ناصر احمد کا ویسا ہی حق ہے جیسے ایک نومسلم چوہڑے کا۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے کیا معلوم اللہ تعالیٰ میرے بعد یہ رُتبہ کس کو دیگا۔ کسی بڑے آدمی کو یا ایک معمولی اور حقیر نظر آنے والے انسان کو۔ مگر وہ دنیا داری کے لحاظ سے سمجھتے تھے کہ میرے بعد خلافت کے اہل یا تو چوہدری ظفر اللہ خان ہیں یا ناصر احمد۔ چنانچہ چکر کھا کر وہ پھر یہی سوال کر دیتے کہ اچھا تو پھر آپ کے بعد کیا صورت ہوگی؟ مگر میں انہیں یہی کہتا رہا کہ مجھے کچھ علم نہیں اللہ تعالیٰ میرے بعد یہ نعمت کس کو عطا کریگا۔ آخر انہیں میرے جوابوں سے اتنی مایوسی ہوئی کہ انہوں نے ملاقات کا ذکر شائع کرتے وقت اس سوال کو ہی اُڑا دیا۔ ایک اخبار والے نے تو میرے ساتھ اس سوال پر بڑی بحث کی اور کہا کہ آخر کچھ تو کہیں میں نے کہا میں اس بارہ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ پھر میں نے انہیں بتایا کہ حضرت خلیفہ اوّل جب فوت ہوئے اور جماعت میں خلافت کے متعلق جھگڑا شروع ہوا تو بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید میں نے اپنی خلافت کے لئے یہ جھگڑا کھڑا کر رکھا

ہے۔ میں نے اس وقت اپنے رشتہ داروں کو جمع کیا ان رشتہ داروں میں میرے بزرگ بھی تھے۔ میرے برابر کے بھی تھے اور مجھ سے چھوٹے بھی تھے۔ نانا جان صاحب مرحوم بھی موجود تھے میرے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب بھی موجود تھے اِسی طرح میرے چھوٹے بھائی بھی تھے اور گھر کے دوسرے افراد بھی۔ میں نے ان سب کو جمع کر کے کہا کہ دیکھو یہ وقت ایسا نہیں کہ ہم ذاتیات کا سوال لے بیٹھیں اس وقت جو لوگ خلافت کی مخالفت کر رہے ہیں انہیں یہ وہم ہو گیا ہے کہ چونکہ خلافت سے ہم فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں اس لئے ہم یہ جھگڑا پیدا کر رہے ہیں۔ یہ وہم خواہ کیسا ہی غلط اور بے بنیاد ہو ہمیں اپنے وجود سے سلسلہ میں تفریق پیدا نہیں کرنی چاہیے اور اگر وہ اس بات پر متفق ہوں کہ کسی نہ کسی کو ضرور خلیفہ ہونا چاہئے تو اوّل تو یہی مناسب ہے کہ اس کے متعلق لوگوں کی عام رائے لے لی جائے لیکن اگر انہیں اس سے اتفاق نہ ہو تو ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جیسے خواجہ کمال الدین صاحب یا مولوی محمد علی صاحب ہیں کسی ایسے آدمی کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے جو دونوں فریق کے نزدیک بے تعلق ہو اور اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو پھر ان لوگوں میں سے ہی کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیجائے۔ میں نے اس پر اتنا زور دیا کہ میں نے اپنے رشتہ داروں سے کہا اگر آپ لوگ میری اس بات کو نہیں مانتے تو میں پھر باہر جاتا ہوں اور باہر جا کر عام لوگوں کے سامنے اپنی اس بات کو پیش کر دیتا ہوں نتیجہ یہ ہوا کہ سب میری بات پر متفق ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اوّل تو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ دونوں فریق کسی ایسے آدمی کے ہاتھ پر اکٹھے ہوں جو واضح طور پر گزشتہ جھگڑوں میں شامل نہ ہوا ہو اور جو دونوں کے نزدیک بے تعلق ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر اتحاد کے خیال سے انہی لوگوں میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے تو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل کی وفات پر بھی خلیفہ کے انتخاب میں اس حد تک دخل دیا تھا اور کسی کا نام بالتصریح نہیں لیا تھا پھر تم کس طرح سمجھ سکتے ہو کہ اب میں کسی کا نام لے لونگا اور اس کے متعلق کہہ دوں گا کہ وہ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ پھر اس میں میری مرضی کا بھی سوال نہیں۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور جب خلیفہ بنانا خدا نے اپنے ذمہ لے لیا ہوا ہے تو میرا اس میں دخل دینا کیسی حماقت ہوگی پھر اس نے کہا کہ

کیا آپ کو یہ اختیار حاصل ہے یا نہیں کہ آپ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر جائیں میں نے کہا اختیار تو ہے مگر میں اس اختیار کو استعمال کرنا نہیں چاہتا۔ اور آئندہ کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ حالات کیا صورت اختیار کریں۔ غرض ان کی ساری کوشش اسی امر پر مرکوز رہی کہ میں یا تو اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کے متعلق کہہ دوں کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوگا یا دنیا کے لحاظ سے ان کی نگاہ چونکہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب پر پڑ سکتی تھی اس لئے انہوں نے سمجھا کہ اگر کوئی رشتہ دار خلیفہ نہ ہوا تو شاید وہ ہو جائیں میں نے انہیں کہا کہ یہ میرا کام نہیں کہ میں انتخاب کرتا پھروں یہ خدا کا کام ہے اور میں تو محض سلسلہ کے ایک خادم کے طور پر کام کر رہا ہوں غرض ہم میں سے کوئی بھی نہیں جسے اس قسم کا اختیار حاصل ہو ہمیں جو حکومت حاصل ہے وہ شریعت کے ماتحت اُولِی الْاَمْرِ ہونے کے لحاظ سے ہے پس جتنا امر ہوگا اتنی ہی حکومت ہوگی اور جو شخص اس حکومت کے دائرہ کو وسیع کریگا وہ نظام کا دشمن قرار پائے گا۔ پس عام دُنیوی معاملات میں دوسروں سے یہ کہنا کہ میں تو ناظر امور عامہ ہوں یا ناظر اعلیٰ ہوں نظارت کے جامہ کی ہتک ہے وہاں وہ ناظر نہیں بلکہ ایک فرد کی حیثیت رکھے گا اور اسے دوسروں پر کوئی تفوق حاصل نہیں ہوگا اسلام میں اس کی کئی مثالیں بھی موجود ہیں چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلفاء پر دیوانی نالشیں ہوئیں اور انہیں قضا میں جواب کے لئے بلایا گیا۔ اب فرض کرو کہ کسی کو میرے خلاف کوئی شکایت ہو مثلاً وہ کہے کہ انہوں نے میرا اتنا روپیہ دینا ہے مگر دیتے نہیں یا اتنا دیا ہے اور اتنا نہیں دیا تو اسے اس بات کا پورا حق ہے کہ وہ اگر چاہے تو قضا میں میرے خلاف دعویٰ دائر کر دے وہاں مجھے اسی طرح جواب دینا پڑے گا جس طرح ایک عام شخص قضا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے لیکن جہاں خدا نے مجھے کوئی حق دیا ہے وہاں وہ میرا حق چھین نہیں سکتا۔

پس جماعت کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ نظام کی برکتیں اس کی پیچیدگیوں کو حل کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ ورنہ نظام کے لفظ کا اندھا دھند استعمال خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ جیسے ہمارے مختار نے ایک زمین کے معاملہ میں دوسرے سے کہہ دیا کہ تمہارا مقابلہ خلیفۃ المسیح سے ہے حالانکہ وہاں خلافت کا کوئی سوال نہ تھا۔ بلکہ اپنی ذاتی حیثیت میں

میری طرف سے ایک سودا ہو رہا تھا۔ اور ایسی صورت میں دوسرے فریق کا حق تھا کہ وہ اگر چاہتا تو زیادہ قیمت پر دوسرے کو دے دیتا۔ اگر میں لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتا ہوں تو میری حیثیت خلیفہ کی ہوتی ہے اگر میں جماعت کو کوئی حکم دیتا ہوں تو میری حیثیت خلیفہ کی ہوتی ہے لیکن اگر میں اپنے لئے یا اپنے خاندان کے لئے کوئی زمین خریدتا ہوں تو اس میں میری حیثیت خلیفہ کی نہیں ہوتی اور دوسرا اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ سودے سے انکار کر دے یہ ایسی ہی بات ہے جیسے ترکاری بکنے لگے تو ایک طرف سے میرا آدمی ترکاری لینے کے لئے چلا جائے اور دوسری طرف سے جماعت کا کوئی اور آدمی اب ایسے موقع پر اگر میرا آدمی دوسرے سے یہ کہے کہ تم ترکاری مت خریدو کیونکہ خلیفۃ المسیح یہ ترکاری لینا چاہتے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہوگی کیونکہ جیسے میرا حق ہے کہ ترکاری لوں اسی طرح اس کا حق ہے کہ وہ ترکاری لے۔ اگر وہ پہلے پہنچ جاتا ہے۔ تو یقیناً اسی کا حق ہے۔ گو بعض دفعہ شریفانہ رنگ میں ایک دوسرے کی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اگر اس کی ضرورت زیادہ اہم ہوگی تو میرا آدمی اپنا حق چھوڑ سکتا ہے اور اگر میرے آدمی کی ضرورت زیادہ ہوگی تو دوسرا اپنا حق چھوڑ سکتا ہے۔

پس جماعت کے عہدیداروں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ ہر چیز کو اس کی حد کے اندر رکھو اگر تم اسے حد سے بڑھا دو گے تو وہ چیز خواہ کتنی ہی اعلیٰ ہو۔ بُری بن جائے گی۔ ایک شاعر کا ایک شعر ہے جو مجھے یاد تو نہیں رہا مگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ تل بڑی خوبصورت چیز ہے۔ لیکن جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو مسّہ بن جاتا ہے۔ پس ہر چیز کو اس کی حد کے اندر رکھو۔ نظام کو بھی اور انفرادی معاملات کو بھی اور کبھی اپنے عہدوں کا نام لے کر ذاتی معاملات میں دوسروں پر رُعب نہ ڈالو۔ (الفضل ۲۷ جولائی ۱۹۶۰)

۱؎ النساء: ۶۰

۲؎ بخاری کتاب الاحکام باب قول اللّٰہ تعالیٰ (اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ الخ)

درود شریف کی عظمت اور حکمت

۲۴؍اکتوبر ۱۹۴۱ء کو خطبہ جمعہ میں حضور نے درود شریف کی عظمت اور حکمت بیان کرتے ہوئے ایک اہم نکتہ بیان فرمایا۔

''خلفاء اگرچہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں ہوتے مگر ان کو بھی ایک عصمت صغریٰ حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ایسی غلطی میں پڑنے سے بچاتا ہے جس کے نتیجہ میں دین کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ نبی کا ہر فعل اپنی ذات میں معصوم ہوتا ہے مگر خلفاء کے افعال بحیثیت مجموعی خدا تعالیٰ کی حفاظت کے نیچے ہوتے ہیں''۔

(الفضل ۹ نومبر ۱۹۴۱ء)

ابتدائے خلافت میں قادیان کے غریبوں کی بے نظیر قربانی

خطبہ جمعہ ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء میں حضور فرماتے ہیں:۔

''ابتدائے خلافت میں جب لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چند مجاوروں نے جن کا کام روٹیاں کھانا تھا خلافت کو تسلیم کر لیا ہے تو معلوم ہوتا ہے قادیان کے لوگوں کو اس سے ضرور صدمہ ہوا ہوگا کیونکہ اُنہی دنوں میں میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ:۔

''مبارک ہو قادیان کی غریب جماعت تم پر خلافت کی رحمتیں یا برکتیں نازل ہوتی ہیں''۔

پس یہ خلافت کی برکت ہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو کہ کس طرح قادیان کے غریبوں اور مسکینوں نے ایسی قربانی پیش کی جس کی نظیر اور کسی جماعت میں نہیں مل سکتی۔ آج مجھے حیرت ہوئی جبکہ ایک غریب عورت جو تجارت کرتی ہے جس کا سارا سرمایہ سَو ڈیڑھ سَو روپیہ کا ہے اور جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئی ہے صبح ہی میرے پاس آئی ہے اور اس نے دس دس روپیہ کے پانچ نوٹ یہ کہتے ہوئے مجھے دیئے کہ یہ میری طرف سے مسجد مبارک کی توسیع کے لئے ہیں۔ میں نے اُس وقت اپنے دل میں کہا کہ اِس عورت کا یہ چندہ اس کے سرمایہ کا آدھا یا ثلث ہے۔ مگر اس نے خدا کا گھر بنانے کے لئے اپنا آدھا یا ثلث سرمایہ پیش کر دیا پھر کیوں نہ ہم یقین کریں کہ خدا بھی اپنی اس غریب بندی کا گھر جنت میں بنائے گا اور اسے اپنے انعامات سے حصہ دے گا۔

پس اللہ تعالیٰ کے جو فضل ہم پر ہیں ان کو دیکھتے ہوئے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہر قدم ترقی کے میدان میں بڑھتا چلا جائے گا جتنا کام اِس وقت تک ہوا ہے خدا نے کیا ہے اور آگے بھی خدا ہی کرے گا''۔ (الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۴۴ء)

امام کی اطاعت کا ذکر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ دین کے لئے مالی اور جانی قربانیوں کا مطالبہ ہمیشہ اور ہر آن ہوتا رہے گا۔ خدمت دین کے لئے زندگی وقف کرنے والوں کو جلد اپنا نام پیش کرنے کا ذکر کرتے ہوئے امام کی اطاعت کے بارہ میں فرمایا۔

''یہ ایک خطرناک غلطی ہے جو بعض لوگوں میں پائی جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم وہ کام کریں گے جو ہماری مرضی کے مطابق ہوگا۔ یہ تمہارا کام نہیں کہ تم فیصلہ کرو کہ تمہیں کس کام پر لگایا جائے۔ جو شخص تمہارا امام ہے، جس کے ہاتھ میں تم نے اپنا ہاتھ دیا ہے جس کی اطاعت کا تم نے اقرار کیا ہے اُس کا فرض ہے کہ وہ تمہیں بتائے کہ تمہیں کس کام پر مقرر کیا جاتا ہے۔ تم اس میں دخل نہیں دے سکتے نہ تمہارا کوئی حق ہے کہ تم اس میں دخل دو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْاِ مَـامُ جُـنَّـۃٌ یُقْتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ[1] امام ایک ڈھال کی طرح ہوتا ہے اور لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کریں۔ پس جہاں امام تمہیں کھڑا کرتا ہے وہاں تم کھڑے ہو جاؤ اور امام تمہیں سونے کا حکم دیتا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ تم سو جاؤ۔ اگر امام تم کو جاگنے کا حکم دیتا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ تم جاگ پڑو۔ اگر امام تم کو اچھا لباس پہننے کا حکم دیتا ہے تو تمہاری نیکی، تمہارا تقویٰ اور تمہارا زُہد یہی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنو اور اگر امام تم کو پھٹے پُرانے کپڑے پہننے کا حکم دیتا ہے تو تمہاری نیکی تمہارا تقویٰ اور تمہارا دینی عیش یہی ہے کہ تم پھٹے پُرانے کپڑے پہنو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کشفی حالت میں ایک شخص کے ہاتھ میں کسریٰ

کے سونے کے کنگن دیکھے[۲]۔ جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا اور اسلامی فوجوں کے مقابلہ میں کسریٰ کو شکست ہوئی تو غنیمت کے اموال میں کسریٰ کے سونے کے کنگن بھی آئے۔ حضرت عمرؓ نے اُس شخص کو بلایا اور فرمایا تمہیں یاد ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ تمہیں کہا تھا کہ میں تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ اس نے عرض کیا ہاں یاد ہے۔ آپ نے فرمایا لو یہ کسریٰ کے سونے کے کنگن اور انہیں اپنے ہاتھوں میں پہنو۔ اُس نے اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے اور کہا عمرؓ! آپ مجھے اُس بات کا حکم دیتے ہیں جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ مردوں کے لئے سونا پہننا جائز نہیں اور آپ مجھے یہ حکم دے رہے ہیں کہ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن اپنے ہاتھوں میں پہنوں۔ حضرت عمرؓ جس طبیعت کے تھے وہ سب کو معلوم ہے۔ آپ اُسی وقت کھڑے ہو گئے۔ کوڑا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور فرمایا خدا کی قسم! اگر تم یہ سونے کے کنگن نہیں پہنو گے تو میں کوڑے مار مار کر تمہاری کمر اُدھیڑ دوں گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا تھا وہی میں پورا کروں گا اور تمہارے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنا کر رہوں گا[۳]۔ تو درحقیقت یہی نیکی اور یہی حقیقی ایمان ہے کہ انسان وہی طریق اختیار کرے جس طریق کے اختیار کرنے کا امام اُسے حکم دے۔ وہ اگر اسے کھڑا ہونے کے لئے کہے تو کھڑا ہو جائے اور اگر ساری رات بیٹھنے کے لئے کہے وہ بیٹھ جائے اور یہی سمجھے کہ میری ساری نیکی یہی ہے کہ میں امام کے حکم کے ماتحت بیٹھا رہوں۔

پس جماعت میں یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ نیکی کا معیار یہی ہے کہ امام کی کامل اطاعت کی جائے۔ امام اگر کسی کو مدرس مقرر کرتا ہے تو اس کی تبلیغ یہی ہے کہ وہ لڑکوں کو عمدگی سے تعلیم دے امام اگر کسی کو ڈاکٹر مقرر کر کے بھیجتا ہے۔ تو اس کی تبلیغ یہی ہے کہ وہ لوگوں کا عمدگی سے علاج کرے امام اگر کسی کو زراعت کے لئے بھیج دیتا ہے تو اس کی تبلیغ یہی ہے کہ وہ زمین کی عمدگی سے نگرانی کرے اور امام اگر کسی کو صفائی کے کام پر مقرر کر دیتا ہے تو اس کی تبلیغ یہی ہے کہ وہ عمدگی سے صفائی کرے وہ بظاہر جھاڑو دیتا نظر آئے گا۔ وہ بظاہر صفائی کرتا دکھائی دے گا۔ مگر چونکہ اُس نے امام کے حکم کی تعمیل میں ایسا کیا ہوگا۔ اس لئے

اس کا جھاڑو دینا ثواب میں اس مبلغ سے کم نہیں ہوگا۔ جو دلوں کی صفائی کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ وہ زمین پر جھاڑو دے رہا ہوگا لیکن فرشتے اس کی جگہ تبلیغ کر رہے ہوں گے کیونکہ وہ کہیں گے یہ وہ شخص ہے جس نے نظام میں اپنے لئے ایک چھوٹی سے چھوٹی جگہ پسند کی اور امام کے حکم کی اطاعت کی۔ پس ایک نظام کے اندر رہ کر کام کرو اور تمہارا امام جس کام کے لئے تمہیں مقرر کرتا ہے اس کو کرو کہ تمہارے لئے وہی ثواب کا موجب ہوگا۔ تمہارے لئے وہی کام تمہاری نجات اور تمہاری ترقی کا باعث ہوگا''۔

(الفضل ۷؍اپریل ۱۹۴۴ء)

---

۱ بخاری کتاب الجهاد والسیر باب یقاتل من وراءِ الامام ......الخ

۲،۳ اسد الغابة جلد۲ صفحہ ۲۶۵، ۲۶۶ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۵ء (مفہوماً)

تحریک جدید کے تقاضے اور اہمیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۸ دسمبر ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں تحریک جدید کے تقاضے اور اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''ہمارا نظام بھی محبت اور پیار کا ہے کوئی قانون ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ جس کے ذریعہ ہم اپنے احکام منوا سکیں بلکہ میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ احمدیت میں خلافت ہمیشہ بغیر دنیوی حکومت کے رہنی چاہئے۔ دنیوی نظام حکومت الگ ہونا چاہئے اور خلافت الگ تا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل کی نگرانی کر سکے ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں لیکن اگر آئے تو میری رائے یہی ہے کہ خلفاء کو ہمیشہ عملی سیاسیات سے الگ رہنا چاہئے اور کبھی بادشاہت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ ورنہ سیاسی پارٹیوں سے براہ راست خلافت کا مقابلہ شروع ہو جائے گا اور خلافت ایک سیاسی پارٹی بن کر رہ جائے گی اور خلفاء کی حیثیت باپ والی نہ رہے گی۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے ابتداء میں خلافت اور حکومت جمع ہوئی ہیں۔ مگر وہ مجبوری تھی کیونکہ شریعت کا ابھی نفاذ نہ ہوا تھا اور چونکہ شریعت کا نفاذ ضروری تھا۔ اس لئے خلافت اور حکومت کو اکٹھا کر دیا گیا اور ہمارے عقیدہ کی رو سے یہ جائز ہے کہ دونوں اکٹھی ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ الگ الگ ہوں۔ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں مگر میری رائے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہمیں حکومت دے اُس وقت بھی خلفاء کو اسے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ الگ رہ کر حکومتوں کی نگرانی کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ اسلامی احکام کی پیروی کریں اور ان سے مشورہ لے کر چلیں اور حکومت کا کام سیاسی لوگوں کے سپرد ہی رہنے دیں۔ پس اگر حکم کا سوال ہو تو میرا نقطۂ نگاہ تو یہ ہے کہ اگر میری چلے تو میں کہوں گا کہ حکومت ہاتھ میں آنے پر بھی خلفاء اسے

اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ انہیں اخلاق اور احکام قرآنیہ کے نفاذ کی نگرانی کرنی چاہئے۔ پس اگر کوئی ہماری نصیحت کو نہیں مانتا تو اس طرح کا حکم تو جیسے حکومت کے احکام ہوتے ہیں نہ ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہم دے سکتے ہیں اور نہ اس کا نفاذ کرا سکتے ہیں اور میرے دل کا میلان یہ ہے کہ ایسے اختیارات کو لینا میں پسند نہیں کرتا اس لئے ہم تو جب بھی کوئی بات کہیں گے۔ محبت اور پیار سے ہی کہیں گے اور اگر اس سے کوئی یہ استدلال کرتا ہے کہ حکم نہیں تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے احکام دینا نہ تو ہمارے اختیار میں ہے اور نہ ہی ہم ایسے احکام کے نفاذ کی طاقت رکھتے ہیں''۔ (الفضل ۱۲؍دسمبر ۱۹۴۴ء)

تمہاری ڈھال تمہارا امام ہے

۲۸؍دسمبر ۱۹۴۵ء کو جلسہ سالانہ پر خطاب کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا:۔

''میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم پر بھروسہ رکھتے ہوئے اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے بہت سی تدابیر اختیار کی ہیں اور کئی سکیمیں ہیں جن کا جماعت کے سامنے اعلان کر چکا ہوں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ان میں سے بھی بہتر تدابیر جماعت کی علمی، تجارتی، صنعتی اور اقتصادی ترقی کے لئے بتا سکے۔ لیکن تمہیں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اگر تم آسمان کی چوٹی پر بھی پہنچ جاؤ تب بھی اسلام تمہیں یہی کہتا ہے کہ اَلْاِ مَامُ جُنَّةٌ يُقْتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ[1] تمہاری ڈھال تمہارا امام ہے اور تمہاری تمام تر سلامتی اسی میں ہے کہ تم اس کے پیچھے ہو کر جنگ کرو۔ اگر تم اپنے امام کو ڈھال نہیں بناتے اور اپنی عقلی تدابیر کے ماتحت دشمن کا مقابلہ کرتے ہو تو تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیابی اسی شخص کیلئے مقدر ہے جو اسلام کی جنگ میری متابعت میں لڑے گا۔ پس ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کسی شخص کی ذاتی رائے تجارت کے معاملہ میں مجھ سے بہتر ہو یا صنعت وحرفت کے متعلق وہ زیادہ معلومات پیش کر سکتا ہو لیکن بہرحال جو اصولی سکیم میری طرف سے پیش ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسی میں برکت پیدا کی جائے گی اور وہی اسکے منشاء اور ارادہ کے ماتحت ہوگی۔ اگر تم اس سکیم پر عمل کرو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر تم اس سکیم کو نظر انداز کر کے اپنی ذاتی آراء کو مدّنظر رکھو گے اور اپنے تجربہ اور ذاتی معلومات کو اپنا راہنما بناؤ گے تو تم کبھی کامیاب نہیں ہوسکو گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جماعتیں ان تمام باتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھیں گی۔ اور کوشش کریں گی کہ ان کا قدم ترقی کی دوڑ میں پہلے سے زیادہ تیز ہو۔

(الفضل ۱۱؍نومبر ۱۹۶۵ء)

---

[1] بخاری کتاب الجهاد باب يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَاءِ الامام (الخ)

سادہ زندگی اور خلیفۂ وقت کا حکم

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۵؍اکتوبر ۱۹۴۶ء کے خطبہ جمعہ میں سادہ زندگی اپنانے اور خلیفۂ وقت کے حکم پر ہر احمدی کو اپنی جان قربان کر دینے کے لئے تیار رہنے کا ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا۔

''جماعت کا ہر فرد جو اس سلسلہ میں منسلک ہے اس کا فرض ہے کہ امام کی طرف سے جو بھی آواز بلند ہو اس پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تحریک کرے اور چاہے صدر انجمن احمدیہ ہو یا کوئی اور انجمن حقیقی معنوں میں وہی انجمن سمجھی جا سکتی ہے جو خلیفۂ وقت کے احکام کو ناقدری کی نگاہ سے نہ دیکھے بلکہ ان پر عمل کرے اور کرتی چلی جائے اور اس وقت تک آرام کا سانس نہ لے جب تک ایک چھوٹے سے چھوٹا حکم بھی ایسا موجود ہو جس پر عمل نہ کیا جاتا ہو۔ پس ہر احمدی جس نے منافقت سے میری بیعت نہیں کی اور ہر احمدی جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور سُرخرو ہونا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ خلیفۂ وقت کے احکام پر عمل کرنے اور دوسروں سے عمل کرانے کے لئے کھڑا ہو جائے اور صرف اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے متعلق جوابدہ سمجھے۔ اگر امام کی طرف سے ایک آواز بلند ہوتی ہے سننے والے سنتے ہیں اور پھر اس پر عمل کرنے کی بجائے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں تو خواہ اس قسم کا کام کرنے والی صدر انجمن احمدیہ ہو، خواہ تحریک جدید کا کوئی سیکرٹری ہو، خواہ فنانشل سیکرٹری ہو یا امیر جماعت مقامی ہو یا کوئی اور عہدیدار ہو وہ محض اپنے نام سے اللہ تعالیٰ کے حضور سُرخرو نہیں ہو سکتے۔ ان کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ ان کا عمل منافقانہ عمل ہے اور ان کا یہ دعویٰ کہ انہوں نے اپنے امام کے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اُس وقت حضرت ابوبکرؓ نے ایک

تقریر کی جس میں فرمایا! اے لوگو تم میں سے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہئے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو چکے ہیں لیکن وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا خدا زندہ ہے اور وہ کبھی مر نہیں سکتا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں جس نے خلیفہ وقت کی بیعت کی ہے اسے یاد رکھنا چاہئے کہ خلیفہ وقت کی بیعت کے بعد اس پر یہ فرض عاید ہو چکا ہے کہ وہ اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اگر کسی نے صدر انجمن احمدیہ کی بیعت کی ہے تو اس سے خدا وہی معاملہ کرے گا جو صدر انجمن احمدیہ کی بیعت کے نتیجے میں ہوسکتا ہے۔ خلیفہ وقت کی بیعت کرنے والوں میں وہ شامل نہیں ہوگا۔ پس میں جماعت کو پھر متنبہ کرتا ہوں کہ اسے اپنے حالات کی اصلاح کرنی چاہئے۔ ہمارے سپرد ایک بہت بڑا کام ہے اور وہ کام کبھی سرانجام نہیں دیا جا سکتا جب تک ہر شخص اپنی جان اس راہ میں لڑا نہ دے۔ پس تم میں سے ہر شخص خواہ دنیا کا کوئی کام کر رہا ہو اگر وہ اپنا سارا زور اس غرض کیلئے صرف نہیں کر دیتا اگر خلیفہ وقت کے حکم پر ہر احمدی اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار نہیں رہتا۔ اگر اطاعت اور فرمانبرداری اور قربانی اور ایثار ہر وقت اس کے سامنے نہیں رہتا تو اس وقت تک نہ ہماری جماعت ترقی کر سکتی ہے اور نہ وہ اشخاص مومنوں میں لکھے جا سکتے ہیں یاد رکھو ایمان کسی خاص چیز کا نام نہیں بلکہ ایمان نام ہے اس بات کا کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ نمائندہ کی زبان سے جو بھی آواز بلند ہو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ اگر اسلام اور ایمان اس چیز کا نام نہ ہوتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے کسی مسیح کی ضرورت نہیں تھی لیکن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے مسیح موعود کی ضرورت تھی تو مسیح موعود کے ہوتے ہماری بھی ضرورت ہے۔ ہزار دفعہ کوئی شخص کہے کہ میں مسیح موعود پر ایمان لاتا ہوں ہزار دفعہ کوئی کہے کہ میں احمدیت پر ایمان رکھتا ہوں۔ خدا کے حضور اس کے ان دعوؤں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ جب تک وہ اس شخص کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہیں دیتا۔ جس کے ذریعہ خدا اس زمانہ میں اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ جب تک جماعت کا ہر شخص پاگلوں کی طرح اس کی اطاعت نہیں کرتا اور جب تک اس کی اطاعت میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ بسر نہیں کرتا۔ اس وقت تک وہ کسی قسم کی فضیلت اور بڑائی کا حقدار نہیں ہوسکتا''۔ (الفضل ۱۵ نومبر ۱۹۴۶ء)

اپنے اندر ایمان اور جوش پیدا کرنے اور تبلیغ کرنے کا ذکر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے اندر ایمان اور جوش پیدا کرنے اور دیوانہ وار تبلیغ کرنے کا ذکر اپنے خطبہ جمعہ یکم نومبر ۱۹۴۶ء میں اِس طرح کیا اور فرمایا۔

''ہماری جماعت کے بعض افراد میں یہ نہایت خطرناک نقص پیدا ہو چکا ہے کہ جب کوئی کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم کسی کے مشورہ کے محتاج نہیں ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔ حالانکہ ان کی عقل ناقص ہوتی ہے ان کا تجربہ ناقص ہوتا ہے ان کا علم ناقص ہوتا ہے ان کا عمل ناقص ہوتا ہے اور وہ مرکز کے مشورے اور اس کی مدد کے بغیر ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے درخت سے کٹی ہوئی شاخ مگر وہ اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے اور اپنے زعم میں یہ کہتے ہیں کہ ہم سے بڑھ کر اس کام کا کون اہل ہے اب ہمیں مرکز کی راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ یہ مرض اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ بعض مبلغ بھیجے جاتے ہیں تو وہ دو دو تین تین ماہ بلکہ سال سال بھر خاموش رہتے ہیں اور اپنے اپنے ناقص دماغ کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں حالانکہ اگر وہ سب کچھ کر سکتے تو خدا نے ان کو کیوں خلیفہ نہ بنایا۔ پھر تو چاہئے تھا وہ خلیفہ بنتے میں خلیفہ نہ بنتا۔ پس ان کا اپنے کام کی رپورٹ نہ بھجوانا اس بات کی علامت نہیں ہوتی کہ ان میں عقل ہے بلکہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان کی عقل کا خانہ بالکل خالی ہے اور وہ اتنی معمولی سی بات کو بھی نہیں سمجھتے کہ خدا نے ہم کو ایک چھوٹی سی اینٹ بنایا ہے۔ مکان نہیں بنایا مگر کیسے تعجب کی بات ہے ایک اینٹ تو سمجھتی ہے کہ وہ اینٹ ہے ایک پتہ تو سمجھتا ہے کہ وہ پتہ ہے۔ ایک پھل تو سمجھتا ہے کہ وہ پھل ہے ایک بیج تو سمجھتا ہے کہ وہ بیج ہے مگر ہمارا مبلغ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ میں ایک بیج ہوں لاکھوں بیجوں میں سے، ایک دانہ ہوں کروڑوں دانوں میں سے، میں ایک پتہ ہوں کروڑوں پتوں میں سے، میں ایک

پھل ہوں کروڑوں پھلوں میں سے، ایک پھل درخت کا قائم مقام نہیں ہوسکتا نہ ایک دانہ کھیتی کا قائم مقام ہوسکتا ہے مگر جہالت اور نادانی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت جو ایک جاہل اور اَن پڑھ صوبیدار جانتا ہے ہمارا مبلغ اس کو نہیں سمجھتا۔ وہ اپنے مقام کو شناخت نہیں کرتا اور مرکز سے اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے۔

یہ ایک مرض ہے جو ہمارے نوجوانوں میں پیدا ہو رہا ہے اور جب انہیں کسی کام پر مقرر کیا جائے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کو بھی برباد کرتے ہیں اور سلسلہ کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں اور پھر اپنے حالات سے مرکز کو باخبر نہ رکھنے کی وجہ سے مرکز سے بالکل کٹ جاتے ہیں اور ایسے بھی ہو جاتے ہیں جیسے غیر احمدی کیونکہ وہ شاخ جس کا اپنے درخت سے تعلق ہے وہی سرسبز رہ سکتی ہے۔ خواہ وہ کس قدر کمزور اور ناطاقت کیوں نہ ہو لیکن ایک شاخ خواہ کس قدر سرسبز اور مضبوط ہو تم اسے درخت سے کاٹ کر پھینک دو وہ دو چار دن میں سوکھ کر کانٹا ہو جائے گی اور اس کی تمام سرسبزی اور تمام شادابی اور تمام لطافت جاتی رہے گی۔ پس میں سمجھتا ہوں کام لینے والوں میں بھی ابھی یہ احساس پیدا نہیں ہوا کہ وہ بیداری سے کام لیویں اور پھر کام کرنے والوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا پوری طرح احساس نہیں۔ دونوں طرف غفلت طاری ہے اور اس غفلت کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکل سکتے۔ اس موقع پر میں بیرونی جماعتوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی تنظیم کریں اور تنظیم کے معنی یہ نہیں کہ وہ باقاعدہ اور بار بار مرکز میں اپنی رپورٹیں بھیجیں اور ہم سے اپنی مشکلات میں مشورہ حاصل کریں۔ جب تک وہ بار بار مرکز کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور جب تک بار بار ہم سے مشورہ نہیں لینگے اس وقت تک ان سے کام میں کبھی برکت پیدا نہیں ہوسکتی۔ آخر خدا نے ان کے ہاتھ میں سلسلہ کی باگ نہیں دی۔ میرے ہاتھ میں سلسلہ کی باگ دی ہے۔ انہیں خدا نے خلیفہ نہیں بنایا مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اور جب خدا نے اپنی مرضی بتانی ہوتی ہے تو مجھے بتاتا ہے انہیں نہیں بتاتا۔ پس تم مرکز سے الگ ہو کر کیا کر سکتے ہو جس کو خدا اپنی مرضی بتاتا ہے۔ جس پر خدا اپنے الہام نازل فرماتا ہے۔ جس کو خدا نے اس جماعت کا خلیفہ اور امام بنا دیا ہے اس سے مشورہ اور ہدایت حاصل کر کے تم کام

کر سکتے ہو۔اس سے جتنا زیادہ تعلق رکھو گے اسی قدر تمہارے کاموں میں برکت پیدا ہوگی اوراس سے جس قدر دُور رہو گے اسی قدر تمہارے کاموں میں بے برکتی پیدا ہوگی جس طرح وہی شاخ پھل لاسکتی ہے جو درخت کے ساتھ ہو۔ وہ کٹی ہوئی شاخ پھل پیدا نہیں کرسکتی جو درخت سے جدا ہو۔اسی طرح وہی شخص سلسلہ کا مفید کام کرسکتا ہے جو اپنے آپ کوامام سے وابستہ رکھتا ہے اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ نہ رکھے۔تو خواہ وہ دنیا بھر کے علوم جانتا ہو وہ اتنا بھی کام نہیں کر سکے گا جتنا بکری کا بکروٹہ کام کرسکتا ہے''۔

(الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۴۶ء)

خدمت دین کرنے والوں کا مقام

خطبہ جمعہ ۱۵ ؍جولائی ۱۹۴۹ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ میں حضور نے فرمایا:۔

''یہ بات انبیاء سے ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے اُتر کر بھی اپنے اپنے زمانہ میں ایسے لوگ ملتے ہیں کہ جو کام انہوں نے اس وقت کیا وہ ان کا غیر نہیں کر سکتا تھا مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی لے لو۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آپ بھی کسی وقت اپنی قوم کی قیادت کریں گے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا تھا کہ آپ کمزور طبیعت صلح کل اور نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جنگوں کو دیکھ لو۔ آپ نے کسی بڑی جنگ میں بھی حضرت ابوبکرؓ کو فوج کا کمانڈر نہیں بنایا۔ بے شک بعض چھوٹے چھوڑے غزوات ایسے ہیں جن میں آپ کو افسر بنا کر بھیجا گیا۔ مگر بڑی جنگوں میں ہمیشہ دوسرے لوگوں کو ہی کمانڈر بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ اسی طرح دوسرے کاموں میں بھی آپ کو انچارج نہیں بنایا جاتا تھا۔ مثلاً قرآن کریم کی تعلیم ہے یا قضاء وغیرہ کا کام ہے یہ بھی آپ کے سپرد نہیں کیا گیا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ جب ابوبکرؓ کا وقت آئے گا تو جو کام ابوبکرؓ کرے گا وہ اس کا غیر نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور مسلمانوں میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ کون خلیفہ ہو اُس وقت حضرت ابوبکرؓ کے ذہن میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آپ خلیفہ ہوں گے۔ آپ سمجھتے کہ حضرت عمرؓ وغیرہ ہی اس کے اہل ہو سکتے ہیں۔ انصار میں جوش پیدا ہوا اور انہوں نے چاہا کہ خلافت انہی میں ہو کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اسلام کی خاطر قربانیاں کی ہیں اور اب خلافت کا حق ہمارا ہے اور ادھر مہاجرین کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو۔ غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک جھگڑا برپا ہو گیا۔ انصار کہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو اور مہاجرین کہتے تھے

کہ خلیفہ ہم میں سے ہو۔آخر انصار کی طرف سے جھگڑا اس بات پر ختم ہوا کہ ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہو اور ایک خلیفہ انصار میں سے ہو۔ اس جھگڑے کو دور کرنے کے لئے ایک میٹنگ بلائی گئی ۔حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اس وقت میں نے سمجھا کہ حضرت ابوبکرؓ بے شک نیک اور بزرگ ہیں لیکن اس گتھی کو سلجھانا ان کا کام نہیں ۔اس گتھی کو اگر کوئی سلجھا سکتا ہے تو وہ میں ہی ہوں یہاں طاقت کا کام ہے اور نرمی اور محبت کا کام نہیں ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں میں نے سوچ سوچ کر ایسے دلائل نکالنے شروع کئے جن سے یہ ثابت ہو کہ خلیفہ قریش میں سے ہونا چاہئے اور یہ کہ ایک خلیفہ انصار میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے یہ بالکل غلط ہے ۔آپ فرماتے ہیں میں نے بہت سے دلائل سوچے اور پھر اس مجلس میں گیا جو اس جھگڑے کو نپٹانے کے لئے منعقد کی گئی تھی ۔حضرت ابوبکرؓ بھی میرے ساتھ تھے میں نے چاہا کہ تقریر کروں اور ان دلائل سے جو میں سوچ کر لے گیا تھا لوگوں کو قائل کروں ۔ میں سمجھتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ اس شوکت اور دبدبہ کے مالک نہیں کہ اس مجلس میں بول سکیں ۔ لیکن میں کھڑا ہونے ہی لگا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے غصہ سے ہاتھ مار کر مجھ سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور خود کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی ۔حضرت عمرؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم ! جتنی دلیلیں میں نے سوچی تھیں وہ سب کی سب حضرت ابوبکرؓ نے بیان کر دیں ۔اور پھر اور بھی کئی دلائل بیان کرتے چلے گئے اور بیان کرتے چلے گئے یہاں تک کہ انصار کے دل مطمئن ہو گئے اور انہوں نے خلافت مہاجرین کے اصول کو تسلیم کر لیا۔

یہ وہی ابوبکرؓ تھا جس کے متعلق حضرت عمرؓ خود بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ کسی جھگڑے پر بازار میں آپ کے کپڑے پھاڑ دیئے اور مارنے پر تیار ہو گئے تھے ۔ یہ وہی ابوبکرؓ تھا جس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کا دل رقیق ہے مگر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو وفات سے قبل آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ عائشہؓ میرے دل میں بار بار یہ خواہش اُٹھتی ہے کہ میں لوگوں سے کہہ دوں کہ وہ میرے بعد حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ بنالیں لیکن پھر رُک جاتا ہوں کیونکہ میرا دل جانتا ہے کہ میری وفات کے بعد خدا تعالیٰ اور اس کے مومن بندے ابوبکرؓ کے

سوا کسی اور کو خلیفہ نہیں بنائیں گے[1]۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔

آپ رقیق القلب انسان تھے اور اتنی نرم طبیعت کے تھے کہ ایک دفعہ آپ کو مارنے کے لئے بازار میں حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور انہوں نے آپ کے کپڑے پھاڑ دیئے۔ لیکن وہی ابوبکرؓ جس کی نرمی کی یہ حالت تھی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت عمرؓ آپ کے پاس آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ تمام عرب مخالف ہو گیا ہے صرف مدینہ، مکہ اور ایک اور چھوٹی سی بستی میں نماز باجماعت ہوتی ہے۔ باقی لوگ نماز پڑھتے تو ہیں لیکن ان میں اتنا تفرقہ پیدا ہو چکا ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں اور اختلاف اتنا بڑھ چکا ہے کہ وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہیں۔ عرب کے جاہل لوگ جو پانچ پانچ چھ چھ ماہ سے مسلمان ہوئے ہیں مطالبہ کر رہے ہیں کہ زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ یہ لوگ زکوٰۃ کے مسئلہ کو سمجھتے تو ہیں نہیں اگر ایک دو سال کے لئے انہیں زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو کیا حرج ہے۔ گویا وہ عمرؓ جو ہر وقت تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا رہتا تھا اور ذرا سی بات بھی ہوتی تو کہتا **یَا رَسُوْلَ اللّٰہ**! حکم ہو تو اس کی گردن اُڑا دوں۔ وہ ان لوگوں سے اتنا مرعوب ہو جاتا ہے اتنا ڈر جاتا ہے اتنا گھبرا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ کے پاس آکر ان سے درخواست کرتا ہے کہ ان جاہل لوگوں کو کچھ عرصہ کے لئے زکوٰۃ معاف کر دی جائے ہم آہستہ آہستہ انہیں سمجھا لیں گے۔ مگر وہ ابوبکرؓ جو اتنا رقیق القلب تھا کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں ایک دفعہ انہیں مارنے کے لئے تیار ہو گیا تھا اور بازار میں ان کے کپڑے پھاڑ دیے تھے۔ اُس نے اُس وقت نہایت غصہ سے عمرؓ کی طرف دیکھا اور کہا عمرؓ! تم اس چیز کا مطالبہ کر رہے ہو جو خدا اور اس کے رسول نے نہیں کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن یہ لوگ حدیث العہد ہیں۔ دشمن کا لشکر مدینہ کی دیواروں کے پاس پہنچ چکا ہے کیا یہ اچھا ہو گا کہ یہ لوگ بڑھتے چلے آئیں اور ملک میں پھر طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہو جائے۔ یا یہ مناسب ہو گا کہ انہیں ایک دو سال کے لئے زکوٰۃ معاف کر دی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم! اگر دشمن مدینہ کے اندر گھس آئے اور اس کی گلیوں میں مسلمانوں کو تہہ تیغ کر دے اور عورتوں کی لاشوں کو کتے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں انہیں زکوٰۃ معاف نہیں کروں گا۔ خدا کی قسم! اگر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ لوگ رسّی کا ایک ٹکڑا بھی بطور زکوٰۃ دیتے تھے تو میں وہ بھی ان سے ضرور وصول کروں گا۔[۲] پھر آپ نے فرمایا عمرؓ! اگر تم لوگ ڈرتے ہو تو بیشک چلے جاؤ میں اکیلا ہی ان لوگوں سے لڑوں گا اور اُس وقت تک نہیں رُکوں گا جب تک یہ اپنی شرارت سے باز نہیں آ جاتے۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور آپ ہی فاتح ہوئے اور اپنی وفات سے پہلے پہلے آپ نے دوبارہ سارے عرب کو اپنے ماتحت کرلیا۔ غرض حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں جو کام کیا وہ انہی کا حصہ تھا کوئی اور شخص وہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ مگر یہی عمرؓ جو ابوبکرؓ کی خلافت میں ایک خطرہ کی حالت میں ڈر گئے تھے اور جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ درخواست کی تھی کہ لڑائی کرنے کی بجائے صلح کرلی جائے۔ جب ان کا اپنا زمانہ آتا ہے تو جو کام انہوں نے کیا وہ انہی کا حصہ تھا ان کا غیر وہ کام نہیں کرسکتا تھا۔ وہی ارتداد کے فتنہ سے ڈر جانے والا عمرؓ جب خلافت کے مسند پر آتا ہے اس وقت دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ آدھی دنیا پر ایران قابض تھا اور آدھی دنیا پر روم کی سلطنت تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لڑائیاں ہوئیں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں پھیل گئیں لیکن پھر بھی وہ اس شدت کو نہیں پہنچی تھیں جس شدت کو وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پہنچیں۔ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی کہ ایرانیوں نے مسلمانوں پر چھاپہ مارا ہے لوگوں نے کہا یہ وقت نازک ہے روم سے لڑائی ہو رہی ہے اور ایران کی حکومت بھی حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہی ہے اِس وقت ہمیں اس جھگڑے کو نظر انداز کر دینا چاہئے ایران سے لڑائی کرنے کا یہ موقع نہیں کیونکہ ایک وقت میں دنیا کی دو بڑی سلطنتوں سے لڑائی کرنا ہمارے لئے آسان نہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اسلام کو ذلیل نہیں ہونے دوں گا میں ایک ہی وقت میں دونوں کا مقابلہ کروں گا۔ ایران میں جسر[۳] کی خطرناک شکست کے بعد جب مسلمانوں کا سارا لشکر تہِ تیغ ہوگیا تھا اور باقی لشکر شام کی طرف گیا ہوا تھا۔ مدینہ سے صرف تین سو آدمی مل سکتے تھے مگر حضرت عمرؓ نے کہا میں ان تین سَو آدمیوں کو ساتھ لیکر ہی ایران کا مقابلہ کرنے کے لئے جاؤں گا۔ مگر اس وقت حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہؓ کے اصرار کے بعد آپ خود جانے سے رُک گئے۔ مگر تھوڑے سے لشکر کو ایران کا مقابلہ کرنے کے لئے بھجوا دیا۔

پھر حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو وہ بھی اپنے وقت کے بہترین انسان ثابت ہوئے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ شہید ہوئے لیکن ان کی شہادت کے واقعات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سینے میں ایک مضبوط دل تھا اور ان کے اندر وہ دلیری اور حوصلہ پایا جاتا تھا جو عام انسانی برداشت سے بالکل باہر ہے۔

پھر حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں جو کام کیا وہ درحقیقت حضرت علیؓ کا ہی حصہ تھا اور کوئی دوسرا شخص اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔ خوارج کے فتنہ کا عملی اور علمی مقابلہ جو حضرت علیؓ نے کیا وہ ایک بے نظیر کام ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سرداری کی اور اپنے اپنے وقت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کلی طور پر نیابت کی ۔لیکن اس قسم کے اور واقعات بھی کثرت سے چھوٹے صحابہؓ میں پائے جاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں علم دین کے ماہر تھے وہاں آپ کو علم النفس میں بھی کمال کی دسترس حاصل تھی۔ آپ جانتے تھے کہ کس طرح قوموں کو بیدار کیا جاتا ہے اور کس طرح انہیں کارہائے نمایاں دکھانے کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔آپ بعض دفعہ مثلاً تلوار ہاتھ میں لے لیتے اور صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کرتے یہ تلوار ہے کون ہے جو اس تحفہ کا حق ادا کرے؟ صحابہ باری باری کھڑے ہوتے اور اپنے آپ کو اس کام کے لئے پیش کرتے۔ آخر آپؐ ان میں سے اس شخص کو پہچان لیتے جو اس تلوار کا حق ادا کرنے والا ہوتا اور اسے وہ تلوار عنایت فرما دیتے۔ پھر وہ لوگ عجیب عجیب قسم کی قربانیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ ایسی قربانیاں کہ ان واقعات کو پڑھ کر دل میں ایک خاص جوش پیدا ہوتا ہے اور مردہ لوگوں میں بھی زندگی کا خون دوڑنے لگتا ہے۔ پھر یہی واقعات دنیا کی عام تاریخ میں بھی ملتے ہیں۔ غرض ہر کارے و ہر مردے اور ہر وقتے و ہر سخنے بڑا ہی صحیح مقولہ ہے خدا تعالیٰ اپنی ساری برکتیں کسی ایک شخص کے لئے مخصوص نہیں کر دیتا۔ اس کی نظرِ عنایت ہزاروں ہزار پر ہے۔ کسی موقع پر وہ کسی کو آگے آنے کا موقع دے دیتا ہے۔ اور کسی وقت کسی کو آگے آنے کا موقع دیتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کتنی زیادہ مالی قربانی کرنے والے تھے لیکن ایک دفعہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگ کی تیاری کے لئے روپیہ کی ضرورت پیش آئی ۔ اور آپ نے

فرمایا کہ کوئی ہے جو اپنے مال سے جنت خریدنا چاہے۔تو خدا تعالیٰ نے حضرت عثمانؓ کو موقع دے دیا[۴] اور آپ نے اپنا اکثر مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ وہ مال کوئی بارہ ہزار دینار کے قریب تھا جو آجکل کے لاکھوں روپے کے برابر ہے۔غرض ہر وقت اور ہر زمانہ کے لئے کوئی نہ کوئی مخصوص شخص ہوتا ہے جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی برکات حاصل ہو جاتی ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے لئے بطور یادگار بن جاتا ہے۔

اس زمانہ میں دنیا کی اصلاح کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے۔آپ کے ماننے والوں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین کی خاص خدمت کی اور اس کی خاطر وہ وہ قربانیاں کیں جنہیں دیکھ کر ہماری قوم تا قیامت زندہ رہ سکتی ہے۔کوئی شخص جب سید عبداللطیف شہید کی قربانیوں کو دیکھے گا تو وہ کہے گا کہ میں بھی عبداللطیف شہید بنوں گا۔کوئی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے واقعاتِ زندگی کو دیکھے گا تو اس کے اندر آپ جیسا انسان بننے کی خواہش موجزن ہوگی۔کوئی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کے حالات کو پڑھے گا تو وہ ان جیسا بننے کی کوشش کریگا۔کوئی مولوی برہان الدین صاحب اور مولوی محمد عبداللہ صاحب سنوری کے واقعات پڑھے گا تو کہے گا کہ کاش وہ بھی ان جیسا بن جائے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض لوگوں نے بعد میں ٹھوکریں بھی کھائیں لیکن ہم ان کی قربانیوں اور ان کے بے مثال کارناموں کو بھول نہیں سکتے۔خدا تعالیٰ جیسا چاہے ان سے معاملہ کرے۔ ہمارا کام یہی ہے کہ ان کی قربانیوں کو نہ بھولیں۔شیخ رحمت اللہ صاحب نے بیشک بعد میں ٹھوکر کھائی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی وفات کے بعد پیغامی ہو گئے۔لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی دینی خدمات اور قربانیوں کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے خاص محبت تھی۔ میں نے کئی دفعہ رؤیا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہیں لیکن شیخ رحمت اللہ صاحب کی طرف کنکھیوں سے محبت سے دیکھ رہے ہیں۔ان کے متعلق میں نے بھی ایک رؤیا دیکھا تھا جو اِس بات پر دلالت کرتا تھا کہ وہ ٹھوکر کھا جائینگے پس گو انہیں بعد میں ٹھوکر لگی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے وقت میں دین کی خاطر

قربانیاں کی ہیں۔ ان سے پہلے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی نے قربانی کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔ اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ آپ کے ماننے والوں میں سے کئی ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے وقت میں دین کے لئے عظیم الشان قربانیاں کیں۔ بعد میں آنے والے جب بھی ان کے واقعات پڑھیں گے دیکھیں گے کہ انہوں نے دین کی خاطر بے مثال خدمتیں کی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کا خاص فضل ان پر نازل ہوا ہے تو ان میں بھی ان کی نقل کرنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا زمانہ آیا وہ زمانہ زیادہ تر ارہاص یعنی خلافت کے قیام کا زمانہ تھا اس زمانہ میں کوئی ایسا ٹھوس کام جو جماعت کی تبلیغی ترقی کے ساتھ وابستہ ہوتا نہیں ہوا بلکہ سارا وقت اندرونی لڑائیوں اور آپس کے جھگڑوں میں ہی گزر گیا۔ مگر بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس زمانہ میں بھی جماعت نے ترقی کی۔ اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہوگئی اور خصوصاً ہائی سکول کی تعمیر ایک نمایاں کام تھا۔ اُس زمانہ میں زیادہ تر اندرونی فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مجھے ہی جنگ کرنی پڑی اور اس وجہ سے مخالفین اور فتنہ پرداز لوگوں کے ان حملوں کا جو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل اور اُن کی تائید کرنے والے لوگوں پر کئے گئے زیادہ تر میں ہی ہدف رہتا تھا۔ پھر میرا زمانہ آیا جس میں عام طور پر غیروں نے سمجھ لیا کہ اب یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا کیونکہ سب کام ایک بچے کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ سلسلہ کے سپرد فتح دنیا کا کام ہے اور کام ایک غیر تعلیم یافتہ اور ناتجربہ کار بچہ کے سپرد ہو گیا ہے۔ جس نے بڑے بڑے کام نہیں کئے۔ میں بتا چکا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کا زمانہ زیادہ تر خلافت کے قیام کا زمانہ تھا۔ لیکن اب خلافت کے کام کا زمانہ شروع ہو رہا تھا۔ اس زمانہ میں خلافت کی بنیادوں پر عمارت کی تعمیر شروع ہوئی اور مختلف لوگوں کو مختلف رنگوں میں خدمت دین کا موقع ملا۔

(الفضل ۳۱ رجولائی ۱۹۴۹ء)

۱؎ مسلم کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل ابی بکر

۲؎ تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ ۵۱ مطبوعہ لاہور ۱۸۹۲ء

۳؎ **جسر:** حضرت عمرؓ کے دور میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک جنگ لڑی گئی۔ اس

جنگ میں فوجیں دریائے فرات کے آر پار تھیں۔درمیان میں رابطے کی خاطر ایک پُل بنایا گیا۔
عربی میں اسے جسر کہتے ہیں۔اس لیے اس جنگ کا نام جنگ جسر پڑا۔اس جنگ میں
مسلمانوں کے چار ہزار آدمی مارے گئے جن میں جنگ کے سپہ سالار ابوعبید بھی شامل تھے۔
(مخلص از تاریخ ابن اثیر جلد۲ صفحہ ۴۳۸ تا ۴۴۰ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء)

۴؎ **بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عثمان بن عفان (الخ)**

تم اگر خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہیں ہمیشہ کی زندگی بخشے گا

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳؍نومبر ۱۹۵۰ء بمقام ربوہ)

’’دفاتر تحریک جدید میں بعض لوگ ایسے موجود ہیں جو وقف سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسی رپورٹیں کر کے اپنے بھاگنے کے لئے رستہ کھولنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے مثالیں قائم ہو جائیں اور وہ بھی وقف سے بھاگ سکیں۔ اس قسم کے منافق لوگ جب دیکھتے ہیں کہ مخاطب مخلص احمدی ہیں اور اگر انہیں یہ بتایا کہ خلیفہ بھی ایسا ہے تو وہ بگڑ جائیں گے۔ اس لئے وہ کہہ دیتے ہیں خلیفۂ وقت کو تو ان باتوں کا پتہ ہی نہیں۔ گویا وہ تو بھنگ پینے والا ایک مست آدمی ہے اسے کیا پتہ ہے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور یہ احمدی یہ نہیں سمجھتے کہ جب وہ منافق یہ کہتا ہے کہ دفتر والے خلیفہ وقت کے پاس غلط رپورٹیں کرتے ہیں تو وہ کارکنوں کو بے ایمان اور ذرا نرم لہجہ میں خلیفہ کو احمق کہتا ہے اور وہ لوگ یہ سن کر کہ اس منافق نے خلیفہ کو احمق کہا ہے بڑے خوش ہوتے ہیں لیکن وہ خلیفہ ہے کس کام کا، جو لوگوں کی سچی جھوٹی باتیں سن کر ایک فیصلہ کر دیتا ہے وہ دفتر کا ایک چپڑاسی بننے کے قابل بھی نہیں کجا یہ کہ خلافت کا کام اس کے سپرد کیا جائے۔

وہ لوگ زندہ موجود ہیں جو جانتے ہیں کہ بعض دفعہ مجلس میں پرائیویٹ سیکرٹری تین تین ماہ بعد ایک خط پیش کرتا اور کہتا کہ اس میں فلاں آدمی یہ بات لکھتا ہے اور میں کہتا یہ بات غلط ہے لاؤ خط نکالو۔ پھر وہ خط نکالتا تو جو میں کہتا وہ صحیح ہوتا اور جو اس نے کہا ہوتا وہ غلط ہوتا

خدا تعالیٰ جس شخص کو خلافت پر کھڑا کرتا ہے۔ وہ اس کو اپنے مطلب کے حافظے بھی دیا کرتا ہے۔اوراس کو زمانہ کے مطابق علوم بھی عطا کرتا ہے۔اگر وہ احمق، جاہل اور بے وقوف ہوتا ہے جیسے یہ لوگ خیال کرتے ہیں تو اس کے کیا معنی ہیں کہ خلیفہ خود خدا بناتا ہے۔اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جب کسی کو خدا خلیفہ بناتا ہے تو اسے اپنی صفات بخشتا ہے اگر وہ اسے اپنی صفات نہیں بخشتا تو خدا تعالیٰ کے خود خلیفہ بنانے کے معنی ہی کیا ہیں۔

اِسی قسم کے کئی احمق کہا کرتے ہیں کہ فلاں نبی نے فلاں غلطی کی ہے۔ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اگراس نبی نے غلطی کی ہے تو خدا تعالیٰ نے اسے نبی کیوں بنا دیا وہ تمہیں نبی بنا دیتا۔ جیسے آجکل بعض ترقی پسند مسلمان بھی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق بعض ناقص انتظام کئے تھے۔ہم چونکہ ترقی یافتہ اورمتمدن لوگ ہیں ہمیں اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق انتظام کرنا چاہئے حالانکہ سوال یہ ہے کہ کیا خدا تعالیٰ بھی بیوقوف تھا جس نے تمہاری موجودگی میں نبوت محمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی۔اگر **نَعُوْذُبِاللّٰہِ** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے اہل نہیں تھے تو خدا تعالیٰ نے آپ کو نبوت کا مقام کیوں عطا فرمایا۔ یہ تو ایسا ہی احمقانہ عقیدہ ہے جیسے بعض غالی شیعہ کہتے ہیں کہ نبوت جبرائیل علیہ السلام حضرت علیؓ کیلئے لائے لیکن غلطی سے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی کیونکہ آپ دونوں ایک ہی مکان میں رہتے تھے۔ پس یہ بات تو درست نہیں کہ خلیفہ بے وقوف ہے۔ خلیفہ خدا کا بنایا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اسے اپنی طاقتوں سے بھی حصہ دیا ہاں وہ مومن جو اس قسم کے منافقوں کی باتوں سے دھوکا میں آجاتا ہے۔ وہ ضرور بے وقوف ہوتا ہے اس کے سامنے جب ایک شخص اس کی ڈاڑھی نوچتا ہے وہ خلیفہ کو پیچدار الفاظ میں احمق کہتا ہے اور وہ واہ واہ کرتا جاتا ہے اور اپنے ذہن میں یہ سمجھتا ہے کہ اس نے بڑے اخلاص کا ثبوت دیا ہے حالانکہ جب اس کی تشریح کی جائے تو یہ اخلاص کا ثبوت نہیں ہوتا عدمِ اخلاص کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ اس کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ اس گالی کو سمجھ سکے جہاں اخلاص ہوتا ہے وہاں اس قسم کی باتوں کے سمجھنے کی طاقت بھی ہوتی ہے''۔

(الفضل ۲۲ رنومبر ۱۹۵۰ء)

خلافت ایک عظیم الشان نعمت ہے

(فرمودہ ۲/ مارچ ۱۹۵۱ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مجھے اس دفعہ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ سندھ کی جماعتوں میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ وہ میرے اس دورہ کے موقع یہاں آئیں اور جمعہ کی نماز اس جگہ ادا کریں چنانچہ دونوں جمعوں میں مختلف اطراف سے جماعت کے احباب جمعہ کی نماز کے لئے یہاں آئے جو ایک خوش کن امر ہے۔ زندہ قوموں کے اندر کچھ زندگی کی علامتیں ہوئی ہیں اور وہ علامتیں ہی یہ بتاتی ہیں کہ ان کے اندر زندگی کی روح پائی جاتی ہے۔ وہ علامتیں نہ ہوں تو ان کا زندہ ہونا ایک مشتبہ امر ہوتا ہے۔ کیونکہ قومی زندگی انسانی زندگی کی طرح نہیں کہ ہم کسی کو سانس لیتا دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ زندہ ہے۔ چلتے پھرتے دیکھیں تو سمجھیں کہ وہ زندہ ہے۔ قومی زندگی کی علامتیں فردی زندگی سے مختلف ہوتی ہیں۔ قومی زندگی کی علامتوں میں ترقی کی نیت اور اُمنگ اور امیدیں اور اصلاح کی طرف توجہ اور جماعتی روح اور نظام کی روح وغیرہ شامل ہیں اور یہی چیزیں قومی زندگی کی علامت ہوتی ہیں جس طرح فردی زندگی کی علامتوں میں دیکھنا، سننا، بولنا، کھانا، سانس لینا اور فضلے کا خارج کرنا ہے اور ان علامتوں کو دیکھ کر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ ایک چیز زندہ ہے۔ اسی طرح جب ہم کسی جماعت کے اندر یہ دیکھتے ہیں کہ اس ترقی کا احساس پایا جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت کے قیام کے لئے اس میں قربانی کا احساس پایا جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی تنظیم کو مضبوط کرنے اور اسے زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کا احساس اس میں پایا جاتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ایک حصہ

پر جب حملہ ہوتا ہے تو باقی سارا حصہ اس کی اذیت کو محسوس کرتا ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ سب کے سب افراد ایک مرکز کی طرف مائل ہیں جو اسلام میں خلیفہ ہوتا ہے جس طرح جسم کے حصے دل کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں تو ان علامتوں کو دیکھ کر ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس جماعت میں زندگی کا مادہ پایا جاتا ہے بلکہ اصل زندگی تو الگ رہی جو قومیں صداقت سے دور ہیں اور جن میں صرف ایک مصنوعی زندگی پائی جاتی ہے وہ بھی بعض دفعہ بڑی بڑی قربانی کرتی نظر آتی ہیں۔ پچھلے دو سال میں دو دفعہ سرآغا خان کراچی آئے مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گلگت سے جو ہزاروں میل دور ہے آغا خانی مذہب کے لوگ چل کر کراچی پہنچے اور آغا خان سے ملے۔ اُن میں ایسے طبقہ کے لوگ بھی تھے جو دنیوی لحاظ سے بہت بڑے سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ دو تو نواب ہی تھے جو گلگت سے کراچی آئے۔ اس دفعہ بھی ان کے آنے پر میں نے دیکھا ہے کہ اخباروں میں لکھا تھا کہ سینکڑوں میل سے لوگ ان سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ اب آغا خانیوں میں جان تو نہیں ایک انسان کو خدا ماننے والوں یا دنیا میں اسے خدائی کا قائم مقام ماننے والوں میں حقیقی زندگی کہاں ہوسکتی ہے مگر جو سیاسی زندگی ہے وہ ان میں پائی جاتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ ہمارے جتھے کی تقویت کا ذریعہ یہی ہے کہ ہم ایک شخص کے پیچھے چلیں اور وہ بعض دفعہ ایسا مظاہرہ بھی کرتے ہیں جس سے وہ دنیا پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ایک ہاتھ پر جمع ہیں گو وہ ہاتھ شل ہی کیوں نہ ہو اور گو وہ ہاتھ ایسے غلط عقیدہ کے ساتھ وابستہ ہی کیوں نہ ہو جسے انسان کی فطرت کبھی مان نہیں سکتی۔ تو زندگی کے آثار میں سے جماعتی احساس بھی ہوتا ہے اور جماعتی احساس کا ثبوت جیسا کہ اسلام نے بتایا ہے ہمیشہ ایک مرکز کے ساتھ تعلق رکھنے کے ذریعہ ملتا ہے۔ جب تک مرکز کے ذریعہ وحدت قائم رہتی ہے ترقی ہوتی چلی جاتی ہے اور جب تک مرکز سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے تو قومیں گرنے لگ جاتی ہیں۔ جیسے پہاڑوں پر چڑھائی مشکل ہوتی ہے لیکن جب لوگ کسی پہاڑ پر چڑھنا چاہیں تو اپنی مدد کے لئے کھڈ سٹک پکڑ لیتے ہیں پھر اور مشکل آئے تو درختوں کی شاخیں پکڑ لیتے ہیں اور زیادہ خطرناک راستے آجائیں تو وہاں واقف کار لوگ میخیں گاڑ کر ان کے ساتھ رسّے باندھ دیتے ہیں تا کہ ان کا سہارا لے کر لوگ اوپر چڑھ سکیں یا جہاں ایسی

سیڑھیاں آ جائیں جن سے گرنے کا خطرہ ہو وہاں میخوں کے ساتھ لوگوں نے رسّے باندھے ہوئے ہوتے ہیں جن کے سہارے لوگ اوپر چڑھ جاتے ہیں۔اسی طرح مرکز کمزوروں اور گرنے والوں کے لئے ایک سہارا ہوتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنے اندر کمزوری محسوس کرتے ہیں مرکز کے رسوں کو پکڑ کر مضبوطی حاصل کر لیتے ہیں۔اسی لئے قرآن کریم نے خلافت کو رحمت قرار دیا ہے اور مومنوں کے ساتھ اس نے خلافت کا وعدہ کیا ہے مگر ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ انعام ہے اور انعام کے وعدے اور حکم میں فرق ہوتا ہے۔حکم بہرحال چلتا چلا جاتا ہے اور انعام صرف اس وقت تک رہتا ہے جب تک انسان اس کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ جب مستحق نہیں رہتا تو انعام اس سے واپس لے لیا جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف چار خلافتیں ہوئیں۔مگر عیسائیوں کی خلافت آج تک قائم ہے۔ اسلامی خلافت کا زمانہ صرف تیس سال تک رہا اور عیسائیوں کی خلافت پر انیس سَو سال گزر چکے ہیں اور وہ ابھی تک قائم ہے۔

بے شک جہاں تک روحانیت کا سوال ہے ان کی خلافت کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور انہوں نے آپ کو نہیں مانا تو وہ ایمان سے خارج ہو گئے اور کافروں میں شامل ہو گئے۔اسی طرح جہاں تک نیکی کا سوال ہے وہ بھی ان میں نہیں پائی جاتی اگر ان میں نیکی ہوتی تو لوٹ کھسوٹ اور کینہ اور کپٹ اور ناجائز تصرف اور دباؤ وغیرہ کی عادتیں ان میں کیوں پائی جاتیں۔لیکن جہاں تک عیسائیت کو قائم رکھنے کا سوال ہے یہ خلافت اس کو قائم رکھنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آج بھی عیسائی کروڑوں کروڑ روپیہ عیسائیت کی اشاعت کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔ بظاہر ان کا مرکز اپنی طاقت کو کھو چکا ہے۔ چنانچہ پہلے بادشاہت بھی پوپ کے ساتھ ہوا کرتی تھی مگر آہستہ آہستہ بادشاہتیں الگ ہو گئیں اور اب محض چند میل کا علاقہ ادب کے طور پر پوپ کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے تا کہ اس علاقہ میں وہ اپنے آپ کو حاکم سمجھ لے۔ پانچ دس میل لمبا اور پانچ سات میل چوڑا علاقہ غالبًا ہے جس میں پوپ کی حکومت ہے بلکہ اسے حکومت بھی نہیں کہنا چاہئے۔ دفاتر کا نظام اس جگہ قائم ہوتا ہے اور جہاں سارے اپنے ہی

کارکن ہوں وہاں حکومت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بہرحال صرف چند میل کا علاقہ ہے جو عیسائیوں نے محض پوپ کے ادب کے لئے آجکل چھوڑ رکھا ہے مگر اس کی طاقت کا یہ حال ہے کہ اب بھی عیسائی دنیا پوپ کی ناراضگی کو برداشت نہیں کرسکتی۔ دنیا میں کمیونزم ترقی کر رہا ہے عیسائی دنیا گھبرا رہی ہے اور بڑے بڑے یورپین مدبر کمیونزم کی ترقی سے کانپ رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کا مقابلہ کریں اور وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ مذہب کا اتحاد ہی وہ اکیلی چیز ہے جس سے کمیونزم کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کی سیاستیں بالکل کھوکھلی ہوچکی ہیں ان کی حکومتیں بالکل بیکار ہوچکی ہیں اس لئے کہ حکومتوں کا زور تلواروں اور بندوقوں پر ہوتا ہے اور کمیونزم لوگوں کے دلوں میں گھس رہی ہے اور چاہے کتنی بڑی توپیں ہوں جب کوئی بات دل پر اثر کر جائے تو توپیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ امریکہ کے پاس اس وقت کتنی بڑی بڑی توپیں ہیں لیکن فرض کرو امریکہ کا پریذیڈنٹ کمیونزم کا لٹریچر پڑھتا ہے اور وہ کمیونزم کا شکار ہوجاتا ہے تو توپیں کیا کرسکتی ہیں۔ پس کمیونزم دلوں پر حملہ کر رہی ہے اور حکومتیں دلوں پر حملہ نہیں کرسکتیں۔ صرف مذہب ہی ہے جو انسان کے دل پر اثر کرتا ہے اور اس وجہ سے مذہب ہی کمیونزم کا صحیح طور پر مقابلہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ اب دنیا میں عام طور پر یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ کمیونزم کا اگر مقابلہ کیا جاسکتا ہے تو مذہب ہی کے ذریعہ سے۔ مگر عیسائیت اب اتنی بدنام ہوچکی ہے کہ اگر وہ ایشیا کی خیرخواہی کے لئے بھی کوئی بات کہے تو لوگ اسے کہتے ہیں اچھا اب ہماری خیرخواہی کا جبہ پہن کر تم ہمیں دھوکا دینے لگے؟ ہم تمہارے اس فریب میں آنے کے لئے تیار نہیں۔ چونکہ پادری کا جبہ عیسائی سیاست کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہا ہے اور جہاں انگریز کی توپ گئی وہاں پادری کا جبہ بھی جا پہنچا اس لئے اب خواہ وہ کسی اور نیت سے ان کے سامنے آئیں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دھوکا اور فریب کا جبہّ ہے۔ اور اپنی سیاست قائم کرنے کے لئے ہماری خیرخواہی کا اظہار کیا جارہا ہے اور پھر جن ملکوں کے متعلق یہ خطرہ ہے کہ وہ کہیں کمیونزم کے اثر کو قبول نہ کرلیں ان میں عیسائی کم ہیں اور دوسرے مذاہب کے لوگ بہت زیادہ ہیں۔ ان ممالک میں تو یوں بھی عیسائی پادریوں کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اگر ہندوؤں میں کھڑے ہوکر کوئی پادری یہ کہے کہ انجیل میں یوں

لکھا ہے یا تورات میں یوں آتا ہے تو لوگوں پر اس کا کیا اثر ہوگا وہ یہی کہیں گے کہ ہم تو انجیل اور تورات کو مانتے ہی نہیں۔ ہمارے سامنے ان باتوں کے بیان کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ ہندوؤں میں وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جو ہندو مذہب کے لٹریچر اور ویدوں کے حوالہ جات کو پیش کر کے بات کرے اور مسلمانوں میں وہی شخص مقبول ہوسکتا ہے جو قرآن کریم اور احادیث سے مسائل بیان کرے اور بدھوں میں وہی شخص مقبول ہوسکتا ہے جو بدھ مذہب کے لٹریچر سے اپنی باتیں نکال کر پیش کرے۔ پس کمیونزم کے مقابلے کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ عیسائی بھی ہندو بھی اور مسلمان بھی اور بدھ بھی اور زرتشتی بھی سب کے سب جمع ہو جائیں اور مل کر کمیونزم کا مقابلہ کریں۔

اگر تمام مذاہب کے ماننے والے جمع ہو جائیں اور اپنے اپنے عقائد کے مطابق اپنے ہم خیال لوگوں کو مخاطب کریں تو یقیناً ہندو بھی سنے گا اور عیسائی بھی سنے گا اور مسلمان بھی سنے گا اور بدھ بھی سنے گا کیونکہ وہاں سیاست کا کوئی سوال نہیں ہوگا۔ وہاں ہر شخص یہی کہے گا کہ ہمارا مذہب ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے اور کمیونزم اس کے خلاف ہے۔ دوسری طرف اس کے نتیجہ میں کمیونزم کو بھی اپنے حملہ کا رخ بدلنا پڑیگا۔ اب تو کمیونزم یہ کہتی ہے کہ ہم صرف سیاست کے خلاف ہیں۔ وہ ہے تو مذہب کے خلاف بھی مگر وہ اس کا ذکر نہیں کرتی سمجھتی ہے کہ جب حکومت ہمارے ہاتھ میں آجائے گی تو مذہب خود بخود مٹا ڈالیں گے۔ فی الحال صرف حکومتوں کو توڑنا ہمارا کام ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ سرِ دست ہم نے خدانخواستہ پاکستان کی حکومت کو توڑنا ہے، ہم نے ہندوستان کی حکومت کو توڑنا ہے، ہم نے افغانستان کی حکومت کو توڑنا ہے، ہم نے یورپین حکومتوں کو توڑنا ہے۔ چین کی حکومت کو تو وہ توڑ ہی چکے ہیں جب تمام حکومتیں ٹوٹ گئیں تو مذہب کیلئے کوئی جگہ نہیں رہے گی کیونکہ جہاں ان کا غلبہ ہوا وہاں نہ کوئی مذہب کا نام لے سکے گا نہ اس پر عمل کر سکے گا اور نہ اس کی اشاعت کے لئے کوئی کوشش کر سکے گا۔ یہ سکیم ہے جس کے ماتحت کمیونزم اپنے کام کو وسیع کرتا چلا جا رہا ہے مگر مذہبی لوگ خاموش بیٹھے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اس سے کیا واسطہ؟ کمیونسٹ تو صرف سیاست کے خلاف ہیں ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص دیکھے کہ ایک دشمن کسی بچے کو مار

رہا ہےتو وہ اس خیال سے خاموش بیٹھا رہے کہ یہ کسی اور کا بچہ ہےمگر جب وہ مر جائے تب اسے پتہ لگے کہ یہ تو میرا ہی بچہ تھا۔ وہ بھی اس وقت بالکل خاموش بیٹھے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس جھگڑے سے کیا واسطہ یہ تو ایک سیاسی جھگڑا ہے۔لیکن اگر سارے کے سارے لوگ کھڑے ہو جائیں اور وہ کہیں کہ یہ دہریت کی تعلیم دینے والے یہ انبیاء کو جھوٹا اور فریبی کہنے والے یہ الہام اور وحی کا انکار کرنے والے یہ الہامی کتابوں کو جھوٹا کہنے والے یہ خدا اور اس کے رسولوں کا نام دنیا سے مٹانے والے ہمارے دشمن ہیں۔

اور ہمارا فرض ہے کہ ہم سب مل کر اس کا مقابلہ کریں تو لازماً کمیونزم کو بھی مذہب کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور جب وہ مذہب کا مقابلہ کریگی تو وہ لوگ بھی جو اپنے آپ کو پہلے بے تعلق سمجھا کرتے تھے اس لڑائی میں شامل ہو جائیں گے۔اور یہ لڑائی تلوار سے ہٹ کر دلیل کی طرف آ جائیگی۔اور اس میں کمیونزم کا شکست کھا جانا ایک قطعی اور یقینی چیز ہے۔ یہ ایک اتنی موٹی بات ہے کہ یورپ کے تعلیم یافتہ تو الگ رہے ہندوستان اور افغانستان کے جاہل اور غیر تعلیم یافتہ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ مقابلہ کا اصل طریق یہی ہے مگر وہ کیوں ایسا نہیں کرتے ؟ ابھی پچھلے دنوں ان کے بعض نمائندے کراچی آئے جن کے سامنے ہمارے بعض دوستوں نے یہی بات پیش کی اور ان سے کہا کہ کیا آپ اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ آپ لوگ سیاسی لڑائی کر رہے ہیں۔حالانکہ سیاسی لڑائی میں آپ کا پہلو کمزور ہے کمیونزم کا اصل حملہ مذہب پر ہے باقی سب درمیانی راستے ہیں جو انہوں نے اپنے لئے بنائے ہوئے ہیں اور مذہب کے خلاف ان کا حملہ ویسا ہی عیسائیت پر ہے جیسا اسلام پر یا جیسے ہندو مذہب پر ہے یا جیسے بدھ ازم پر ہے یا جیسے دنیا کے اور مذاہب پر ہے اور جب حالت یہ ہےتو آپ تمام مذاہب والوں سے یہ اپیل کیوں نہیں کرتے کہ مسلمان بھی اور ہندو بھی اور بدھ بھی اور عیسائی بھی سب مل کر کمیونزم کا مقابلہ کریں۔

یو۔این۔او کے ان نمائندوں نے جو امریکی تھے اور لاہور آئے ہوئے تھے ہماری جماعت کے دوستوں سے کہا کہ ہم یہ خوب سمجھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ کمیونزم سے مقابلہ کا سہل طریق یہی ہے کہ تمام مذاہب کو متحد کیا جائے۔مگر مصیبت یہ ہے کہ اس طرح پوپ

ناراض ہو جاتا ہے اور ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یہ مثال میں نے اس لئے دی ہے کہ باوجود اس کے کہ عیسائیت کی خلافت اب محض ایک ڈھانچہ رہ گئی ہے اور وہ اپنی پہلی طاقت کو بالکل کھو چکی ہے پھر بھی عیسائیوں پر اس کا اتنا اثر ہے کہ وہ پوپ کی ناراضگی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ہلاکت دیکھ رہے ہیں وہ اپنی تباہی دیکھ رہے ہیں وہ اپنی بربادی دیکھ رہے ہیں مگر یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ پوپ کی رضامندی کے خلاف کوئی قدم اُٹھا سکیں۔

تو دیکھو ایک جتھے کا نتیجہ کتنا عظیم الشان ہوتا ہے اور اس میں کتنی بڑی طاقت پائی جاتی ہے۔ اسلام کا جتھا ایک زندہ جتھا ہے اور اسلام جس نظام کو قائم کرتا ہے اس کی بڑی غرض یہ ہے کہ روحانیت کو قائم کیا جائے، اخلاق کو درست کیا جائے، اور ذاتی منافع پر قومی منافع کو ترجیح دی جائے۔ وہ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی[1] کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اس لئے جتھا بنانے کی تعلیم نہیں دیتا کہ ذاتی فوائد حاصل کئے جائیں بلکہ وہ اس لئے جتھا بندی کی تعلیم دیتا ہے تا کہ تمام انسان مل کر نیکی اور تقویٰ پر قائم رہیں اور یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں مسلمانوں کو احمدیت کے ذریعہ دی ہے اور اس نے پھر ایک خلافت کا سلسلہ قائم کیا ہے جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں کا ایک ایسا جتھا بنانا چاہتا ہے جو مل کر کفر کا مقابلہ کریں۔ یہ چیز بظاہر بہت حقیر نظر آتی ہے بظاہر بہت کمزور نظر آتی ہے اور دشمن یہ سمجھتا ہے کہ ہم جب چاہیں احمدیت کو کچل سکتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے پردہ پر جو ساٹھ کروڑ کے قریب مسلمان ہیں ان کو وہ نعمت حاصل نہیں جو ہماری چھوٹی سی جماعت کو حاصل ہے اور وہ ان تمام فوائد سے محروم ہیں جو اس چھوٹی سی جماعت کو خلافت کی وجہ سے حاصل ہو رہے ہیں۔ مثلاً تبلیغ کو ہی لے لو یہی چیز ہے جسے ہم مخالف کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو ہم ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کر رہے ہیں مگر تم نے کبھی غور کیا کہ یہ تبلیغ کس طرح ہو رہی ہے! یہ تبلیغ محض خلافت کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ایک مرکز ہے جس کے ماتحت وہ تمام لوگ جن کے دلوں میں اسلام کا درد ہے اکٹھے ہو گئے ہیں اور اجتماعی طور پر اسلام کے غلبہ اور اس کے احیاء کیلئے کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ بظاہر چند افراد نظر آئے ہیں مگر اجتماعی طور پر ان میں

ایسی قوت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ بڑے بڑے اہم کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ جس طرح آسمان سے پانی قطروں کی صورت میں گرتا ہے پھر وہی قطرے دھاریں بن جاتے ہیں اور وہی دھاریں ایک بہنے والے دریا کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اسی طرح ہمیں زیادہ سے زیادہ طاقت اور شوکت حاصل ہوتی چلی جاتی ہے ورنہ ہمارے احمدی جہاں تک ہمیں معلوم ہے پاکستان اور ہندوستان میں اڑھائی تین لاکھ سے زیادہ نہیں اور مسلمان ساری دنیا میں ساٹھ کروڑ ہیں۔ ساٹھ کروڑ اور اڑھائی تین لاکھ کی آپس میں کوئی بھی تو نسبت نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہم سے دو ہزار چار سَو گنے زیادہ ہیں اور پھر یہ زیادتی تو تعداد افراد کے لحاظ سے ہے مالی طاقت اور وسعت کو دیکھا جائے تو وہ ہم سے کئی گنا بڑھ کر ہیں۔ ہم ایک غریب جماعت ہیں اور وہ اپنے ساتھ بادشاہتیں رکھتے ہیں اس لحاظ سے تو درحقیقت وہ ہم سے دس گنا بڑھ کر ہیں لیکن اگر کم سے کم ان کی طاقت کو ہم دُگنا بھی فرض کر لیں تو اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ غیر احمدیوں کی طاقت ہم سے پانچ ہزار گنا زیادہ ہے۔ یعنی ہماری جماعت اگر تبلیغی مشنوں پر پانچ لاکھ روپیہ خرچ کرتی ہے تو مسلمانوں کو اڑھائی ارب روپیہ خرچ کرنا چاہئے۔ گویا مسلمانوں کی ہمارے مقابلہ میں اگر محض دُگنی طاقت ہو جو کسی صورت میں بھی درست نہیں انکا مال اور ان کی دولت یقیناً بہت زیادہ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں بھی بعض ایسے مسلمان تاجر موجود ہیں جو اکیلے اکیلے ہماری جماعت کی تمام جائیداد خرید سکتے ہیں۔ پس دراصل تو ان کی مالی طاقت فرد فرد کی نسبت سے ہم سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن اگر دُگنی بھی فرض کی جائے تب بھی اڑھائی ارب روپیہ سالانہ انہیں تبلیغ کے لئے خرچ کرنا چاہئے لیکن وہ اڑھائی لاکھ بھی نہیں خرچ کرتے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خلافت کی نعمت عطا کی ہے جس سے وہ لوگ محروم ہیں۔ اس خلافت نے تھوڑے سے احمدیوں کو بھی جمع کر کے انہیں ایسی طاقت بخش دی ہے جو منفردانہ طور پر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یوں تو ہر جماعت میں کمزور بھی ہوتے ہیں اور ایسے طاقتور بھی ہوتے ہیں جو اکیلے تمام بوجھ کو اُٹھا لیں مگر تمام افراد کو ایک رسّی سے باندھ دینا محض مرکز کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مرکز کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ

کمزور کو گرنے نہیں دیتا اور طاقتور کو اتنا آگے نہیں نکلنے دیتا کہ دوسرے لوگ اس کے مقابلہ میں حقیر ہو جائیں۔ اگر مرکز نہیں ہوگا تو کمزور گرے گا، اگر مرکز نہیں ہوگا تو طاقتور اتنا آگے نکل جائے گا کہ باقی لوگ سمجھیں گے کہ یہ آسمان پر ہے اور ہم زمین پر ہیں ہمارا اور اس کا آپس میں واسطہ ہی کیا ہے لیکن نظامِ اسلامی میں آکر وہ ایسے برابر ہو جاتے ہیں کہ بعض مواقع پر امیر اور غریب میں کوئی فرق ہی نہیں رہتا۔

(الفضل ۲۸ / مارچ ۱۹۵۱ء)

۱؎ المائدۃ: ۳

بچوں کی تربیت نہایت اہم چیز ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۱ رستمبر ۱۹۵۱ء کو خطبہ جمعہ میں بچوں کی تربیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا۔

''پس بچوں کی تربیت نہایت اہم چیز ہے میں دیکھتا ہوں کہ ربوہ پر جہاں بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ وہاں بچوں کی تربیت کے متعلق بھی اس پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن افسوس ہے کہ بچوں کی تربیت کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ قادیان میں بھی یہ نقص تھا۔ اور میں نے اس کو دور کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہاں یہ نقص زیادہ نہیں تھا۔ یہاں تو یہ حالت ہے کہ والدین اپنے بچوں کو خلافت کی اہمیت بھی نہیں بتاتے چنانچہ بعض بچے جب میرے پاس آتے ہیں تو میں نے دیکھا ہے کہ وہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنے کی بجائے اس قسم کے الفاظ اپنی زبان سے نکال دیتے ہیں کہ بابا جی سلام۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انہیں پتہ ہی نہیں کہ ان کا خلیفہ وقت کے ساتھ کیا رشتہ ہے اور اسے کن الفاظ میں مخاطب کرنا چاہیے۔ اگر والدین نے انہیں خلافت کے مقام کی اہمیت بتائی ہوتی تو وہ آدابِ اسلامی سے اس قدر بیگانہ نہ ہوتے۔ میں سمجھتا ہوں یہ ماں باپ کا ہی قصور ہے کہ انہیں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ خلیفہ کا رشتہ ماں باپ اور استاد کے رشتہ سے بھی زیادہ اہم ہے اور ان کا فرض ہے کہ اسے ان سب سے زیادہ عزت کا مقام دیں''۔ (الفضل ۱۰ رمئی ۱۹۶۱ء)

دعا کی فلاسفی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۸ ستمبر ۱۹۵۱ء کو خطبہ جمعہ میں دعا کی فلاسفی بیان فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے مدد کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اور دیگر مذاہب میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''ہمارے اور دوسرے مذاہب کے درمیان یہی لڑائی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ زندہ ہے۔ اور وہ انسان کے کاموں میں اسی طرح دخل دیتا ہے جیسے وہ پہلے دیا کرتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کی سب تدابیر ناکام ہو جاتی ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف رُخ کرتا ہے تو اسے باوجود ظاہری سامان نہ ہونے کے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ نپولین نے کتنی تیاریاں کی تھیں، قیصر نے کتنی تیاریاں کی تھیں، مسولینی نے کتنی تیاریاں کی تھیں لیکن وہ ناکام ہوئے انور پاشا اور اس کی پارٹی نے کتنی تیاریاں کی تھیں لیکن وہ ناکام ہوئے اور ایک دھتکارا ہوا شخص مصطفیٰ کمال پاشا آگے آ گیا۔ بیشک وہ بھی دیندار نہیں تھا لیکن انور پاشا پر یہ الزام تھا کہ اس نے ایسے بادشاہ کو جس کے زمانہ میں اسلام نے ترقی کی تھی معزول کیا مصطفیٰ کمال پاشا کا یہ قصور نہیں تھا اس نے بیشک خلافت کو توڑا تھا لیکن اس نے اس خلافت کو توڑا جس نے پہلے سے قائم شدہ خلافت کو برخواست کیا تھا اور اس کا مقابلہ کیا تھا اس لئے وہ باغی سے مقابلہ کرنے والا کہلاتا ہے دراصل اس آخری زمانہ میں جو خلافت تھی یہ اصل خلافت نہیں تھی۔ اصل خلافت خلفائے راشدین والی خلافت ہی تھی۔ سارے مسلمان متفق ہیں کہ خلافت راشدہ حضرت علیؓ پر ختم ہو گئی ہے۔ بے شک بعد میں آنے والے بادشاہوں کو بھی خلفاء کہا گیا۔ لیکن وہ خلفائے راشدین نہیں تھے۔ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اگر بادشاہ کو خلیفہ نہ کہا تو پکڑے جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے پہلی خلافت کو

خلافت راشدہ کا نام دے دیا۔ اوراس طرح بادشاہوں کا منہ بند کر دیا۔ غرض عام بادشاہوں کو خلیفہ ہی کہا جاتا تھا۔ لیکن جس خلافت کا ذکر قرآن کریم میں ہے وہ مسلمانوں کی اصطلاح میں خلافت راشدہ کہلاتی ہے۔ اوراس بات پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ خلافت راشدہ حضرت علیؓ پر ختم ہو چکی ہے۔ ہاں اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نئے سرے سے قائم ہوئی ہے لیکن یہ خلافت روحانی ہے دُنیوی سلطنت کا اس سے کوئی تعلق نہیں''۔

(الفضل ۱۷ نومبر ۱۹۵۱ء)

خلیفۃ المسیح کا مقام

یکم فروری ۱۹۵۲ء کوخطبہ جمعہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جماعت کی تعداد بڑھنے اور حضرت مسیح موعود کی خدمات بغیر کسی اجر کے کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''حضور علیہ السلام کی تحریرات کا اس سے زیادہ مطلب کچھ نہ تھا۔ کہ میں کسی بدلہ کی خواہش کے بغیر یہ کام کر رہا ہوں۔ قرآن کریم میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں تم سے اس کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ اس کام کا بدلہ میں خدا تعالیٰ سے لوں گا۔ جس نے یہ کام میرے ذمہ لگایا ہے۔ کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کر رہے تھے کہ مجھے کچھ دو۔ یہ صاف بات ہے کہ لوگ انگریزوں کی خدمات بجالاتے تھے۔ اور وہ انہیں انعامات بھی دیتے تھے لیکن ان خدمات اور انعامات کے مقابلہ میں کوئی شور نہیں پڑتا۔ تمام مسلمان چپ ہیں۔ لوگ ان انعام یافتوں کی دعوتیں کرتے ہیں اور اس اعزاز کی وجہ سے ان کا احترام بھی کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے اس فعل کو ناپسند نہیں کرتے۔ اگر مرزا صاحب پر مولوی لوگ اس لئے ناراض ہیں کہ آپ نے انگریزوں سے تعاون کیا ان کی مدد کی اور اس طرح ان کی طاقت کو بڑھایا تو سوال یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کا انگریزوں سے یہ تعاون کسی غرض کے لئے تھا۔ تو انگریزوں نے ان کی کیا مدد کی۔ پنجاب موجود ہے اس میں دس پندرہ ہزار مربع زمین انگریز کی خدمات کے بدلہ میں لوگوں کو ملی ہے۔ ان دس پندرہ ہزار مربعوں میں سے مرزا صاحب کو کتنے ملے ہیں؟ یا وہ کونسے خطابات ہیں جو انگریزی حکومت نے مرزا صاحب کو دیئے۔ مرزا صاحب تو فوت ہوگئے ہیں۔ آپ کے زمانہ میں حکومت کی طرف سے کسی خطاب یا انعام کی آفر (OFFER) نہیں آئی تھی۔ لیکن میرے زمانہ میں حکومت نے یہ کہا

کہ اگر آپ پسند کریں تو ہم آپ کو کوئی خطاب دینا چاہتے ہیں۔لیکن میں نے ہر دفعہ یہی کہا کہ میں تمہارے خطاب کو ذلّت سمجھتا ہوں اور جس چیز کو جماعت احمدیہ کا خلیفہ اپنی ذلّت اور ہتک سمجھتا ہے اس کا بانی اس کی کیا حقیقت اور قیمت سمجھتا ہوگا۔تین دفعہ حکومت نے یہ کہا کہ ہم کوئی خطاب دنیا چاہتے ہیں۔ایک دفعہ حکومت ہند کے ایک ممبر نے ایک احمدی کو بلا کر کہا کہ کیا تم اس بات کا پتہ کر سکتے ہو کہ اگر ہم مرزا صاحب کو کوئی خطاب دینا چاہیں تو وہ خطاب لے لیں گے۔یعنی ان کے دل میں بھی شبہ تھا کہ اگر ہم نے کوئی خطاب دیا تو یہ اسے منظور نہیں کریں گے۔جس شخص سے حکومت کے ممبر نے اس بات کا ذکر کیا۔اس میں اتنا ایمان نہیں تھا۔وہ سمجھتا تھا کہ اگر خلیفہ کی شان کے مطابق کوئی انعام مل جائے تو اس میں ہماری عظمت ہوگی۔اس نے بیوقوفی سے کہہ دیا کہ اگر آپ ان کی شان کے مطابق کوئی انعام دیں گے تو وہ لے لیں گے اور مثال دی کہ جس طرح کا خطاب سر آغا خاں کو دیا گیا ہے اسی قسم کا خطاب دے دیا جائے جو ان کی شان کے مطابق ہو تو وہ انکار نہیں کریں گے۔ اس کے بعد مجھ کو خط لکھا تو میں نے جواب دیا کہ تم کتنے گھٹیا درجہ کے مومن ہو۔وہ خلیفۃ المسیح کے خطاب سے بڑھ کر کونسا خطاب مجھے دیں گے۔میں ایک مامور من اللہ کا خلیفہ ہوں۔ اگر وہ مجھے بادشاہ بھی بنا دیں گے تو وہ اس خطاب کے مقابلہ میں ادنیٰ ہوگا۔تم فوراً جاؤ اور اس ممبر سے کہو کہ میں نے جو جواب دیا تھا وہ غلط تھا۔اگر آپ انہیں کوئی خطاب دیں گے تو وہ اسے اپنی ذلت اور ہتک سمجھیں گے۔اسی طرح ایک دفعہ حکومت کے ایک رکن نے میرے ایک سیکرٹری سے کہا۔کہ اب خطابات دیئے جانے کا سوال ہے۔اگر مرزا صاحب منظور کر لیں تو انہیں بھی کوئی خطاب دے دیا جائے تو انہوں نے کہ وہ آپ کا کوئی خطاب برداشت نہیں کریں گے۔اسی طرح ایک اور افسر نے ایک احمدی رئیس سے کہا کہ اب مربعے مل رہے ہیں۔اگر مرزا صاحب پسند کریں تو انہیں بھی کچھ مربعے دے دیئے جائیں۔انہوں نے مجھ سے اسی بات کا ذکر کیا تو میں نے کہا یہ تو میری ذلّت اور ہتک ہے کہ میں حکومت سے کوئی انعام لوں۔اس کا تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم پیسوں کے لئے سب کام کرتے ہیں۔

(الفضل ۱۳ فروری ۱۹۵۲ء)

حکومت اور خلیفہٴ وقت کی اطاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۵؍جولائی ۱۹۵۲ء کو خطبہ جمعہ میں اپنے شائع ہونے والے انٹرویو کا ذکر کیا جس میں بعض غلطیاں تھیں۔حکومت کی اطاعت اور خلیفہٴ وقت کی اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''خلیفہ کی اطاعت ضروری ہے یا گورنمنٹ کی؟ اگر جماعت اور گورنمنٹ میں اختلافات بڑھ جائیں تو جماعت آپ کی فرمانبرداری کرے گی یا گورنمنٹ کی؟ یہ سوال کئی سال سے چلا آتا ہے۔انگریزوں کے وقت میں بھی یہ سوال اُٹھا تھا کہ ہمارا اور آپ کا اتحاد کیسے ہوسکتا ہے جبکہ جماعت آپ کی فرمانبرداری کو ضروری خیال کرتی ہے۔اس سوال کا جو جواب میں نے دیا تھا وہ بھی انہوں نے درست لکھا ہے کہ ہماری مذہبی تعلیم یہ ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کی جائے۔ہم آیات قرآنیہ نکال نکال کر کہتے ہیں کہ حکومت وقت کی فرمانبرداری ضروری ہے ہم احادیث نکال نکال کر کہتے ہیں کہ حکومت وقت کی فرمانبرداری ضروری ہے۔ پھر میں اپنے متبوع کی نافرمانی کیسے کرسکتا ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تو یہی لکھتے آئے ہیں کہ حکومت وقت کی اطاعت کی جائے۔اور میں خود بھی ۳۵، ۳۶ سال سے یہی کہتا چلا آیا ہوں کہ حکومت وقت کی اطاعت کرو۔آخر میں اپنے قول کی مخالفت کیونکر کرسکتا ہوں۔دراصل ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ کا محافظ خدا تعالیٰ ہے اور وہ اس سے ایسی غلطیاں سرزد نہیں ہونے دے گا جو اصولی امور کے متعلق ہوں۔پس اس سوال کا اصل جواب تو یہ تھا کہ خلیفہ ایسی غلطی نہیں کرسکتا۔لیکن اس جواب سے غیر احمدیوں کی تسلّی نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ وہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ کے متعلق یہ اعتقاد نہیں رکھتے کہ وہ ایسی غلطی نہیں کرسکتا۔اس قسم کے سوال فرضی کہلاتے ہیں۔ان کے

جوابات بھی دیئے جاسکتے ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ سوال فرضی ہے اس لئے میں نے اس کا جواب نہیں دیا لیکن اگر میں ایسا جواب دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ غیر احمدیوں کے شبہات دور نہ ہوتے بلکہ وہ کہتے یہ سوال کو ملا گئے ہیں۔ پس میرے اس جواب سے جو ہوتا تو بالکل درست سچائی ظاہر نہیں ہوسکتی تھی۔ ایسے موقع پر مناسب یہی ہوتا ہے کہ اس فرضی سوال کا جواب بھی دے دیا جائے چنانچہ میں نے اس سوال کے جواب میں اُس نمائندے سے یہ کہا کہ جب جماعت کا خلیفہ باوجود اس کے کہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کرو۔ احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کرنی چاہیے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ حکومت وقت کی اطاعت کرو۔ میں خود ۳۵، ۳۶ سال سے اس بات کی تلقین کررہا ہوں کہ حکومت وقت کی اطاعت ضروری ہے۔ حکومت وقت کی نافرمانی کی تعلیم دے گا تو لازماً جماعت اس سے پوچھے گی کہ یہ حوالے کہاں گئے آپ ہمیں اب کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟ درحقیقت ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے اور وہ اسے اس قسم کی غلطی نہیں کرنے دیتا جو اصولی امور سے تعلق رکھتی ہو۔ پس یہ سوال ہی غلط ہے ایسا موقع ہی نہیں آسکتا کہ جماعت احمدیہ کا سچا خلیفہ حکومت وقت سے بغاوت کی تعلیم دے۔ وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہے اور وہ یہ غلطی نہیں کرسکتا۔

(الفضل ۲۹ جولائی ۱۹۵۲ء)

خدمت دین کے لئے آگے آنے کی تلقین

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۹ دسمبر ۱۹۵۵ء)

حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب کی وفات کے موقع پر حضور نے خطبہ جمعہ میں نوجوانوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ وہ آگے آئیں اور ان کی جگہ لیں اور خدمت دین کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں آپ نے فرمایا:۔

''پس میں نوجوانوں کو کہتا ہوں کہ وہ دین کی خدمت کے لئے آگے آئیں اور صرف آگے ہی نہ آئیں بلکہ اس ارادہ سے آگے آئیں کہ انہوں نے کام کرنا ہے۔ گو حضرت خالد بن ولیدؓ نوجوان آدمی تھے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو کمانڈر ان چیف مقرر کر دیا۔ اس وقت حضرت خالد بن ولید کی پوزیشن ایسی تھی کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے خیال کیا کہ اس وقت ان سے کمانڈ لینا مناسب نہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اپنی برطرفی کا کسی طرح علم ہو گیا۔ وہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے پاس میری برطرفی کا حکم آیا ہے لیکن آپ نے ابھی تک اس حکم کو نافذ نہیں کیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے کہا۔ خالد تم نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اب بھی تم خدمت کرتے چلے جاؤ۔ خالدؓ نے کہا یہ ٹھیک ہے لیکن خلیفہ وقت کا حکم ماننا بھی ضروری ہے۔ آپ مجھے برطرف کر دیں اور کمانڈر انچیف کا عہدہ خود سنبھال لیں۔ میرے سپرد آپ چپڑاسی کا کام بھی کر دیں گے تو میں اسے خوشی سے کروں گا۔ لیکن خلیفہ وقت کا حکم بہرحال جاری ہونا چاہئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے کہا کہ کمان تو مجھے لینی ہی پڑے گی۔ کیونکہ خلیفہ وقت کی طرف سے یہ حکم آچکا ہے۔ لیکن تم کام کرتے چلے جاؤ۔ خالدؓ نے کہا

آپ حکم دیتے جائیں، میں کام کرتا جاؤں گا چنانچہ بعد میں ایسے مواقع بھی آئے کہ جب ایک ایک مسلمان کے مقابلہ میں سَو سَو عیسائی تھا۔ لیکن خالد نے ہمیشہ یہی مشورہ دیا کہ آپ ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہیں۔

خدا تعالیٰ کے اس وعدہ پر یقین رکھو کہ اسلام اور احمدیت نے دنیا پر غالب آنا ہے۔ اگر یہ فتح تمہارے ہاتھوں سے آئے تو رسول کریم کی شفاعت تمہارے لئے وقف ہوگی کیونکہ تم اسلام کی کمزوری کو قوت سے اور اس شکست کو فتح سے بدل دو گے۔ خدا تعالیٰ کہے گا گو قرآن کریم میں نے نازل کیا ہے لیکن اس کو دنیا میں قائم ان لوگوں نے کیا ہے۔ پس اس کی برکات تم پر ایسے رنگ میں نازل ہوں گی کہ تم اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرو گے اور وہ تمہاری اولاد کو بھی ترقیات بخشے گا۔

(الفضل ۱۸؍ دسمبر ۱۹۵۵ء)

خلیفۂ وقت کا توکل علی اللہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۳۱ را کتوبر ۱۹۵۸ءکو خطبہ جمعہ میں ایک پولیس سپرنٹنڈنٹ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

آپ نے دیکھا ہے کہ دفتر میں پندرہ بیس آدمی بیٹھے ہیں لیکن آپ دلیری سے میرے پاس آ گئے ہیں آپ ان احمدیوں سے کیوں نہیں ڈرے۔ آپ ان سے اس لئے نہیں ڈرے کہ آپ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے مجھے کچھ کہا تو میری حکومت ان کی گردنیں پکڑ لے گی۔ تو اگر آپ کو اپنی سرکار پر اتنا بھروسہ ہے تو آپ یہ بتائیے کہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ یعنی اُس کا عہدیدار ہوں اب اگر آپ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہو کے اپنی سرکار پر اتنا اعتبار رکھتے ہیں تو کیا میں خدا کا خلیفہ ہو کر اپنے خدا پر اعتبار نہیں کروں گا؟ یاد رکھیں میری گردن آپ کے گورنر کے ہاتھ میں ہے لیکن آپ کے گورنر کی گردن میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ میری گردن مروڑنے کی کوشش کرے گا تو خدا تعالیٰ اُس کی گردن مروڑ دے گا۔ چنانچہ چند دن کے اندر اندر اُسے واپس بلا لیا گیا اور گورنری سے ہٹا دیا گیا۔ (غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری)